خلافتِ معاویہ و یزید

یعنی

اُموی خلافت کا پس منظر، خلافت و سیرۃ معاویہؓ
و یزید بن معاویہ، حادثہ کربلا، اور فتنہ حرہ پر
بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مؤلفہ
محمود احمد عباسی

سلسلۂ تاریخ اختلافِ اُمت

(۱)

خلافتِ معاویہؓ ویزیدؒ

یعنی

اُموی خلافت کا پس منظر، سیرۃ معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ، حادثہ کربلا و فتنہ حرہ پر بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مولفہ

محمود احمد عباسی

جملہ حقوق طبع بحق مؤلف محفوظ ہیں

طبع اوّل	مئی سنہ ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
" دوم	جولائی سنہ ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
" سویم	جنوری سنہ ۱۹۶۱ء	۲۰۰۰
" چہارم	جون سنہ ۱۹۶۲ء	۱۰۰۰

یہ کتاب ان مقامات سے دستیاب ہو سکتی ہے

کراچی :- مکتبہ محمود - ۲۶/۱ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی ۱۹
" :- سلطان حسین اینڈ سنز - مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

لاہور :- مکتبہ علم و حکمت - سوتر منڈی - لاہور

ملتان :- مکتبہ نادیۃ الادب اسلامی - ۲۳۲ - کوٹ تغلق شاہ - ملتان

ناشر

محمود احمد عباسی - کاشانہ محمود - ۲۶/۱ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی

طابع

جاوید پرنٹنگ پریس - میکلوڈ روڈ - کراچی

فہرست مندرجات

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	عرض مولف (طبع چہارم)	۶	۱۸	خطبا امیر المومنین یزیدؒ	
۲	" " " سوم	۱۱	۱۹	لقب الخطیب الاشدق	۹۹
۳	" " " دوم	۳۴	۲۰	خصائل محمودہ	۹۹
۴	" " " اوّل	۴۵	۲۱	حکمرانی کا مطمح نظر	۱۰۰
۵	اموی خلافت کا پس منظر	۵۲	۲۲	سیرت یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ	۱۰۲
۶	سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت		۲۳	کتاب فضل یزیدؒ	۱۰۵
۷	خلافت سے معزولی اور شہادت	۶۲	۲۴	مدینۃ النبی سے انس	۱۰۹
۸	وصیت	۶۳	۲۵	اطاعت امیر و ممانعت خروج	۱۱۳
۹	مصالحت اور بیعت خلافت	۶۶	۲۶	خلافت کے امیدوار	۱۱۷
۱۰	حضرت معاویہؓ کا سلوک	۶۹	۲۷	حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہ کے نصائح	۱۱۹
۱۱	جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت	۷۲			
۱۲	امارت حج	۸۱	۲۸	حکومت کا نرم رویہ	۱۲۳
۱۳	ولیعہدی	۸۲	۲۹	قطعہ اشعار امیر یزیدؒ	۱۲۴
۱۴	کردار خلیفہ یزیدؒ	۸۹	۳۰	برادر حسینؓ کا موقف	۱۲۶
۱۵	مجالس علمی	۹۲	۳۱	موقف صحابہ رسولؐ	۱۲۹
۱۶	روایت حدیث	۹۲	۳۲	نظام خلافت	۱۳۰
۱۷	خطبات جمعہ و عیدین	۹۶	۳۳	نظام مملکت	"

نمبر	مضمون	صفحہ
۳۴	نظامِ عسکری	۱۳۰
۳۵	اُمت کی حرارتِ دینیہ	۱۳۱
۳۶	بنی ہاشم اور اموی خلافت	۱۳۲
۳۷	کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں	۱۴۱
۳۸	اقدامِ خروج میں غلطی	۱۴۲
۳۹	بزرگوں سے ردّ و قدح	"
۴۰	تذبذب و تحقیق مزید	۱۴۹
۴۱	مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی	۱۵۱
۴۲	کوفہ کو روانگی	۱۵۳
۴۳	تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت	۱۵۶
۴۴	اجتہادی غلطی	۱۶۶
۴۵	عاملِ مکہ کا اقدامِ مزاحمت	۱۷۱
۴۶	سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے ۔	۱۸۰
۴۷	جدول منزلیں اور فاصلے	۱۸۵
۴۸	حجازی قافلوں کی اوسط رفتار	
۴۹	واقعات دورانِ سفر	۱۸۶
۵۰	واپسی کا قصد، برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار،	۱۹۱
۵۱	نئے گورنر کو احکام و ہدایات	۱۹۶
۵۲	کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رخ کرنا	۱۹۹
۵۳	اجماعِ امت کی اہمیت اور کوفیوں کے غدر کا احساس	۲۰۱
۵۴	کربلا، وجہ تسمیہ اور محلِ وقوع	۲۰۵

نمبر	مضمون	صفحہ
۵۵	فرات کا کنارہ	۲۱۰
۵۶	پانی کی افراط	۲۱۱
۵۷	واقعاتِ کربلا کے راوی	۲۱۳
۵۸	ابن جریر طبری	۲۱۷
۵۹	راویوں کی غلط بیانیاں	۲۱۹
۶۰	تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا	۲۲۰
۶۱	غلط بیانیوں کی مثالیں	۲۲۱
۶۲	جدول تاریخ و دن	۲۲۳
۶۳	کذب و افترا کی بدترین مثال	۲۲۹
۶۴	کردار ابن زیاد	۲۳۶
۶۵	کردار عمر بن سعدؓ	۲۳۷
۶۶	موقف علی بن الحسینؓ	۲۵۱
۶۷	بنی اُمیہ و بنی ہاشم	۲۶۱
۶۸	صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں	۲۶۴
۶۹	اولادِ حسینؓ کی قرابتیں	۲۷۳
۷۰	دیگر قرابتیں	۲۷۴
۷۱	راس الحسینؓ	۲۸۱
۷۲	سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی لغو روایتیں	۲۸۶
۷۳	کوفہ و عراق و الجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر	۲۹۳
۷۴	حسینی قافلے کے شرکار و باقی ماندگان ۔	۳۱۳

نمبر شمار	مضمون		نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۵	واقعہ حرہ وحصار ابن زبیرؓ	۳۲۰	۷۹	توضیحات (تاریخوں کے دن معلوم کرنیکا کلیہ)	۴۳۷
۷۶	امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی وذاتی حالات	۳۳۲	۸۰	مفروضہ صحابیت وموروثی فضیلت	۴۴۴
۷۷	امیر المومنین معاویہ ثانی	۴۲۵	۸۱	خروج وبغاوت	۴۵۱
۷۸	علامہ خالد ابن امیر المومنین یزید	۴۲۷	۸۲	مثنوی وقطعات تاریخ	۴۶۹
			۸۳	کتابیات	۴۷۷

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

(طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بنچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کر دیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اتروا لئے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں۔ کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ۔ مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بدمعاملگی سے وہ سب چربے ہی ضایع نہ گئے چھپائی بھی ناقص ہوئی۔ کاغذ بھی خراب لگا۔ بایںہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔ اب اس چوتھے ایڈیشن کے لئے قدرے بڑے سائز پر کتابت از سر نو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے شائقین کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد "تحقیق مزید" شایع ہو گئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض ان واقعات و حالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں۔ اس کتاب میں بھی "توضیحات" کے عنوان سے بعض ضروری

مطالب کا اضافہ ہے۔ یہ دونوں جلدیں: "خلافت معاویہؓ ویزید" اور "تحقیق مزید" مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیق (ریسرچ) کی ہیں ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رُخ بھی پیش کر دیئے ہیں جو اب تک مخفی اور اوجھل تھے یا اوجھل رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اس طرح کی ریسرچ ہوتی رہیگی۔ غلط تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دیگا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں اُبھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقاء کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی و تحقیقات کا تقاضا ہے تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزا اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قرآن کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جاسکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب و تردید اور صحیح و قوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے ـــــ بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سب و شتم ـــــ ہم اس کی قدر کریں گے۔ تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا اونچا مقام حاصل کر لیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ

کیا گیا ہے اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

"آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہو گا جو عباسی صاحب اور ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "خلافت معاویہ ویزید" سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہو گئی کہ اس کی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بیقدری ہے۔ پھر اس بیقدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اس کی قباحت دو چند ہو جاتی ہے لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔

"خلافت معاویہ ویزید" کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ "میثاق" کے قارئین جانتے ہونگے یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبان سے سُنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ من وعن صحیح نہیں ہیں بلکہ انکے بیان میں بہت سی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ عباسی صاحب نے تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو ابھارا

وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں جتنے نادر سمجھ کر انکے مخالفین نے درجنوں کتابیں انکے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی امیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور انپر دلائل کا اسقدر انبار لگادیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید اردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نقطۂ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید کو پڑھکر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھالیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کیلئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں حتیٰ کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں ہماری لئے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو انکی تحقیق کے کڑے معیار پہ پوری اتر سکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اسکا اونچا معیار تحقیق ہی ہے عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگالیا ہے جنکے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا موجب بنی ہیں انکی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحیٰی ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹر رافضی کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب ثابت کر چکے کہ اس معروف بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جبتک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت کو پہلے ثابت نہ کرے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اسکے لئے ممکن نہیں۔

زیرِ نظر کتاب "تحقیق مزید" خلافت معاویہ و یزید" کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواج مطہرات کے علاوہ پونے تین سو صحابہؓ (جنمیں اصحاب عشرہ مبشرہ بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی بھی خاصی تعداد شامل ہے) کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولیعہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کیلئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اسکے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں وراثتی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو انکے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ انکے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے۔ . . . .

" اس کتاب میں بیشمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کیلئے یقیناً تعجب خیز ہونگے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابوطالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابوطالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا۔ حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہر بانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔"

کاشانۂ محمود
لیاقت آباد۔ کراچی

محمود احمد عباسی
۱۰ مئی سنہ ۱۹۶۲ء

باسمہٖ سبحانہٗ تعالےٰ

عرضِ مؤلف

(طبع سوم)

سب سے پہلا یعنی ابتدائی اڈیشن اس کتاب کا مئی ۱۹۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چندہی ہفتے بعد دوسرا ماہ جولائی میں کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا ـــــ پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مورخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں جن پر صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں اس نوعیت سے تحقیق و ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔ بقول مولانا عبد الماجد دریابادی ؒ۔

"کتاب مجادلہ کیا معنی، مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقاید کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے، جو مسلماتِ عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ اور ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہر حال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جاسکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں سے کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و نقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر (صدق جدید ۲۴ جولائی ۱۹۵۹)

تاریخی تحقیق وریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے۔ بلاشبہ ان افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑتی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور بمرورِ زمانہ قوم وقت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔ مفکرِ اسلام ڈاکٹر اقبال نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی قسم کی مخترعات کو "خرافات" سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام بُتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ اُمت روایات میں کھو گئی

"مجاہدِ اعظم" کے شیعہ مولف تو حادثۂ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور سے خود ہی لکھتے ہیں۔

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقہ علماء کے بڑے بڑے اراکین، مفسرین ہوں یا محدثین، مورخین ہوں یا دوسرے مصنفین متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے نقل کرتے آئے ہیں اور ان کی صحت و غیر صحت کو معیارِ اُصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل و تسامح کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان و قلوب میں ایسے راسخ اور استوار ہو گئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہات کا انکار ہے۔

(مجاہدِ اعظم ص۱۹۲)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار، دس پانچ نہیں اکٹھے دو درجن مشہور قصوں پر شد و مد سے جرح و نقد کرتے ہوئے متعدد کو سرے سے غلط و بے بنیاد بتایا ہے۔ اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بکاء و ابکاء کی خاطر یہ سر و پا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصود اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مفتریات واہیہ کے پردے چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انھیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے

اصلی خدوخال میں پیش کرتا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا۔ بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دیتا اور بیان کرتا تھا۔

"خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی، کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی ارباد رونق ہے۔ مگر اس تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا، اور اصل حقیقت منکشف ہو گئی تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہلِ علم معترف ہیں کہ وہ اس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

کتاب کی روزافزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنا لیا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرتے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبدالدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کے ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرانے کی جدوجہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲ اگست ۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود و اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہو سکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کی اسپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلے مصدرہ ۱۹ دسمبر ۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو ان کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا نہ تو حکم ضبطی میں شامل کیا، نہ اس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ ان کے وکیل ایسا کوئی مضمون و فقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا برملا اظہار کیا، کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتری مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں ریمارک کیا ہے کہ

ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہر حال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دل آزاری کے مسائل تاریخی پہلو کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ و مضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدور حکم ضبطی کے وقت بتایا جا سکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا، وہ یا ان کا سیکرٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعے عدالت کے سامنے! ان کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی وتہی دستی تو اظہر من الشمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا۔ حکم ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے گویا وہی بات ہوئی کہ:۔

ع:۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لئے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور و نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور شور سے بمبئی اور لکھنو وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیۃ العلماء کے مؤقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں "ایک علمی کتاب" کے ذیلی عنوان سے یہ شذرہ لکھا تھا:۔

"اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقے کی دل آزاری بھی نہ کی گئی ہو نہ اس کے بزرگوں کو بُرا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گذری ہے۔ اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی

ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے۔ مگر ہمیں یہ سنکر تعجب ہوا کہ حکومتِ پاکستان نے اُسے ضبط کرلیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو، اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانے پر ہی اُسے زیرِ تنقید لایا جائے اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا برد کرنا پڑے گا۔

حکومت پاکستان[1] نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے جسے بہر حال جمہوری ممالک میں برداشت نہیں کیا جا سکتا"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۲۸۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۵۹ء)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثناء و صفت کی ہے۔ اسی کتاب کی مخالفت میں اور اسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارہ کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) آرگن ہے، شد و مد کے ساتھ یکایک مخالفت شروع کر دی اور وہ بھی علمی و تاریخی و تحقیقاتی مسائل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے ادارے جمعیۃ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لئے۔ تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی ۱۲ اکتوبر ۵۹ء کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار "طوفان جدید" نے ان دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تصنیف و تالیف میں شریک بتا کر وہاں کی مسلم پبلک اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم و عطیات ملتے ہیں بھڑکانا شروع کیا۔ ۱۵ اکتوبر ۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۲۱ جلد ۱۱) بحروف جلی یہ لغو بیانی کی گئی

"کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا محمد طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن و مولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے"

---

[1] حکومت پاکستان نے نہیں ایڈمنسٹریٹر کراچی نے بحق سرکار پاکستان کتاب ضبط کی تھی۔ جیسا کہ ان تفصیلات سے جو پیش کی گئی ہیں ظاہر ہے۔

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے" کی ذیلی سرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ:۔
"کتاب" خلافت معاویہ و یزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی جاسکتی، بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے۔۔۔۔ بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دار العلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ جھلکتا ہے اور جہاں جمہوریت کی تواریخ، اور منشار، کا اظہار کیا گیا ہے اور اموی سیاست پر بحث کی گئی ہے، وہاں بطل حریت ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت جھلکتی دکھلائی دیتی ہے۔۔۔۔ (وغیرہ وغیرہ من الهفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگِ بارگاہ چشتیہ" کے الفاظ لکھے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دار العلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپگنڈہ بمبئی میں کیا جارہا تھا۔ ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دار العلوم دیوبند اور جمعیتہ العلمار کو ہدف ملامت بنانے کے لئے کتاب کی تالیف و تصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ ہے کہ ۲۰ر اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی۔

"خلافت معاویہ یزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیتہ العلمار کا سیکرٹری ہے[له]۔"

له یوپی جمعیتہ العلمار کے سیکرٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائے کہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہو کر یہ خدمت انجام دیتا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیتہ اور جمعیتہ کے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اس کے متعدد زعمار سے مراسم محبت و یگانگت کے بھی رہے تھے۔ بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد و منشار، و سابقہ وطن امروہہ میں چند سال اس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع ہفتوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیوٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام یعنی جلسہ جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے۔

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۹ اشر) میں معطیان دارالعلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے۔

"سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔
"امیرالمومنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور حقدار خلیفہ تھے۔
"غمگساران اہلبیت و جاں نثاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔
"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سنی جمعیتہ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو جو چندہ بند کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔

بقیہ صہ ۱۶۔ پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ ہمیں دونوں ان کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے مگر سیاسی شغلوں ہی تک ہمارے یہ تعلقات محدود نہ تھے اس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیتہ کی حیثیت مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں کی نیتوں میں فرق آنا دیکھ نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے میرے بھانجے کو جو گڈھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر رہتے تھے بعض کانگریسیوں نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کے لئے ہجرت کرنا پڑی تھی نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہو گیا بلکہ کانگریس کی بھی ممبری تک سے تاہیں ہمہ مولانا سے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں توطن کے اعتبار سے بھی جدا ہیں۔ اور مسلک کے لحاظ سے بھی ان کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں میں محسوس کرتا ہوں ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق ۔۔۔ او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اس یاوہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم اس نے تو اس ذلیل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیتہ کا سیکریٹری بتا کر اراکین جمعیتہ کو بھی اس سب وشتم میں شامل کردے جو کلکتہ سے پشاور تک مصنف کے خلاف مہینوں برپا رہا تھا۔

"چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دار و مدار ان حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساسِ لا الٰہ قرار دیتے ہیں، جو بغض علی کا شکار نہیں بلکہ حبِ نبی، حبِ علی اور حبِ اہلبیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔
ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر ردّ آثار اور حقایق سے بعید منظر عام پر محض اسی لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ ...... (الی آخرہ)

یہ بکواس یا وہ گو اخبار نویس کی لائق اعتناء نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات اور چندہ کی رقوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ۔ "سگ بارگاہ چشتیہ" کی گرفت میں اس طرح جب آگئی بچارے بلبلا اٹھے اور کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا مگر اپنی بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات "مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے جذبات اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں" اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے مسلک اہل سنت کے خلاف ہونے کی قرارداد دیں بھی شتہر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔
دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاد نے "دیوبند سے ایک عجیب بیان" کے عنوان سے صدق جدید مورخہ ۱۳ر نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب کی مخالفت میں کر رہے تھے لکھا تھا۔

"کتاب" خلافت معاویہ و یزید" تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں، میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں، نہ کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قایم کرکے واقعات و

حوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لئے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم بالکل خلاف عقل ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ درحقیقت یزید قتل حسینؓ کے جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت و نفرت کے لئے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہرحال مجرم ہی سمجھیں گے گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی ہے۔ کتاب ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرز بیان تو شروع سے آخر تک مہذب و سنجیدہ ہے کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا تھا اسے ضبط کرانے کے کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لئے ضبط ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجۂ اولیٰ ضبط ہونا چاہیے جو عقائد و جذبات اہل سنت کے بالکل خلاف ہیں اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء ثلثہؓ کی شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔ اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بری نظیر قائم ہو جائے گی جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت بہت مشکل ہو جائے گی!

مگر وہاں تو مطلب سعدی دیگر است کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو دارالعلوم کا کسی طرح چندہ بند نہ ہو۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں انھیں اپنے حلوے مانڈے

سے کام۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رکن نے اسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا۔

"دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے کی گئی۔ مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ...... نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی، بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ممنون احسان ہوئے اور ان سے قریب ہوتے گئے، انہوں نے ...... کو جمعیۃ علماء کے لیے، گراں قدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لیے ...... نے سفارشیں کیں ان کے لئے بھی آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغاخاں اور ملا طاہر سیف الدین وغیرہ کے متبعین بہت ہیں ...... کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی تاجروں سے تعلقات باقی رکھنے کے لیے آپ کی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے۔"

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جب ذاتی اور دنیوی مفادات کی خاطر بعض علمائے سوء "حرب عقائد" کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :۔

مکرر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنالینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تر تاریخی ہے اور مورخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور شخصیت پرست جماعت نے تو ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے، اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے مضامین لکھے گئے، جن میں کہا گیا کہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" اس گروہ سے ہے۔

جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں کے مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگا۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے ان ہی وہابی مقتولین کو شہید[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟ یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے لباس پہن کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں۔ (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء) اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم ایل اے مہابیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا رزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قرار دادیں منظور کر کے وزیر اعلیٰ و گورنر یوپی کو بھیجی گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اس کی راجدھانی اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲۷ نومبر ۱۹۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ

---

[1] مراد ہے سلطان محمود غزنوی ؒ سے۔

[2] حضرت سید احمد شہید بریلوی ؒ اور ان کی جماعت مراد ہے۔

کا حوالہ نہ ہرڈر میں ہے۔ نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے اور نہ جمعیتہ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے متبرک کام میں بہت کوشاں رہے دہلی کے جس مطبع نے یہ کتاب بلا اجازت مصنف طبع کی تھی۔ اسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کیا ہے جو زیر سماعت ہے۔ بہر حال بھارت دیش میں کتاب کے ضبط ہو جانے کے بعد بھی مفاد پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ۔

"میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے نہ اس کے تمام مباحث پر رد و قدح صرف کتاب کے بنیادی حقہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرنا ہے۔ (ص۱)

"شہید کربلا اور یزید" نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کروائی جس کے سرورق پر بحروف جلی تحریر ہے کہ۔

"ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لئے عظیم دعوت فکر"

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار "طوفان" کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ "سگِ بارگاہ چشتیہ" تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان و سرپرستان دارالعلوم دیوبند وہ لوگ ہیں جو۔

"جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔
"جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔
"جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الٰہ قرار دیتے ہیں"۔

لہ کوہ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے یا ان کو اطلاع کئے بغیر روحانی کتب خانہ یلی بنگش کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ بھارت میں اس کے پہلے اڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ ہلال الہ آباد کو تحریراً دیدیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ آوازِ لگائی تھی۔
"تحفظ ناموسِ رسالت کے فدائی کہاں ہیں!"

خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی اور شہادتِ عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی جس کے لفظ لفظ سے اور مکذوبہ روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ "حسینیت کی گرویدگی" کے ساتھ ساتھ "یزید کی روسیاہی" سے اپنے یہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تاوقتیکہ تطہیر رجس کے ساتھ جو حسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواج مطہرات کے لئے ہے نہ آپ کے کسی اور قرابت دار کے لئے، وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کرلیں۔ بقول صاحب مصباح الظلم و ایضاح البہم۔ یعنی (نواب امداد امام پدر سر علی امام)

امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہوسکتے ہیں جو آپ کو معصوم اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں ہوسکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے۔ پس جناب امام حسینؓ کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لئے، ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا انکار ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جناب امام حسینؓ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو جناب امام حسینؓ کی شہادت کے قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۴)

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی ان کے مسلک اور عقیدہ کا جزو ہے۔ انہوں نے تو مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے، ان کی عمر وفات نبوی

کے وقت صرف پانچ برس کی دکھلانا دوسرے ان کے ذاتی کردار اور تیسرے ان کے اُفتادِ طبیعت کا اظہار۔ جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارت طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے صـ۱۷۸ پر تحریر ہیں۔

"بہر حال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں۔"

عمر کا ذکر تو ضمناً آ گیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ اُحد کے بعد ہوا تھا۔

"انکح رسول اللہ صلعم فاطمۃ علی بن ابی طالب بعد وقعۃ احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ ج صـ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب و ازالۃ الخفاج۲ صـ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی بعد غزوہ احد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ احد ۳ھ کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا اس حساب سے حضرت فاطمہؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کی ولادت ۴ھ کے آخر یا ۵ھ کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسینؓ کی ولادت ۶ھ میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالے سے حضرت حسنؓ ہی کی ولادت ۶ھ بتائی ہے (المعارف صـ۹۴) تو اس طرح حسینؓ کی ولادت ۷ھ میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسینؓ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علیؓ اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا ان کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں مثلاً ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہؓ کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔

والبدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۴۶ والکمال فی اسماء الرجال وتجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضورؐ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ خود حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے۔ اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول کامل المبرد وعقد الفرید و شرح نہج البلاغہ میں درج ہے کہ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا) غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ کے وقت صرف پانچ برس کی عمر تھی مگر روایتوں میں اس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کی بیان کی گئی ہے۔

سن وسال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آگیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی و مولانا عامر عثمانی نے ماہنامہ تجلی دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی چابک دستیوں اور ساختگیوں کے بخئے اچھی طرح ادھیڑ دیئے ہیں یہاں ان کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح ونقد مقصود نہیں اس کے لئے جدا رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کو بڑھتے بڑھتے بغض معاویہؓ تک پہونچا دیا ہے۔ شاہ عبد العزیزؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسنؓ نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی بالفاظ دیگر حضرت معاویہؓ ان کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رشد خلافت ان کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہؒ نے تو جزم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ وعلی منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو "زمانِ شر" کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو "زمانِ خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہؓ کا استقرار خلافت ہو گیا۔ اور امت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا زمانہ خیر

کی برکات پھر عود کر آئیں ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں

"بنقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتمد تر ازاں یافتہ نمی شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلعم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمح اشارہ ساختہ اند و آنرا تفصیلے کہ زیادہ ازاں در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و معنی عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلفائے ثلثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آں مرتبہ شریک نیست ۔"

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۴۲)

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے خلافت کے لئے اس زمانے میں جو جدال و قتال ہوئے ان کی بنا پر اس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیر و طلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا ۔ فتنہ اولی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مبدا ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم نشود ۔ (ج ۱ ص ۱۵۲) وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی ۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ :-

"انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ بنسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او سر فرو نیاوردند جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و اختلاف ایشان رخت بعدم کشید ۔ (ج ۱ ص ۱۲۲)

پھر ایک اور مقام پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت

خاصہ کے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا: "متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ج۲ ص۲۴۹)

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں صاف لکھتے ہیں کہ :۔

"در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامان قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشان علیٰ وجہا صورت نگیرد بلکہ از میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال برآرد مخذول بلکہ مقتول گردد" (ج۲ ص۲۸۴)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ ان کی اولاد برخلاف ان کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے لاثانی تدبر و فراست و حلم و کرم سے ملت کی بگڑی حالت سنوار دی حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ذُمَّ معاویۃ عند عمر یوما فقال دعونا من ذم فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا ینال ما عندہ الا علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق راسہ الا من تحت قدمیہ (ج۲ ص۷۰)

ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جواں مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔

لبیب صاحب نے رشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے تاریخی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ

شامل میں ہیں، سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہیں ان سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمت بانی یا مبغض مبغض — علیا فما نخزی اذا فی المحافل
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے — اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

أ اکل من لحمی واشرب من دمی — کذبت لحاک اللہ یا شر واغل
علیؓ کی برائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیوں — اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علی وعباس یدان کلاھما — یمین سواء فی العلی والفضائل
علیؓ و عباسؓ دونوں یکساں ہیں — فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں

فھذا ابو ھذا اکرم ابن ذا — فھل بین ھذین تساغ لداخل
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں اور وہ (علیؓ) ان کے بیٹے ہیں[1] — سو ان دونوں کے درمیان تیسرے کا کیا دخل

ستسئم ما یخزیک فی کل محفل — وتسم سراس العارف المتغافل
سو اے مخاطب تو جو ہر محفل میں ہمیں بدنام کرتا ہے — اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے
عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا۔

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے کہ کوئی بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہوگئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ:

ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل — فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی

---

[1] چچا باپ کی مثل ہوتا ہے۔

كان من جهة الشيعة فانهم وضعوا في مبدء الامر احاديث مختلفة في صاحبهم حملهم على وضعها عداوة خصومهم

ابتداء شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انھوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں گھڑ ڈالیں جن کے گھڑنے پر ان کو اس عداوت نے ابھارا جو انکو ان کے دشمنوں سے ہے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ صہ ۴۸۳)

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قرآن حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے "اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہدیجئے" اور آخر رکوع تک یا نساء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدہ وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ "اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹادے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے" اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہل خانہ (اہلبیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا۔

اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے وہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا، وہ ہی تو فرشتوں کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو "اہل البیت" کہہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:۔

"البیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی "بیت النبی" اور اس

سے مراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی صلعم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی پس اس بنا پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے ما قبل و ما بعد کی ہیں نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے۔"

سیاسی اغراض کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابتداروں کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کے لئے حدیثیں وضع ہوئیں ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے۔ حضرت حسینؓ کو "رجس" سے پاک ہونے کو ھولاء اہل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ وحسن وحسینؓ کے چادر میں لے کر ھولاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کئے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتمل علی العباس و بنیہ بملاءۃ ثم قال یا رب ھذا عمی و صنوابی ھولاء اھل بیتی فاسترھم من النار کستری ایاھم بملاءتی ھذہ فامنت اسکفۃ الباب وحوائط البیت فقال آمین (ص۸۳)	آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچائیو جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندان نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولاد علیؓ) نے جن کے بارے میں یہ مکذوبہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں ان کی حاجت بھی تھی کسی دوسری شاخ یعنی عقیلیوں جعفریوں حارثیوں وغیرہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انھوں نے طلب خلافت اور سیاسیات ملی میں کوئی خاص حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی انہیں ضرورت تھی مفسرین محدثین

نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم ویطھرکم میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کے لئے ہوتی تو ضمیر مونث آتی مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہی اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لئے آئے یا تثنیہ کے لئے یا جمع کے لئے، یا مونث کے لئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اسی طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ ہی کے لئے آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے آکر فرزند ہونے کی بشارت دی ان کی زوجہ سارہ یہ سن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں اس پر فرشتوں نے کہا۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت۔ (فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)

اس آیت میں بھی ضمیر ہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قرآن شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کے لئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ نہر زبیدہ کے بننے کے بعد ایک عرب شاعر نے سیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا ؎

یا اھل بیت خلیفۃ الغنی   یا للہ انتم زبدۃ النسوان

غرضکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور رجس سے پاکی کا وعدہ ان ہی امہات المومنین سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے نسبی قرابت دار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے رجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور نہ اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ طیب صاحب کی یہ خیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لے جانا مفتی محمد عبدہ و علامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ومصادر ھذہ الروایات الشیعۃ ومقصدھم منھا معروف وقد   ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے

اجتمعوا في ترويجها ما استطاعوا حتى راجت على كثير من اهل السنة ولكن واضعيها لم يحسنوا تطبيقها على الآية فان كلمة نساءنا لا يقولها العربي ويريد بها بنته لاسيما كان له ازواج ولا يفهم هذا من لغتهم وابعد من ذالك ان يراد بانفسنا علي ثم ان وفد نجران الذين قالوا ان الاية نزلت فيهم لم يكن معهم نساء هم واولادهم۔

ان روایتوں کی اشاعت کرتے ہیں بہت کچھ جدوجہد حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان روایتوں کے وضع کرنے والوں نے اس آیت پر ان کی تطبیق عمدگی کے ساتھ نہیں کی کیونکہ کوئی عرب نساء کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان پر اس طور سے نہیں لاسکتا کہ مراد اس کی اس لفظ سے بیٹی سے ہو خاص کر جب اس عرب کے ازواج بھی موجود ہوں اور نہ ان کی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علیؓ کی ذات سے لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی نہ ان کی بیویاں تھیں اور ان کے بیٹے اور اولاد۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کے شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹوں کو نجران سے نہ بلا لیتے پوری ہوئیں اگر شرائط بھی پوری ہوتیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت لفظ "نساء" اور "ابن" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا جیسا مفتی محمد عبدہ و علامہ رشید رضا نے فرمایا ہے "نساء" کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کر سکتا اور "ابن" کا لفظ نواسہ کے لئے نہیں ہو سکتا "ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ" فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کے لئے ہے اور بیٹی کے بیٹوں کے لئے "سبط" عرب ہی کا قول ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا بنوھن ابناء الرجال الاباعد

طیب صاحب کو شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا اسی طرح متعدد حضرات نے تردیدی مضامین میں بیشتر اسی قسم کی وضعی روایتوں سے استدلال کیا

ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے۔ کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہو گئی تھیں نظر ثانی میں ان کی تصحیح کردی گئی ہے

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی۔اے ال ال بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنی ہیں ان ہی کی نیک دلی اور حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈلوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈوکیٹ کی نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق تشکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محب قوم کی یاد آرہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خاں پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔ اور اسی طرح مکرمی شبنم صاحب میمن کی اعانت و توجہات کا۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ال ال بی کے عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز ان کے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خود ستائی کے مرادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم۔ صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب و شتم کے موضوعات کا پردہ چاک کرنے کی جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اس کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

۲۱ر دسمبر ۱۹۶۰ء
کاشانۂ محمود۔ لالوکھیت
کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

طبع دوئم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اس وقت ناشر کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دو ڈھائی مہینے کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی، حتیٰ کہ بعض شائقین ٹیلیگرام بھیجکر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ (Renascence) کے موجودہ دور میں روایت پرستی۔ توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق، راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت حال کا انکشاف ہونے کا ملت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لئے بھیجے گئے تھے ان پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں۔ "ماہنامہ تجلی" کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> "کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں سے ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جاسکتی ہے فاضل مصنف جناب محمود احمد عباسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد "خلافت معاویہ و یزید" کے بارے میں وہ فرید و جدید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہوجاتا

ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔

" لا متناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہو گا روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذبات کی گرد میں اَٹی ہوتی "تاریخ کربلا" کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء

"حاصل تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آئے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو خیالی تصورات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تصحیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو ان کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا۔ کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامنِ کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ و افترا کی گرد سے پاک صاف دکھاتی ہیں اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو وقیع معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچالے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ واللہ درّ المصنّف۔"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل

بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان قلم سے کبھی نہ کبھی دہرایا جاتا ہے اور اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سنی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذاللہ ناکام رہی اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیۂ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ :

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی۔ ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (؟) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)"۔

ان صاحب کی جرات کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں۔ انہوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ گویا اللہ تعالٰے نے جس ذات گرامی کو کرام بررۃ (عبس) میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ میں) اور جن کے لئے حتماً فرمایا "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" (ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے (حدید ۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور ان پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ و حسینؓ اور دوسرے اکابر بنی ہاشم، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم نے جن سے بیعت کی وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم اور مبتدع تھے یعنی خلیفۂ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول اور جمہوریت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر

دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور تراجم راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کر لیا ہوتا کہ فرانس امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہو سکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہو سکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علی مرتضیٰ تک خلیفہ کے بر سر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر سریر آرائے خلافت ہوئے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی۔ لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المومنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ اب اگر دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی طرح آپ بھی موت کے منہ اور جنگل سے نکل آتے اور زندہ رہتے تو کیا حضرت فاروق اعظمؓ سے ولایت کا یہ عہدہ چھین لیا جاتا؟

اب دیکھنا چاہئے کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امیر یزید کو ولی عہد

مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے۔ پھر اس مشورہ کو جب آپ نے من وجوہ قبول فرمایا تو دوبارہ اسے عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہل مدینہ ارباب حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علی منہاج النبوۃ، لیکن امیر المومنین یزیدؒ کا تقرر، صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار دیا جائے، محض اس لئے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب ہے کہ "الحمد" سے لے کر "والناس" تک اور مؤطا سے لے کر ابن ماجہ تک وہ کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ اشارہ بھی ثابت کیا جاسکے۔

پھر یہ آیت مبارکہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)

اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقع بے موقع پیش کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں اگر خیر سے، آب پاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے صحت عامہ کے بارے میں کماندار فوج سے، اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر امرهم شوریٰ بینهم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس وناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل وعقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا اور انہیں کی بات سنی اور مانی جائیگی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جاسکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب فلاح ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر وانصار اصحابؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان ومال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم

خدا اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوت محمدیہ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انہی پر کھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رشد و ہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے، دروغ گو، باطل پرست، ہوا و ہوس کے بندے اور ناقابلِ اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے بے وجہ صلحا کی عزت و حرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا و آخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی کنہ و حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ بعض امتیوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ امت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس امت کو عطا فرمایا ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ کی دعوت متحرک و فعال اور ترقی کناں دعوت ہے اور آپ کی امت قید زمانی و مکانی سے آزاد ہے۔ نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے، اس لیے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری و وابستگی کی مکلف ہے اور نہ کسی ذات سے۔ اسے چند لچک دار موزوں اور اٹل اصول عطا ہوئے ہیں جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے جس۔ عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عند اللہ و عندالناس مقبول ہوگا بشرطیکہ تقاضائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں۔ (۱) اقامتِ صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کے حکم اور بُری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ	(ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن

الا مُسُوۡرِ (النجم : ۴۱) کی شناعت کا ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ
میں تمام امور کی انجام دہی ہے)۔

اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب کو آزمالیا۔ مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے بھر دیئے اور ان کا طرزِ عمل ہمیشہ کے لئے امت کے واسطے مشعلِ راہ بنا دیا۔

یہ ہے امت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امت کی تشکیل کی اس کے اوّلین علم بر داروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کر دی ہیں اور سب کے سامنے تجربہ کر کے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلافت اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیئے، آئینی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین وانصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہو جائیں، وہی حق وصواب ہے۔

اولٰئك هم الرّاشدون

اور سب کا ایمان ظنی واعتباری ہے۔ صرف قوی آثار سے اسے مؤمن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواجِ مطہرات، مہاجرین وانصار، خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحینِ ہند قاتلین مرتدین۔ مقاتلین روم وشام وفارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ "میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں" کذبِ محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اس کے اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی "عن شیخ من المدینہ"۔

(صد ۱۳۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرام کا دور تھا۔ امیرالمؤمنین عبدالملکؒ اور ان کے بعد اگرچہ اموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب کے سب تابعی ہیں اور امیرالمؤمنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبارِ خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں امراء عساکر میں قضاۃ میں، اربابِ شوریٰ میں اور اصحابِ تبلیغ واشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرام نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔

چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفرو نفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کر کے غیظ و غضب سے بھر جاتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ہو گیا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان کے سبب کافروں میں غیظ و غضب پیدا کر دے (سورہ فتح)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، انہیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا۔ ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کے لئے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انھیں امن عطا فرمائے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔

(نور، ۵۵)

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ خدائے تعالےٰ نے تکوینی طور پر صلحائے اُمت ہی کو حکومت عطا فرمائی، اور ان کے تحت جو نظام برپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے ان کی ہر مصیبت کے بعد اس نے انھیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انھیں قابو دیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے باوجود دینِ حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنھوں نے اس الہٰی وعدے کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں۔ اس لیے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علم تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرداز

ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سنت کے مقرر کردہ آداب کی پابندی کریں۔ دشمنانِ دعوت کی مفتریات تلبیسات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل و تقویٰ و تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ متضاد روایات سے قطع نظر کرکے صرف واقعات کا احصار کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتًا یا پھر عہد حاضر میں درایت کی جو لچک ہے اس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتًا اور درایتًا دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشا، روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی اور سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قرآن مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا اور واقعات بھی جو اخلاف کے لیے، موجبِ عبرت ہوں تاکہ حق کے ساتھ بزرگان پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مورخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا ہی چاہیے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (یوسفؑ ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کے لیے، موجب عبرت ہے یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق مبرہن محسوس واقعات سے ہوئی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ و تابعین تھے جنہوں نے اپنی مرضی سے، اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعتِ خلافت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا ذکر اوپر ہوا کہا ہے کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اوّل الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ ان صاحب نے صریحًا

واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور اُمّت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکتِ اسلامی کے ہر ہر علاقے میں اُن ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب رائیں امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور نہ بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامّہ کا کوئی قابلِ ذکر حصّہ مِلا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ[۵] بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے گیارہ بھائیوں نے اقدامِ خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح ان کا ساتھ نہ دیا۔ صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ان صاحب کی یہ سوءِ ظنی حد درجہ قابلِ ملامت ہے کہ ان صحابہ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و اکراہ سے ایک نا اہل شخص سے بیعت خلافت کی سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مورخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہ و تابعین کے طرزِ عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہدِ اُموی کے واقعات اور سیرت معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لیے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افترا، پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے، مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے ؎

عبث جھوٹ بکنا اگر نا روا ہے — بُری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افترا۔ و تلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا

جی چاہتا ہے کہ آخری مصرعہ میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کر دے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایۂ زور اُمت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پہ مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سئیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ محمد و صحبہ و خلفائہ اجمعین

عاشانۂ محمود
لالوکھیت بی ایریا
کراچی

محمود احمد عباسی
۳۰ر جولائی ۱۹۵۹ء

۷۸۶

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

اموی خلافت اپنے وقت (۴۰ — ۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور امت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گذرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمرہ نہ کہا جاسکے ہر طرف مادّی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا خیر القرون کا یہ دور ابتداءً صحابۂ کرام کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاء سے لے کر ادنیٰ امراء تک کو کہ جن میں متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے۔ فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا۔ جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے استنارت پر یہ امت حریص تھی اور کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ پر ہی سب کا مدار تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مولفین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت کے حامل تھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلمبند کرنے میں نہ صرف بخل و ناانصافی

سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بنا پر اس درجہ مسخ کرکے پیش کیا کہ ڈے خوئے۔

مہسہ ہگا ہلہ جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ تہمت تراشی و افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جاسکتی ہے۔ بنی امیہ سے منسوب کیا گیا، ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لئے یہ مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے انھیں نیست نابود کر دیا جائے . . . اس عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جاسکتا ہے عہ۔ کذب بیانیوں کی یہی حالت الا ماشاء اللہ برابر قائم رہی صدیوں پر صدیاں گذرتی گئیں، نامور سے نامور مؤرخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کرکے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر بقول ڈے خوئے "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور رہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے نہیں کی خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اغلاق و مبالغات کے بارے میں۔ روایت پرستی کی اس زمانہ ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے علامہ ابن کثیر نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ

ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ماسقتہ (ص۲۰۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

عہ مقالہ بعنوان خلافت (ملخصاً) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن

البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا، وہ لکھتے ہیں:۔

وَخَلَطَهَا المتطفلون بد سائس من الباطل وهموا فيها وابتدعوها وزخارف من الروايات المضعفة لفقوها ووضعوها (الى اخرہ)	اور نا اہل دخود ساختہ (مورخین) نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے خلط ملط کر دیا، لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں اِدہر اُدھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔
(مقدمہ علامہ ابن خلدون طبع مصر)	

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے اڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچسو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مورخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے، اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے۔ پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن

بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی، اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خاں (سر سلطان محمد) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں[1] فرمایا تھا۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی اُمیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

"مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق کا "ہند" تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتاً خاندان بنی امیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہین منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومۃ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کن عباسی[2] فتح نے

---

[1] پیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ امید" مولفہ محمود احمد عباسی (حارث)

[2] راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں "انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ" کے تحت بتایا ہے کہ حضور ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورت حال

اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پائمال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہئے تاکہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی چار صدیوں سے"۔

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان "اسلامی مملکتیں کی تاریخ، ان کا عروج و زوال و مستقبل کی توقعات" فروری ۱۹۵۰ء میں کی تھی اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی اُمیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا:۔

"یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اُموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں"۔

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اقتصادی، فوجی اور سائنٹیفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے "لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اُس کے جذبہ و روح و ضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں، پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ

بقیہ صفحہ ۴۸:۔ نازک کردی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

طور پر سے بنو امیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔

ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور "امام حاضر" کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی زعمائے وقت اگر ان کی تجویز دربارہ احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ہے جس کی داغ بیل سر سید علیہ الرحمتہ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائینس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تر و تازگی کے لیے پہلی صدی ہجری کے عہد بنو امیہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اس عہد کی سچی تاریخ مرتب و مدون کرنے کی ہے جو کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمت مصروف رہی بحرمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہٗ بابائے اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق جدید" نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ر جنوری ۱۹۵۵ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ "آپ کے ہاں "الحسین پر" تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔"

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ

تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے غرضیکہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اُموی عہد کے حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔ حالات ناساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کے لئے ترتیب از سرِ نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اموی کے حالات کو اجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کی بنا پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت والفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سب و شتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بیّن طور سے انکشاف ہو گیا ختم کر دیا جائے۔

اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسمٰعیلیہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہدیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا حضرت علی خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا جب انھوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم ہی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں[1] اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو گی ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانۂ محمود
لالوکھیت (بی ایریا) کراچی

محمود احمد عباسی

---

[1] فرمان سر آغا خان بعنوان "اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفاء" بحوالہ اسلامک ریویو ووکنگ "دی گریٹ اُمّید" مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس۔ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اموی خلافت کا پس منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم خلیفہ راشد کو بحالتِ تلاوتِ قرآن مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور ان کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی جاگیر ینبوع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

فانك واللہ لئن نہضت مع ہولاء الیوم لیحملنك الناس دم عثمان غداً۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۰)

واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ (بیعت خلافت کیلئے) اٹھ کھڑے ہوئے تو کل کو آپ پر لوگ خونِ عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (رفائی علیؓ) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفۂ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی اور مالاشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے اول بیعت کی تھی (ان اول من بایعہ الاشتر۔ ۱د معنا ص ۱۵۶) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب

تھا۔ اور نہ قصاص لے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتلین سبائی گروہ کا بانی عبداللہ بن سبا مبایعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاستِ وقت پر اثر انداز ہے۔ اکابر صحابہ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی۔ بیعت کرنے سے گریز کیا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حِب رسول اللہ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ مسلمہ بن مخلدؓ، ابو سعید الخدریؓ محمد بن مسلمہؓ نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ کعب بن عجرہؓ صہیب رومیؓ سلمہ بن وقشؓ، قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملت وار باب حل وعقد نے بیعت نہیں کی (طبری ومحاضرات الخضری) حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتران پر حملہ آور ہوا تھا جسے سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مروی بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ مجمع نہ شود (ج ۲ ص ۲۷۵) طالبین قصاص حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وحضرت ام المومنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد ونصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹)	خلافت حضرت مرتضیٰ کے لیے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ اہل حل وعقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب وبیعت خلافت میں سبائی گروہ وقاتلین عثمانؓ کی در اندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

فان کثیرا من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم	پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملت) نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے

بايعوه ولم يبايعوا سعد بن ابي وقاص ولا ابن عمر ولا غيرهما (منهاج السنۃ ج ۲ ص ۲۳)

ان کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی۔ نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبداللہؓ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے صحابہؓ نے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے طلبِ بیعت پر تو اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کر دینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو، وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہو کر مکہ چلے گئے مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ ان کی سوتیلی ماں اُمِ کلثوم بنتِ علیؓ۔ بیوہ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں اس پر ان کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے اُمت میں جو انتشار پیدا ہو گیا تھا تمام عالمِ اسلامی میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے ایک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدّث دہلویؒ نے طالبینِ قصاص کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورینؓ و اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔
(ازالۃ الخفاء ج ص ۲۷۹)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمان) ذی النورینؓ کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری: نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام اُمت مجتمع تھی۔ اتحاد و اتفاق تھا۔ کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے زیرِ تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملّت ان کی

بیعت وخلافت پر محتمع ہوئی، آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

فان الثلاثة اجتمعت الامة علیهم فحصل بهم مقصود الامامة وقوتل بهم الکفار وفتحت بهم الامصار وخلافة علی لم یقاتل فیها کافر ولا فتح مصر وانما کان السیف بین اهل القبلة۔ (منهاج السنة ج ۲ ص ۱۴۵)	تینوں خلفاء (ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ) نے پوری امت کو اپنی (خلافت) پر مجتمع کر لیا تھا اور اسی طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا، (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہو جانے کی وجہ سے) انھوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہلِ قبلہ ہی میں چلتی رہی۔

دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

مقاتلات وے (علی رضی اللہ عنہ) برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔ (ازالۃ الخفاج ۲ ص ۲۷۷ سطر ۲۰)	علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادتِ عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں، نہ باغراضِ اسلام۔

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں یہ لکھتے ہوئے کہ "بلوائیوں کے جمِ غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ وزبیرؓ کو اُن کی بیعت کے لئے مجبور کیا" کہا ہے کہ:

حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو (خلیفہ شہید کی) جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے

(طلبِ خلافت) میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار و حبِ جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لئے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمان (رض) کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے علی (رض) کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۵ ص ۲۰)
غرضکہ شہادتِ عثمان رض سے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہو گیا محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمان رض منتظم نخواہد شد۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمان رض کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحب نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علی رض کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس اور کہیں ان کی حکومت باقی نہ رہی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت مرتضیٰ باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

حضرت مرتضیٰ (رض) باوجودیکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخر ایام میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس ان کی حکومت کا ٹھکانا نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنانِ اسلام نے اس حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

لم یظہر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اہلہ وطمع فیہم عدوہم من الکفار

یعنی، ان کی (حضرت علی رض کی) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ)

والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق۔
(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳۰)

کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو (مسلمانوں کے) دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی'۔

سبائیوں کا مقصود اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے۔ مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السوداء بھی کہتے ہیں بذاتِ خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتلِ عثمان کا سارا پلان اسی نے بنایا تھا۔ طالبینِ قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سن کر حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابنِ سبا اور اس کی پارٹی ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہ نے اس اقدام کی مخالفت کی حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑلی اور کہا:۔

لا تخرج منہا (ای مدینۃ الرسول)
فواللہ لئن خرجت منہا لا ترجع الیہا
ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابداً
فسبوہ فقال دعوا الرجل فنعم الرجل
من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وسار حتی انتھیٰ الی الربذہ
(ص ۱۰۶ ج ۵ طبری)

(اے علیؓ تم (مدینہ رسولؐ کو) چھوڑ کر مت جاؤ۔ خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا (ان صحابی کی گفتگو پر سبائیوں نے) ان کو سب وشتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے کہا) ان کو چھوڑ و الگ رہو یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک مقام ربذہ میں پہنچ گئے'۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقر خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اس وقت تو وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ بعد میں اسی مقامِ ربذہ میں آکر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا کوئی مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آجائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کرلیں اپنی بیعت نہ لیجیے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخابِ خلیفہ کا حق اہل مدینہ کا ہے (فان الامر اھل المدینۃ

طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی موقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعتِ خلافت ہو چکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہو جانا چاہئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سدِّباب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں میں ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے۔ ظلم و تعدی سے ان کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرّا کریں اور ہمارے ساتھ ہو کر قصاص لیں۔ نظامِ خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا۔

وان ترکتم (اعنی قصاص) لم ینقم لکم سلطان ولم یکن لکم نظام۔

اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔

(ص۱۷۵ ج۵ طبری و ص۱۲۰ جمہرۃ الخطیب)

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں۔ اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہ کی مساعی سے طالبینِ قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے (الا ولا یرتحلن غدا احد اعان علی عثمان رضی اللہ عنہ ص۱۹۴ ج۵ طبری) یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص ایجنٹ الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتشِ جنگ مشتعل کرا دی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادرکشی کو روکنے کے لئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج۵ ص۲۰۲) لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائطِ صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی

ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا۔ اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں۔ ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس صورتِ حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگِ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالبِ قصاص تھے، صفین کے میدان میں وہ ان کے کیمپ میں موجود رہے انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہونچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدانِ جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مورخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المومنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔	اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیر المومنین سے ان کے ایامِ خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے، اور ان ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔

(عمدۃ الطالب ص۱۷ مطبع لکھنؤ)

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب وقعۃ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بیعۃ اھل البصرۃ علیاً وقسمہ ما فی بیت المال فیہ" لکھا ہے کہ ساٹھ لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کر دی گئی۔ ہر ایک کے حصے میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ:

لکم ان اظفرکم اللہ عزوجل بالشام مثلھا۔	اگر خدائے عزوجل اہل شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں اور ملے گا۔

الاشتر وغیرہ تقریریں کر کے لوگوں کو اہل شام کے مقابلے میں چلنے کی ترغیب و تحریص کر رہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

أتريدان تسيربنا الى اخواننا من اهل الشام نقتلهم كلا كما سرت بنا الى اخوانا من اهل البصرة نقتليهم كلا والله اذا لانفعل ذالك۔

کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور انہیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے نہیں واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔

الاشتر نے یہ سن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے اس پر فرمایا قتيل عمّية لا يدرى من قتله وديته من بيت المال المسلمين یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے۔ معلوم نہیں قاتل کون ہے اس کی دیت بیت المال مسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مورخین نے زید بن عنایہ تمیمی کا یہ مضحک خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا۔ اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

وكان زيد المذكور لما عظم البلاء بصفين قد انهزم ولحق بالكوفة فلما قدم زيد على اهله قالت له ابنته اين خمس المائة؟

زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آگیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔

(حاشیہ ص۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کہ کون پارٹی فتحمند ہو اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانچ پانچ سو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں

تو انہوں نے ان عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

یا اھل العراق! لما خاذلتم بعجاج من الارض؟	اہل عراق! تم اس زمین میں ایسے چھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ۔ تمہارے لئے
لاخمس الا جندل احرین والخمس قد یحمل الامرین	سوائے پتھر وں کے وہ پانسو نہیں ہو سکتے۔
جمز الی الکوفۃ من قنسرین	تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔
(ص۴۸۱ وقعہ صفین نصر بن حزام متوفی ۲۱۲ھ)	

یہ موقع جنگ جمل و صفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لئے صورتِ حال حد درجہ مسخ کر کے پیش کی ہے اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ ان خطبوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو انہوں نے اپنے نام نہاد پیروؤں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ جمل اور صفین کے موقعوں پر باہمی گفت و شنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہو گئی تھی وہ محض غیر جانب دار عناصر ہی کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی بیخ قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملتِ اسلام کی بہتری مقصود تھی۔ اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعیٔ جمیلہ سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا اور دشمنانِ اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سب و شتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیرِ حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا۔ جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خونِ عثمانؓ کے مسئلے میں تھا۔ ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیرو ہیں اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شاملِ کتاب کیا ہے۔ جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے:۔

من کتاب لہ علیہ السلام الی الامصار یقتص فیہ ما جری	یہ گشتی مراسلہ ہے جناب (علی علیہ السلام) کا جو تمام شہروں کے اہالیان کو بھیجا گیا

بيننا و بين اهل صفين۔ وكان بدء امرنا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء

(ص ۱۵۹ الجزء الثانی۔ نہج البلاغۃ۔ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ مصر)

جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو ان کے اور اہلِ صفین کے درمیان پیش آیا۔

ہمارے معاملے میں ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پہ ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمان کی بابت اختلاف ہوا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ خانہ جنگی جاری رہے کیونکہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت وثالثی سے ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا، نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا، سیاستِ ملیہ پر ایک لمحہ کے لئے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصبِ خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ سے جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور ان میں سے بعض کو عہدے بھی دے دیئے تھے۔ جس سے انھوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے وہ تاسف

سے فرماتے تھے:

لو علمت ان الامر یکون هکذا ما خرجت اذهب یا موسیٰ فاحکم ولو بحز عنقی۔

اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خروج نہ کرتا اے ابو موسیٰ! تو تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

(ازالۃ الخفاء ج۲ صہ۲۸۳ طبع اول)

ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ارباب حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں۔ لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں الجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے ان کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ تو امت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ اور تاریخی واقعات کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ بہرحال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وصیت وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں آیہ شریفہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاق امت کی ضرورت پر متوجہ کیا۔ (صہ۳۲۷ ج۷ البدایہ والنہایہ صہ۸۵ ج۶ طبری) اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا ان کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیونکہ ان کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار امت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (صہ۳۱ ج۸ البدایہ والنہایہ) حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعات میں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی پارٹی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں

اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا۔ تم نے میرے قلب کو رنج وغم سے بھر دیا۔ اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے ان کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وکان علیؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکرین ولم تکن اعوانه یوافقونه علی ما یامر به. و اعوان معاویةؓ یوافقونه	اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی ظالموں کے قہر سے عاجز تھے ان کے اعوان انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف ان کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے۔
(ص ۲۰۲ ج ۲ منہاج السنۃ)	

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ میں کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابۂ کرام کی کثیر تعداد بقید حیات تھی لیکن امت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمن اسلام قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحلِ مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجۂ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے مفادِ ملت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی کہ ان کے امیر المومنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:-

وان علیاً ابی کان یقول لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فارقتموه لرأیتم	اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیر المومنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا کیونکہ

السرذ ح کند رعت کو اهلها کما لحنظل۔ (جلد ۳ صفحہ ۳ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید وازالۃ الخفار جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ والبدایہ والنہایہ صفحہ ۱۳۱ ج ۸)

تم نے اگر ان کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر دکٹ کٹ کر گریں گے۔

امامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے۔ جو انہوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔

ان ابی کان یحدثنی ان معاویۃ سیلی الامر، فواللہ لو سرنا الیہ بالجبال والشجر ماشککت انہ سیظہر ان اللہ لامعقب لحکمۃ ولاراد لقضائہ (ص ۱۳۲ ج ۱ طبع اولی ۱۹۳۷ء)

اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی۔ ان بدبختوں نے نواسۂ رسولؐ پر بھی حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کر کے یہ کہا ہے کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔

اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ و غضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت

نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعت خلافت

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجر بن عدی نے پہلے تو حضرت حسن بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے۔ اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کر دوں گا[1]۔ مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پرداز کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔ معاہدہ ہو گیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسین انا قد بایعنا و عاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔

پس حسینؓ نے کہا۔ ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(اخبار الطوال للدینوری ص۲۳۳
مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا۔

اسکت فانا اعلم بالامر منک
(طبری ج۶ ص۹۲)

تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف "علیؓ و بنوہ" میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:

---

[1] ان لوگوں کا شعار تھا کہ اوّل تو بڑھ بڑھ کر باتیں کریں پھر وقت پر دغا دیں

ان الحسین بن علیؓ لم یکن یری رأی اخیہ ولا یفتہ میلہ الی الصلح وانہ الحّ علی اخیہ فی ان یتمسک ویمضی فی الحرب ولکن اخاہ امتنع وانذرہ بوضعہ فی الحدید ان لم یطعہ (صفحہ ۲۰۳)

حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح وامن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے کو زور دیا۔ لیکن ان کے بھائی نے منع کیا۔ اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنادی جائیں گی۔

بہرحال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعۂ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کرلی تھی عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو۔ یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو یعنی

فاختاروا الدخول فی طاعۃ معاویہ (اخبار الطوال صہ ۲۳۳)

لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت وبیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صُرَدْ پیش پیش تھے حضرت حسنؓ سے گفتگو کی۔ "السلام علیک یا مذل المومنین" کہہ کر سلام کیا، حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "وعلیک السلام" بیٹھو! میں مذل المومنین نہیں بلکہ "معز ہم" ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال وجدال کو دفع کیا۔ واللہ اگر ہم پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے، تب بھی کوئی قوت خلافت وامارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (اخبار الطوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے، اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب ان کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا۔

"ابو محمد (حسنؓ) کی کنیت ہے نے سچ کہا ۔ تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں ۔"

(اخبار الطوال)

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا ۔

ليكن كل رجل منكم حلساً من احلاس بيته ما دام معاوية حيا فانها بيعة كنت والله لها كارهاً فان هلك معاوية نظرنا ونظرتم ورأينا ورأيتم ص ۱۲۳	لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی تھی اگر معاویہؓ وفات پا گئے، تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی، ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی ۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری و بکراہت کی تھی ۔ حصول خلافت و حکومت کے لئے، موقع مناسب کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کو لامحالہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کھڑا ہونا ہی تھا ۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابو مخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لینا ان کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا ۔ میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعته كرهاً) اسی کے ساتھ بقول ابو مخنف انہوں نے شیعان کوفہ سے کہا ۔

والان كان صلحاً وكانت بيعة ولتنتظر ما دام هذا	اب اس وقت گو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ)

الرجل حيًا فاذا مات فنظرنا ونظرتم
(مقتل ابی مخنف ص۲۲ مطبوعہ نجف)

زندہ ہے انتظار کرو جب مرجائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

حضرت معاویہ کا سلوک

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرات حسن وحسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا رہا مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلاناغہ امیرالمؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں ان کے پاس رہتے۔

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتوود اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراما زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا يعطيهما عطاء جزيلاً وقد اطلق يوم واحد مائتي الف۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱)

جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہوگئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے، ایک ہی دن میں ان کو بیس لاکھ درہم عطا کیے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف وعطیات کا ذکر کیا ہے جو امیرالمومنین معاویہؓ حضرت حسن وحسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔
زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:۔

قدم الحسن بن علي على معاوية فقال له: لاجيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلي، فاعطاه اربعمائة

حسن بن علیؓ (ایک مرتبہ حضرت) معاویہؓ کے پاس (دمشق) آئے تو انھوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے

الف الف و وفد اليه مرة الحسن والحسين فاجازهما على الفور بمائتى الف الف.

(ص۱۳۷ ج البدایہ والنہایہ)

قبل کسی نے بھی نہ دیا ہو گا چنانچہ انہوں نے چالیس لاکھ کی رقم ان کو دی پھر ایک دفعہ حسنؓ وحسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان حضرات کو انہوں نے فی الفور بیس لاکھ دیئے

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ وحسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المومنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے:۔

ومعاوية اوّل رجل فى الارض وهب الف الف وابنه (يزيد) اوّل من ضاعف ذالك كان يجيز الحسن والحسين ابن على فى كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان يجيز عبد الله بن عباس وعبد الله بن جعفر.

(ج ۴ ص۱۲۲ شرح ابن ابی الحدید)

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کیے اور ان کے فرزند (یزید) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دو گنا کیا اور یہ عطیات (حضرت) علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسن وحسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے عطا ہوتے اور اسی طرح عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المومنین معاویہؓ

---

[1] یہ وظائف وعطیات یا تو خمس اور فئے میں سے ہوتے تھے۔ یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا بعض اوقات خلفاء خود اپنے ذاتی حصہ میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے ملا حسن نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گرانبہا عطیات دیکر ان کے ہاشموں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔

کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ	جب حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

(ج ۸ ص ۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

وکان (معاویۃ) یبعث الیہ (الحسین) فی کل سنۃ الف الف دینار سوی الھدایا من کل صنف۔	اور (معاویہ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

(مقتل ابی مخنف ص ۳)

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔

فان کنت تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم علینا فقد وطنا انفسنا علی الموت معک۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۵)	پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آ جاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر ان کا وقت آ گیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

فان یحدث اللہ بہ حدثا	پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ

(دانا ہے کتب ایکو بر انگ
(انجہاد طول صد ۲۳۹)

پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے تحریراً مطلع کروں گا۔

جہادِ قسطنطنیہ و بشارتِ مغفرت

مجوسی و ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی امامِ اوّل و خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ و حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ و سیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر امراء کو جہادِ شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا انہوں نے خلافتِ فاروقیؓ اور خلافتِ عثمانیؓ میں رومیوں کو بڑی بڑی معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی شجاعانِ عرب ملکِ شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

ان العرب منذ فتح الشام فکروا فی فتح القسطنطینیۃ، لانہا کانت لذالک العھد عاصمۃ النصرانیۃ ولکان الاسلام لو فتحھا غلب علی شمالی اوربۃ بلانزاع

(ص ۲۱۳ حاضر العالم الاسلامی تالیف پروفیسر لوتروپ ستودارد مع تعلیقات امیر شکیب ارسلان)

ملکِ شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کردیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف انہوں نے شروع کی تھیں۔ ۴۱ھ میں زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال کی متواتر جدوجہد سے انہوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ سنہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننہیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارتِ مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب "ما قیل فی قتال الروم" (یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے) اس کی یہ حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لھم

(صحیح البخاری جلد ۱، ص ۴۱۰ مطبوعہ اصح المطابع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس

مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزید بن معاویہؓ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمرؓ، ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ

وابن السر سیر وابی ایوب الانصاری (رضی اللہ عنہم) | اور ایک جماعت تھی۔

حاشیہ صنہ۴ جلد۱ صحیح بخاری

مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے ساتھ ہی محدث المہلبؒ کا یہ قول ہے۔

قال المہلب فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر

حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی بحری و بری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت ام حرامؓ زوجہ حضرت عبادۃؓ بن الصامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرت معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اوّل جیش من اُمّتی یغزون البحر قد اوجبوا

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱)

میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنّت واجب ہوگی۔

علاّمہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ملے

وجبت لهم بہ الجنۃ " (فتح الباری شرح بخاری) یعنی اِن (سب غازیوں) کے لئے جنّت واجب ہو گئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

و اول جیش غزاھا (ای قسطنطنیۃ) کان امیرھم یزید والجیش عدد معین لا مطلق و شمول المغفرۃ لاحاد ھذا الجیش اقوی و یقال ان یزید انما غزا القسطنطنیۃ لاجل ھذا الحدیث

اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور (لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے. کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(صـ۲۵۲ ج منہاج السنۃ)

علامہ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اُم حرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنکر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنّت واجب ہو گئی۔ عرض کیا " یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں " آپ نے فرمایا کہ تم ان میں شامل ہو گی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں وہیں فوت ہوئیں. لیکن دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سن کر جب یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا " تم ان میں نہیں ہو گی " علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذکرنا ھذا مقررا فی دلائل النبوۃ۔

(صـ۸ ج : البدایہ والنہایہ)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کے غازیوں کے لئے وجوب جنّت و مغفرت کی پیش گوئی لسانِ نبوی ؐ سے ہوئی (کتاب الجہاد صحیح بخاری و کتاب

الامارۃ صحیح مسلم)

پہلا اسلامی جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔

امیر یزیدؒ کی اس فوج میں جیساکہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابۂ کرام یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) نیز عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابنِ کثیرؒ نے حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اس فوج میں موجود ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ وکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید۔	حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے وہ (حسینؓ) اس فوج میں شامل تھے جس نے (امیر) معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صلہ)	

شیعی مورخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی "تاریخ عرب" ہسٹری آف سیرسینز ص۸۲ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔

مورخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابنِ عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسین علی معاویۃ وغزا القسطنطنیۃ مع یزید (یعنی حسینؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے) صلا ج ۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسیؔ سال سے متجاوز تھی۔ اس کبرسنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبویؐ کی بشارتِ مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آپہونچا آپ نے امیر عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جاسکو لے جاکر

دفن کرنا۔

(ص۵۹ ج البدایہ والنہایہ)

مسلمانوں کو میرا سلام پہنچانا اور یہ حدیث سُنا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی "میزبانِ رسولؐ" کے جنازہ کی پڑھائی اور حسبِ وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے۔

وکان (ابوایوب انصاری) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ۔

(البدایہ والنہایہ، ج ص۵۸)

(اور ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انھی یزیدؒ کو کی تھی (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبانِ رسولؐ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:۔

"ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

(ج ۱۳ ص۱۶)

ایک دوسرا شیعی مورخ (مولف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے

ہوئے کہ "چوں ابوایوبؓ درگذشت یزید سوار شد وجیش باو سوار شد و نعش او را مشایعت نمودند۔" وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا اھل القسطنطینیہ ھذا رجلٌ من اکابر اصحاب محمدؐ نبینا وقد دفنا حیث ترون واللہ لئن تعرضتم لہ لاھدمن کل کنیسۃ فی الارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً (ج کتاب دوم ص۴۶ ناسخ التواریخ)

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبیؐ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے قسم بخدا اگر ان کی قبر کو کسی کا ضرر پہونچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ارضِ عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کے تعلیقات زیر عنوان "محاصرات العرب القسطنطنیہ" میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:۔

ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاہ یزید بن معاویۃ یعودہ فقال: حاجتک قال، نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض عدو ما وجدت مساغاً فاذا لم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب بہ ثم سار بہ فی ارض العدو وما وجد مساغاً ثم دفنہ ثم رجع

جب (حضرت) ابوایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزید بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے انھوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے (امیر یزیدؒ) ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں

ان ابو ایوبؓ قال لیزید بن
معاویہ حین دخل علیہ
اقرئ الناس منی السلام
وساحدثکم بحدیث سمعتہ
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول من مات لا
یشرک باللہ شیئا دخل
الجنۃ فحدث یزید الناس
بما قال ابو ایوبؓ وتوفی
ابو ایوبؓ عام غزا یزید
بن معاویۃ القسطنطینیۃ
فی خلافۃ ابیہ سنہ ۵۲ھ
صلی علیہ یزید بن معاویہ
وقبرہ باصل حصن القسطنطنیۃ
بارض الروم ان الروم
یتعاھدون قبرہ
ویزورونہ ویستسقون
بہ اذا قحطوا۔

(ص۲۱ بحوالہ طبقات ابن سعد)

گئے، جب آگے راہ نہ پائی تو ان
کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے (حضرت)
ابو ایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ
ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا
تھا کہ میں مرجاؤں تو میرا اسلام لوگوں
کو پہنچا دینا۔

اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان
کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے
فرمایا " جو شخص اس حالت میں فوت
کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ
کرتا ہو۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا "
پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے
وہ باتیں بیان کیں جو (حضرت)
ابو ایوبؓ نے فرمائیں ان کی وفات
اس سال (۵۲ھ) میں ہوئی جب امیر یزید
بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر اپنے
والد ماجد کے زمانہ میں جہاد
کیا تھا۔ یزیدؒ بن معاویہؓ ہی نے
ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی
ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ
کی فصیل کے پاس ہے اور رومی
ان کی قبر پر جاکر عہد کرتے ان
کی زیارت کرتے اور زمانہ
قحط میں ان کے وسیلہ سے بارش کی

دعائیں مانگتے تھے[1]

جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حسن انتظام اور ذاتی شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملت کی طرف سے "فتی العرب" (عرب کے سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب "فتی العرب" کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

صفحہ ۲۰۱ ہسٹری آف دی عربس)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

(مکتوبات جلد اول ص ۲۴۲۔۲۵۲)

---

[1] یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابوایوبؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلے سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے ان کی دعائیں سنیں۔

امارتِ حج امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیرِ حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی سنہ ۵۱ھ سنہ ۵۲ھ سنہ ۵۳ھ میں۔

حج بالناس یزید بن معاویۃ فی سنۃ احدی وخمسین وثنتین وخمسین وثلاث وخمسین — یزید بن معاویہ نے سنہ ۵۱ھ و سنہ ۵۲ھ اور سنہ ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کیے۔

(ج ۸ صفحہ ۲۲۹ البدایہ والنہایہ)

مورخ اسلام علامہ ذہبی "تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام" میں بھی لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی سنہ ۵۱ھ و سنہ ۵۲ھ اور سنہ ۵۳ھ میں امیرالحج کی حیثیت سے حج ادا کیے۔ (ص ۹۱ ج ۲)

شیعی مورخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیرالحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ سنہ ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:۔

وحج بالناس فی ھذہ السنۃ یزید بن معاویۃ (جلد ۶ صفحہ ۱۶۷ طبری۔ طبع مصر)

مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارتِ حج منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ (سنہ ۸ھ) کے بعد ہی سنہ ۹ھ میں یہ منصبِ جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا۔ سنہ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا اور اپنی حیاتِ طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپؐ ہی امیر حج تھے۔ آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم و تقویٰ اور فنِ خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ راشدین میں سے حضرت صدیقِ اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، امیرِ حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف و اکنافِ عالمِ اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطباتِ امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریاتِ ملیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر حضرات حاجیوں سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کی حاجتیں و شکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن

عبا سؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کئے اور نہ ان کی اولاد و اخلاف نے۔ اِلّا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بو یہ کے زمانۂ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے براویت مختلفہ دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ حج معاویۃ بالناس فی ایام خلافتہ مرتین (ص۱۳۳ ج البدایہ والنہایۃ) پھر ان کے نائبین میں سے ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے۔

ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے۔ تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نورِ دیدہ سیدہ اُم محمدؒ سے نکاح کیا (ص۶۲ جمہرہ الانساب ابن حزم) اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیجے داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے ان کے بہنوئی ہوتے تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجۂ اولیٰ سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابو سفیانؓ کی دختر تھیں (ص۲۵ جمہرۃ الانساب وطبری ص۱۹ ج۱۳) ان دونوں سالہ بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوشگوار اور انس و محبت کے رہے۔ دیگر صحابہ واکابرین و مجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران ان کی اِمارت حج میں مناسکِ حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المومنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف و عطایہ کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولیعہدی

اسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ولیعہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کے لئے انھوں نے امیر المومنین لائق فرزند یزیدؒ

کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت و قابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی۔ مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحت ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے اِس لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبانِ اُمت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنھوں نے ولایتِ عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ ان میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔ کتبِ تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ اِمام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی "الامامۃ والسیاسۃ" اس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولیعہد السلمین بنایا جائے "الامامۃ والسیاسۃ" جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت و قابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اِس فیصلہ کُن اجتماع کے باوجود امیر المومنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہلِ حل و عقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا۔ جو حضرات شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں تھا۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لئے اختیار کیا تھا کہ حج و زیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور امت کے مصالح کے تحت اِس کی منظوری دے دی۔ امیر المومنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا،

اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امّت نے نہایت خوشدلی سے ان کی ولایتِ عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکتے اِس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اُمّت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب۔ گویا امّتِ محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر و اُحد و خندق کے غزووں نے انھیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللہ من سوء الظن فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سروپا باتیں کہی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمعِ عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی۔ تو تمہاری خیر نہیں۔ سر اُڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمعِ عام میں جب یہ لوگ آکر بیٹھے ایک ایک فوجی تلوار لئے ان کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ یہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبد اللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبد اللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولیعہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر پر سے اُتر آئے۔ ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:۔

والقوم سکت لم یتکلموا شیئاً حذر القتل (ج، ص۱۵۰)	یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے۔ وہاں حضرت حسینؓ حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات

یمن سے عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول اسم ہے "رجل بنخلہ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نامعلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اس کا نام طبری نے "ابو عون" لکھا ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کو "مجہول" بتایا ہے (ج ۳ ص ۲۷)۔ اس ابن عون یا ابو عون نے اسمٰعیل بن ابراہیم سے اور اس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں۔ غرضکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی ہے۔[1] ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ جو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بھی بے قیمت قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ۔

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق و مخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے۔ موافق ہو مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عملِ متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ نے متعدد امور میں اپنی رائے کے

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر ان میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ استوار ہوتی یا کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحبِ سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ انھوں نے مول لے لیا۔ افسوس کہ گمراہ لوگ خاصانِ خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی ہے۔ مثلاً غزوہ اُحد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوقِ جہاد و شہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات، وہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحبِ وحی نبیؐ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اکثریت کی رائے کی پیروی کی۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جاسکتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھا جاسکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدستور سابق ہر سال امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے، عزیزوں کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف و عطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا موقف ظاہر و باہر ہے۔ حتیٰ کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسین بن علیؓ تو یا تو انھوں نے بھی ولیعہدی کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلافِ رائے کی حد تک تھا۔ یا بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرامؓ میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ ان کے علاوہ باقی سب اُمت عوام الناس پر مشتمل تھی، حالانکہ اس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب بیعت عقبہ عشرہ مبشرہ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانۂ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد

تک بقیدِ حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا۔ اور کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جاسکتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعتِ خلافت سے سات سال پہلے وفات پاچکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے لطیبِ خاطر بیعت کی تھی۔ اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا اِن حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام کے موقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہلِ علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفاتِ نبویؐ کے وقت ۵ برس کے قریب تھی۔ اور ابن الزبیرؓ کی نو دس برس کی۔ اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلے میں اِن حضرات کو نہیں رکھا جاسکتا۔ جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسہا برس گذار دیئے اور دین قائم کرنے میں آپؐ کے زیرِ تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تاآنکہ بارگاہِ خداوندی سے انھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصۂ کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے مشہورِ آفاق "مقدمہ" میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> "تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے ...... کہ حجتِ شرعی ہے پس امام اِس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ یہ کاروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیراندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے۔ تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اُس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیئے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولیعہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوءِ ظن کی کوئی

وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے
اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا، کہ ان کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اُمت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلِ حل وعقد صرف یزید ہی کو ولیعہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی اُمیہ اِس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ اِن نزاکتوں کے پیشِ نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جا سکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بیحد اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اِس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اُس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اِس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبولِ حق میں حُبِ جاہ اُن کے آڑے آ جاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۰-۱۷۱، مطبوعہ مصر)

علامہ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مورخِ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام ص۹۲ و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے

امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی۔

اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذلک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ۔	خداوند کریم آپ جانتے ہیں اگر میں نے اس کو (یزید) کو اس لئے ولیعہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولیعہدی کو پورا کیجیو اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولیعہد کیا ہو تو اس کی ولیعہدی کو پورا نہ ہونے دیجیو
(ص۸۰ ج ۸۔ البدایہ والنہایۃ)	

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا۔ پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملّیہ کے تقاضہ کی بنا پر تھی نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلہ صحابہ کرام کی تحریک و تائید سے ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود توکید بیعت کے لئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید (ص۸۰ ج البدایہ والنہایۃ)

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آتے ہوں اور ہر علاقے کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملّیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی۔ امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و مخالفت کا جواز نکالا جا سکے۔

رجب سنہ ۶۰ھ میں جب وقت امیر المومنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکۂ معظمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مورخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحی صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سُنکر ہم لوگ حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس گئے اُس وقت اُن کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

نقلنا یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویۃ فوجم طویلاً ثم قال اللھم اوسع لمعاویۃ اما واللہ ما کان مثل من قبل ولا یاتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم قال فبینا نحن کذالک اذا جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکۃ یدعوہ للبیعۃ. فمضی فبایع

(ص ۲ الجزء الرابع قسم ثانی کتاب انساب والاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

پھر ہم نے اُن سے کہا کہ اے ابو العباس! قاصد موتِ معاویہ کی خبر لایا ہے دیر تک وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو واللہ وہ ان لوگوں کی مثل تھے جو اُن سے پہلے گذر گئے لیکن اُن کے بعد کوئی اُن کے مثل بھی آنے والا نہیں اور اُن کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا کہ اسی طرح ہم اُن کے (ابن عباسؓ کے پاس تھے کہ خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباسؓ) کو بیعت کے لئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

مورخ بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامۃ والسیاستہ کے غالی مولف نے بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحی کے بجائے " عقبہ بن مسعود " تحریر کیا ہے، روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جا کر سنائی ہے اُس وقت وہ کھانا تناول کرنے کے لئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبر وفات سُنتے ہی دسترخوان اٹھوا دیا اور

کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔

اما و اللہ ما کان کمن کان قبلہ و لما یکن بعدہ مثلہ اللھم انت اوسع لمعاویۃ فینا وفی دینی عمنا ھو لا لذی لب معتبر اشتجرنا بینیا فقتل صاحبھم غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم وما اغراھم بنا الا انھم لا یجدون مثلنا وما اغرانا بھم الا انا لا نجد مثلھم و و اللہ ان ابنہ لخیر اھلہ اعد طعامک یا غلام!.... حتی جاء رسول خالد بن الحکم الی ابن عباسؓ ان اطلق فبایع

(ص ۲۱۳ ج طبع اولیٰ سنہ ۱۹۳۷ء)

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے مگر اُن کے بعد اُن جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں یا اللہ معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔ ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنو عم یعنی بنی اُمیہ) میں وہ بڑے ذی مرتبت دانشور تھے، ان میں اور ہم میں جھگڑا ٹنٹا بھی رہا ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب (یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے۔ اگر چہ ہم سے ان کی چشمک تھی۔ مگر ہم جیسا وہ نہ پائیں گے اور نہ اُن جیسا ہم پاسکیں گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے۔ ہاں اے لڑکے کھانا لاؤ، دسترخوان جب اٹھا دیا گیا خالد بن الحکم (حاکم مدینہ) کا قاصد (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس ذاتی واقفیت سے انھوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکو کار بتایا۔ بلا تامل و بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمدؒ بن الحنیفہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔

انھوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سنتِ نبویؐ کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

وقد حضرته (یزید) واقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلوٰۃ متحریاً للخیر یسأل عن الفقه ملازماً للسنة (ص۲۳۳ ج۸ البدایہ والنہایہ)

میں ان کے (یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنتِ نبویؐ کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

مجالسِ علمی اپنے زمانۂ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے۔ خاص کر امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ و عیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کرتے، فقہ و احادیث کے علاوہ، علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی ایک مرتبہ بنو قضاعہ کا ایک وفد اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اس لئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت امیر یزیدؒ مسجدِ دمشق میں بعد فراغتِ نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے۔ یہ وفد وہیں پہونچا۔ صاحب "منتخبات تاریخ الیمن" نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فلما بلغ ذٰلك قضاعة غضبوا شديداً وانكروا ذالك اشد الانكار مختلدوا واجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق يوم الجمعة على يزيد (ص۸۷ مطبوعہ بریل لیڈن)

جب اس کار (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا۔ پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزیدؒ کے پاس پہونچے۔

روایتِ حدیث امیر یزیدؒ کبار تابعین میں تھے اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلّۂ صحابہ سے فیضِ صحبت اٹھایا۔ یعنی حضرت

دحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ ان کی حقیقی بہن ستیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا۔ اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداءؓ اور حبِ رسول اللہؐ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابۂ کرام سے استفادہ کیا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہؓ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاجزادوں نیز امیرالمومنین عبدالملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذکرہ ابوزرعۃ الدمشقی فی الطبقۃ التی تلی الصحابۃ وھی العلیا وقال لہ احادیث (ص۲۳۰ ج البدایہ والنہایہ)

اور ان کا (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابوزرعہ دمشقی نے اس طبقہ (روایانِ حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی) مرویات سے احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام ابنِ حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکونی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذِکر اس نے "امیرالمؤمنین" کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو اِن ہی ابنِ حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی۔

وقال ابن شوذب سمعت ابراھیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویۃ

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو یزید بن معاویہؓ پر رحمتہ اللہ علیہ

(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۲) کہنے سُنا ہے۔

ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی وابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبد الملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبد العزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبد الرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن نے اپنے والد امیر یزیدؒ سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ ایں چہ بوالعجبی است۔ مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبد الرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے محدث معصب الزبیری نے عبد الرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے "کان رجلا صالحاً" (تہذیب ج ۶ ص ۳۰۰) اسی طرح محدث ابو زرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "کانوا من صالحی القوم" یعنی یہ لوگ اُمت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذیب) امیر یزیدؒ نے زمانہ طالبِ علمی ہی سے احادیث نبوی صلعم کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایۃ ان یزید لما قال	اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان
لہ ابوہ، سلنی حاجتک قال	کے والد نے کہا کہ جو بات و خواہش تمہاری

له يزيد؛ اعتقنى من النار، اعتق الله رقبتك منها، قال، وكيف؟ قال: لانى وجدت فى الآثار، انه من تقلد امر الامة ثلاثة ايام حرمه الله على النار۔ لـه

(مـ۲۲۷ ج البدایہ والنہایہ)

ہو، مجھ سے کہو، تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار (دوزخ) سے بچا لیجیے اللہ تعالےٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ) نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزید نے کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی اُمت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالےٰ اُس پر نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا۔

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین۔

یعنی اللہ تعالےٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علومِ دین میں یہ سمجھ اللہ تعالےٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث و فقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قرآن کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید وفضله وقراءته القرآن (ج مـ۱۹۸)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری و مادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی فضیلت کا کیا کہنا۔ یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالےٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا

لـه امتِ محمدیہ کی حرمت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

اُمّتِ محمّدیہ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کے لئے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انک خیر من یزید نفسا فیزید واللہ خیر لامۃ محمد منک) (ج ۲ ص ۱۹۸)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبارِ سلطنت و خلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

خطبات جمعہ و عیدین امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ص ۳۵۶-۳۱۵ ج ۲) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ و عمر الفاروقؓ و علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں۔ ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کیے ہیں جو امیر المؤمنین کی حیثیت میں دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

خطبہ امیر المؤمنین یزیدؒ

الحمد للہ احمدہ واستعینہ و اومن بہ واتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ	سب تعریف اللہ کے لئے ہے اسی کی میں حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں، اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

ورسوله اصطفاه لوحيه واختاره لرسالته وكتاب فصله لفضله واعزه واكرمه ونصره وحفظه ضرب فيه الأمثال وحلل فيه الحلال، وحرم فيه الحرام، وشرع فيه الدين اعذارا وانذارا، لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل ويكون بلاغاً لقوم عابدين اوصيكم عبادي الله بتقوى الله العظيم الذي ابتداء الأمور لعلمه، واليه يصير معادها، وانقطاع مدتها وتصرم دارها، ثم انى احذركم الدنيا فانها حلوة خضرة. حفت بالشهوات وراقت بالقليل، وا بنحت بالفانى، وتحببت بالعاجل، لايدوم نعيمها ولا يؤمن فجيعها، اكالة غوالة غدارة لا تبقى على حال، لا يبقى لها حال، لن تعدوا الدنيا اذا تناهت الى امنية اهل الرغبة فيها، والرضا بها،

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لئے اللہ نے انھیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انھیں اختیار کیا انھیں معزز و مکرم کیا ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی۔ اس کتاب (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں حلال و حرام کو واضح کیا، دین کے شرائع بیان کئے، اعذار و انذار کئے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہونچے اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر سے تقوے کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدار فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے مملو ہے، تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے اُنس رکھتی ہے اور جلد بازی سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں،

ان تکون کما قال اللہ
عزوجل: واضرب لهم
مثل الحیوۃ الدنیا کما
انزلنا من السماء ......
(الی قوله مقتدرا)
ونسأل ربنا والهنا
وخالقنا ومولانا ان
یجعلنا وایاکم من
فزع یومئذ آمنین
ان احسن الحدیث وابلغ
الموعظة کتاب اللہ
یقول اللہ به۔
"واذا قرئ القرآن
فاستمعوا له وانصتوا لعلکم
ترحمون" اعوذ باللہ
من الشیطٰن الرجیم:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
"لقد جاءکم رسول من
انفسکم ...... الی آخر السورۃ)
(العقد الفرید ص۳۷۸ ج۲
طبع مصر ۱۳۵۳ھ)

دنیا موذی، ڈائن، فریب دینے والی کو
ایک حال پر قرار نہیں۔ سو دنیا سے رغبت
رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی
اور نہ اہل اس سے راضی رہتی ہے۔ اللہ عزوجل
نے فرمایا ہے: " اور آپ (اے پیغمبر) ان
لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان
فرمادیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے
ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے
زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر
وہ ریزہ ریزہ ہوجاوے کہ اس کو ہوا اُڑائے
لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر
پوری قدرت رکھتے ہیں۔"
ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں، اپنے
معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں
اے ہمارے مولےٰ ہمیں اس دن (قیامت)
کے خوف سے امن دے (اے لوگو!) بہترین
کتاب اور اعلےٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ
ہے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن
پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش
رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔
(اس کے بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے
بعد سورۂ انفعال کے نویں پارے کی
آیات تلاوت کرکے تفسیر بیان فرمائی اور
سامعین کو نصیحتیں کیں۔

لقب الخطیب الاشدق امیر یزیدؒ خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے "الخطیب الاشدق" لقب پڑگیا تھا۔ یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے. کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا معاویۃ وابنہ رمقاح البیان والبتین للجاحظ یعنی حضرت معاویہؓ نے اور ان کے فرزند یزیدؒ. نیز دو نام اور بھی لئے. ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:۔

کان یزید بن معاویۃ خطیباً شاعراً. وکان اعرابی اللسان بدوی اللھجۃ[1]	یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔ (ص ۸۲۴-۸۲۵ ج)

سنہ ۴۹ھ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ دمشق میں امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کی خبر پہونچی. حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی. جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کر کے لکھا ہے. پھر امیر یزیدؒ بھی تعزیت کے لئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا. جب امیر یزیدؒ ان کے پاس سے اٹھ گئے. تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا. علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے:۔

فلما نھض یزید من عندہ قال ابن عباس: اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس (ص ۲۲۹ ج البدایہ والنہایہ)	جب یزید ان کے پاس سے اٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا. بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اٹھ جائیں گے۔

خصائل محمودہ علم وفضل، تقوی وپرہیزگاری، پابندی صوم وصلوٰۃ

---

[1] عربی زبان کی چاشنی انہی دونوں باتوں سے ہے۔

کے ساتھ امیر یزیدؒ حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔ ایک عیسائی رُومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرّا، اپنی زیر دست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص۱۹۳ ؎)

علامہ ابنِ کثیر نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ ؎

(ص ۲۲۰، ج ۸ البدایہ والنہایہ وتاریخ الاسلام ذہبی ص ۹۳ ج ۳)

اور یزیدؒ کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت تھے۔

حکمرانی کا مطمح نظر

حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمتِ خلق تھا۔ اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل و مطمح نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ

؎ اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اِس لئے حذف کر دیئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی۔ انھوں نے امیر موصوف کی پابندیٔ نماز اور اتباعِ سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادر حسینؓ محمدؒ بن الحنفیہؒ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے۔ نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے

صالح حکومت وسیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کروگے اگر تمہیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے مع حضرت معاویہؓ کے ریمارک کے اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

قال (یزید) کنت واللہ یا ابت عاملاً فیھم عمل عمر بن الخطابؓ فقال معاویۃ: سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جھدت علی سیرۃ عثمانؓ بن عفان فما اطقتھا فکیف بک و سیرۃ عمرؓ

یزید نے کہا کہ، واللہ اے ابا جان (حضرت) عمر بن خطابؓ نے جو عمل (اُمت کے ساتھ) کیا میں بھی اُن کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر (حضرت) معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر کر نہ سکا۔ پھر کہاں تم اور سیرتِ عمرؓ کی پیروی؟

امیر یزیدؒ کو حکومت وسیاسی امور میں ہی حضرت فاروقِ اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ طرزِ معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا۔ حکومت کے طمطراق اور تزکِ شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف وعطایا کا، دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد وعبادِ اُمت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابوالدرداؓ جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ اُنہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھر لانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادمہ موجود ہو۔ پھر اُنھوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انھوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو تو انکار ہوگیا اب میں پیام دوں؟

(کتاب الزہد: امام احمد بن حنبل صـ۱۴۲)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد وعبادِ اُمت تھے۔ علماء وفضلاء تھے۔ طلاب وشیدائیانِ علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے۔ جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں ...... مدون

ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صلح عالم تھے۔ خاص کر علامہ خالد بن یزیدؒ جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دارالترجمہ قائم کیا۔ خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرّ لابیہ۔ اولاد میں علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسولؐ کی آوازیں آتیں نہ بقول کذا بین غناد موسیقی کی۔

سیرتِ یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص ۲۳۳) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہؓ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:-

وھذا ایدل علی عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم، ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟ [1]

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ) کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ کی) عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انھوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اہتمامات جس کا ذکر مورخین

[1] کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابو بکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا مسند احمد بن حنبلؒ تک میں منقصت یزیدؒ کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

ص۲۳۳ کرتے ہیں! کیا اِن لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیا الہراسی متوفی ۵۰۳ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ویزید صح اسلامہ وما صح قتلہ حسینؓ ولا امرہٗ بہ ولا رضی وبہما لا یصح ذلک منہ لا یجوز ان یظن ذلک بہ فان اساءۃ الظن بالمسلم ایضاً حرام وقد قال اللہ تعالیٰ اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم من المسلم دمہ ومالہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسینؓ او رضی بہ فلینبغی اَنْ یَعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر و

اور یزید کا صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوئے پس جب کہ یہ قتل ان سے (یزیدؒ) پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا تو پھر ان کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "بدگمانی سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں"۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کا مال۔ اس کی جان۔ اس کی آبروریزی اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو۔ کہ یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئیے کہ وہ شخص نچلے درجہ کا احمق ہے جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے

الوزراء والسلاطين في
عصره لو اراد ان يعلم حقيقة
من الذي امر بقتله
ومن الذي رضي به
ومن الذي كرهه لم
يقدر على ذلك وان كان
الذي قد قتل في جواره
وزمانه وهو بينهم هذا
فكيف لو كان في بلد بعيد
وزمن قديم قد
انقضى فكيف يعلم ذلك
فيما انقضى عليه قريب
من اربعمائة سنة
في مكان بعيد وقد
تطرق التعصب في الواقعة
فكثرت فيها الاحاديث
من الجوانب فهذا الامر
لا يعلم حقيقته اصلا واذا
لم يعرف وجب احسان
الظن بكل مسلم يمكن الظن به
واما الترحم عليه فجائز
بل هو مستحب بل هو
داخل في قولنا في كل صلاة
اللهم اغفر للمؤمنين
والمؤمنات فانه كان

اپنے زمانے میں قتل ہوئے۔ اگر
کوئی شخص اُن کی یہ حقیقت معلوم
کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا
حکم کس نے دیا تھا۔ کون اس پر
راضی تھا۔ اور کس نے اس کو
ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز
قادر نہیں ہوگا کہ اس کی کنہ تک
پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے
پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور
اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو
تو پھر اس واقعہ کی حقیقت
تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔
جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں
گذرا ہے پس کیونکر اس واقعہ
کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا
ہے جس پر چار سو برس کی طویل
مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی
ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ
اس کے بارے میں تعصب کی
راہ اختیار کی گئی ہو جس کی وجہ
سے متعدد فرقوں کی طرف سے
اس کے بارے میں بکثرت روایتیں
مروی ہوں پس یہ ایک ایسا واقعہ
ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز
پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت

موصنا واللہ اعلم، کتبہ الغزالی۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۴۶۵ مطبوعہ مصر)

تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن کے قرائن ممکن ہوں رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمتہ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہماری ہر نماز کے اس قول اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔

([illegible])

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت بانہ رضی بقتل حسین رضؓ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن نترحم علیہ فی جملۃ المسلمین والمؤمنین عموماً فی الصلوٰۃ۔

(ص ۱۷۳ ج ۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ پر سب و شتم کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے راضی تھے رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمتہ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین و مومنین کے شمول میں مانگا کرتے ہیں۔

کتاب فضل یزیدؒ

پانچویں و چھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی اُمیّہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کرلی تھی۔ کذب و افتراء

سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض صلحائے اُمت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کان من صلحاء الحنابلۃ وکان یزار (ص ۳۳۸ ج ۱۲ البدایہ والنہایہ) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجعِ عوام تھے۔ انھوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب

(ص ۳۳۸ ج ۱۲۔ البدایہ والنہایہ)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہؓ پر ایک کتاب ہے۔ جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کیے ہیں۔

اِس سلسلہ میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب "فضل یزید" کی شہرت ہوئی خلیفہ وقت الناصر لدین اللہ عباسیؒ شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے یہ تبدیلِ ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصرؒ نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا اُسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

فسألہ الخلیفۃ عن یزید أیلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا لباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفۃ ولم؟ قال لانہ یفعل اشیاء منکرۃ کثیرۃ منھا کذا وکذا ثم شرع یعدد

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر

على الخليفة افعاله القبيحة وما يقع منه من المنكر لينتزع عنها فتركه الخليفة وخرج من عنده وقد اثر كلامه فيه وانتفع به

(ص ۳۲۸ ج ۱۲ - البدایہ والنہایہ)

عمل پیرا ہوتے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انھوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کر دی۔ اور ان کے پاس سے اُٹھ آتے لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔

امیر المؤمنین الناصر الدین اللہ عباسی متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں ان کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذات خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء و فضلاء کے قدر دان علم حدیث سے شغف تھا۔ متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فنِ حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین نام ہے (الاعلام زرکلی)، ۵۸۹ھ میں دار العلوم نظامیہ بغداد میں دار الکتب بصرفِ کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مراٰۃ الزمان ج ۸ ص ۲۲۱)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریا دل تھے۔ صاحبِ مراٰۃ الزمان لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی و افطار اور مسکینوں و فقراء کے کھانے کے لئے شہر کے مختلف حصّوں میں دس مکانوں میں طعام کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں۔ ان کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا جس طرح ان کے جدِ اعلیٰ حضرت عباسؓ زمانہ حج میں حاجیوں کے لئے اپنے مال سے رفادہ و سقایہ کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم و فاضل اور ان صفات کے حامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ یہ تبدیلِ ہئیت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں محض لغو ہے۔ صاحبِ کتاب

الذیل علی طبقات الحنابلہ نے ایک فقہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیرالمؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انھوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنھوں نے "مناقب یزید" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفہ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سن کر امیرالمؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی۔ شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ وبحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ مات عبدالمغیث (۵۸۳ھ) وھما متھاجران (کتاب الذیل ص۳۵۶)

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا رَد لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علے طبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدّث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت وحمید الاخلاق تھے خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رُد جو مذمت یزید کا مانع ہے) شیخ عبدالمغیثؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا۔ آفۃ الحدیث الرد علی عبد المغیث سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سبّ وشتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ساتھ ان کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دیگر اکابر صحابہ پر سب وشتم کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینۃ النبیؐ سے اُنس

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا اُنس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو "دار یزید" کہلاتا تھا۔ خلافتِ عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہلِ مدینہ کو وظائف و عطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مورخ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

دخل عبد اللہ بن جعفر علی یزید فقال کم کان ابی یعطیک فی کل سنۃ؟ قال الف الف قال فانی قد اضعفتہا لک فقال ابن جعفر فداک ابی وامی واللہ ماقلتہا لاحد قبلک فقال فقد اضعفتہا لک مقبل أتعطیہ اربعۃ آلاف الف فقال نعم، انہ یفرق مالہ فا عطائی ایاہ اعطائی اہل المدینۃ

(ص ۳ قسم ثانی جزء رابع من

عبد اللہ جعفر (طیارؓ) (امیر یزیدؒ) کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ میرے والدِ ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے (ابن جعفرؓ نے کہا (دس) لاکھ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا (یہ سنکر ابنِ جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لئے بھی نہیں کہا (امیر یزیدؒ) نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سنکر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیر المؤمنین نے) فرمایا۔

کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

ہاں (تم جانتے نہیں)، یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریکِ زندگی کے لئے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔ایک سیدہ ام محمدؓ بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ رہاشمیہ خاتون کو جن کا ذکر پہلے ہو چکا دوسری خاتون حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ کی حقیقی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:۔

فتزوج (یزید) فی حجۃ حجہا ام مسکین بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب

(کتاب الانساب الاشراف)

ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ) نے عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی ام مسکین سے شادی کی۔

یہ ام مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں بلاذری سے قدیم تر مورخ ونساب ابن قتیبہ نے سیدہ اُم مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے اِن سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کی سگی خالہ تھیں (کتاب المعارف ص۔)

یہ خاتون عابدہ وزاہدہ تھیں حدیث کی روایت بھی اِن سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج) میں بذیل الکنیٰ للنسوۃ سیدہ

اُمّ مسکین کا ذِکر ان الفاظ میں ہے۔

ام مسکین بنت عاصم بنت عمرؓ خالۃ عمر بن عبد العزیز وزوجۃ یزید بن معاویۃ لھا روایۃ عن ابی ھریرۃ تفرد عنھا ابو عبد اللہ (ص۳۴۰)	ام مسکین جو عاصم بن حضرت عمرؓ کی دختر اور خلیفہ، عمر بن عبد العزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہ رضہ کی زوجہ تھیں وہ (حضرت) ابوہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابو عبد اللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینۂ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت فاروق اعظمؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذِکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولیٰ اُمِّ خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے فرماتے ہیں:-

أراك اُمّ خالدٍ تضجّین باعت علی بیعك اُمّ مسکین میمونۃٌ مِن نِسوۃٍ میامین زارتك مِن طیبۃ فی حوارین فی بلدۃٍ کنت بھا تکونین فاصبری اُمّ خالدٍ من الدین	ترجمہ:- اُمّ خالد میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُمّ مسکین نے لے لی ہے یہ یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں اب یہ اس شہر میں آتی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا تم اُمّ خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔

انَّ لذی کُنتِ بہ تُدِ ینِ	وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب
لیس کما کنت بہ تظنین	ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیاض اور بخشش و عطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوارِ رسولؐ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہلِ مدینہ کے اِن اشخاص کو جو اپنے مال و زر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے ایک مرتبہ جب امیرالمؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(ص کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرتِ امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا کہ ان کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصّہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر و ممانعت خروج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امّتِ مسلمہ) کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر میں اخوّت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کش مکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہوگیا۔ نسلی و خاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افرادِ امّت جنسِ واحد و ملّتِ واحدہ بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکتِ اسلامیہ کی بنیادیں اُستوار ہوئیں۔ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمانِ ایزدی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (القرآن الحکیم)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اُس کی۔

اولی الامر (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فردِ ملت پر اہل حل وعقد کا اتفاق رائے ہوکر بیعتِ عامہ ہو جائے، خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام (بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو) اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ صحیح البخاری میں انحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہو جائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشادِ نبویؐ منقول ہے۔

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً حبشیاً مجدع الاطراف

یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ (یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر

بال نہ ہوں۔

حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اُس وقت بیان کیا تھا۔ جب مفسدین نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے خلاف شورش وفتنہ بپا کرنے کی ابتدا کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اُن کے احکام و ارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کرلی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے۔ معصیت میں نہیں۔ لاطاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔

شارع علیہ السلام نے اُمت کو فتنہ و فساد سے محفوظ اور اُمتِ مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال و انتشار سے مصئون و مامون رکھنے کے لئے امیر المومنین و حاکمِ وقت کے خلاف خروج و مخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے اِرتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشاداتِ نبوی صلعم۔ جن کے اسناد صحیح وجید ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ

(صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۲۹)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے، کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مرگیا جاہلیت کی موت مرا۔

عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ سیکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (رواہ مسلم)

حضرت عرفجہؓ سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے، اگر کوئی شخص اس اُمت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور اُمت متفق ہو چکی ہو، تو تلوار سے اُس کی

گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کر کے احکامِ شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

"چون بیعت برائے شخصے منعقد شود وتسلط او مستقر گشت اگر دیگرے برائے خروج نماید وقتال کند او را می باید کشت افضل باشد از وے یا مساوی یا مفضول"

(صفحہ ۱۳۸، جلد اول: ازالۃ الخفاء طبع اول)

(یعنی جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور اُس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے۔ اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدری رضؓ کی مروی حدیث بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما	حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لئے بیعت ہو جائے تو اِن میں سے آخر شخص کو قتل کر دو۔

(اخرجہ البغوی)

حضرت ابوہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اوّل بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کھڑا ہو تو اُس اول شخص کی بیعت کی پاس داری کی جائے۔

الغرض شارع علیہ السّلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو امّت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کرے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اُسے حاصل ہو جائے اُس نے حقوق کی پاسداری اور اُس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ اِن کی مروی حدیث سے احکامِ شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن جنادۃ بن ابی امیۃ قال دخلنا علی عبادۃ بن الصامت	حضرت جنادہ بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامت رضؓ کی خدمت

وهو مريض قلنا اصلحك الله حدثنا بحديث ينفعك الله به سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعنا فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة من منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان۔

(صحیح البخاری، جلد ۲- کتاب الفتن)

میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی حدیث ایسی بیان فرمائیے جو آپ کے لئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنی ہو۔ فرمایا، ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم بر سر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع رہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ لا نری الخروج علی الائمة ولو جاروا۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علیٰ ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اِس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

كان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا يرون الخروج على الائمة وقتالهم بالسيف وان كان فيهم ظلم كما دلت على ذالك الاحاديث

اہل السنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں

الصحيحة المستفيضة عن النبي صلى الله عليه وسلم لان الفساد في القتال والفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال۔

(شرح کتاب منہاج السنۃ النبویہ)

تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الاحادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ وجدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح جملہ ائمہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق وفاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزورِ شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا ورغبت ہو یا بہ جبر واکراہ۔ تو اُس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔"

(حیات احمد بن حنبل ص۲۴۶ بحوالہ المناقب للابن الجوزی ص۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہی بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔

خلافت کے اُمیدوار

مورخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلہ میں گنائے ہیں جو امیر المومنین معاویہؓ کی وفات پر

سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاجزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچواں نام حضرت ابنِ زبیر رضؓ کا ہے بایں تفصیل۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضؓ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضؓ

۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذی النورین رضؓ

۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضؓ

۵۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضؓ حواری رسول اللہ صلعم۔

اِن حضرات میں سے اوّل الذکر (حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضؓ) تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہ رضؓ کی وفات سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہو گئے، رات کو سونے کے لئے لیٹے اور ایسے سوئے کہ پھر نہ اٹھے۔ ان کا ذکر زمرۂ امیدواران میں محض عبث ہے[۱]۔ دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے۔ خلیفہ مظلوم شہید حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد جو فتنۂ عظمیٰ امت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمر رضؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے تحکیم کے وقت ان کا نام بیشک لیا گیا تھا کہ حضرت علی رضؓ کے بجائے زمامِ خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لیں۔ لیکن نہ یہ تجویز بر دئے کار آئی اور نہ حضرت ابن عمر رضؓ کے طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اُن کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزید رحؒ کی ولایتِ عہد اور خلافت کی بیعت انھوں نے بطیبِ خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ امیدوارانِ خلافت کے

---

[۱] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروان رضؓ نے صحابہ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھکر سنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیر المومنین معاویہ رضؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بول اُٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل، اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں سے بس یہی ایک آواز اٹھی تھی اس پر مروان رضؓ نے انھیں تنبیہ کی اور انھیں پکڑ لینے کا حکم دیا۔ وہ بھاگ کر ام المومنین کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر رضؓ پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیر المومنین معاویہ رضؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا بعض مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ

ضمن میں ان کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔ تیسرے صاحب حضرت عثمان ذی النورین رض کے صاحبزادے سعیدؒ ہیں جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری نے اور الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ انھوں نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں امیر المومنین حضرت معاویہ رض سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسین رض کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمان رض بڑے مجاہد اور حضرت معاویہ رض کے کارگذار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے امیدوار تھے اور نہ اس امیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا ان کی جانب سے ظہور ہوا۔ موخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصولِ خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت حسین رض کا اقدام اور صحابہ رض کے نصائح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اور احکامِ شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسین رض کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابۂ کرام رض نے جو اُن سے ملے اُنھیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے ابن الزبیر رض اور حسین رض دونوں سے فرمایا۔

اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعة المسلمین۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۱)	تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔

حضرت ابن عمر رض نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اُس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آ رہے تھے۔ ابن زبیر رض نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو "عائذ بالبیت" (بیت اللہ کا پناہ گزیں) کہا اور حضرت حسین رض مکہ آ کر اپنے دادا حضرت عباس رض بن عبد المطلب کے مکان میں اترے فنزل الحسین دار العباس رض (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رض ان کے چچا اس وقت مکہ میں موجود تھے۔ ان ہی کے پاس مقیم

ہوئے - امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرت حسینؓ کو طلبِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حضرت ابنِ عباسؓ کو جو اس وقت خاندانِ بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں -

وکتب یزید بن معاویۃ الی ابن العباس یخبرہ بخروج الحسین الی مکۃ واحسبہ قد جاءہ رجال من اھل المشرق فمنوہ الخلافۃ و عندک خبر وتجربۃ فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابۃ وانت کبیر اھل بیتک والمنظور الیہ فاکففہ عن السعی فی الفرقۃ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اور یزید ابن معاویہؓ نے ابنِ عباسؓ کو مکہ خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں اہلِ مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی ان کے پاس آئے ہیں اور انھیں حصولِ خلافت پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انھوں نے (یعنی حسینؓ) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے - آپ اہلِ بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں اس لئے آپ انھیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں -

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی، جسے شیعہ مورخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے اس میں لکھا تھا -

انی لارجوان لایکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادع النصیحۃ لہ فی کل ما تجتمع بہ الالفۃ و تطفیٰ بہ النائرۃ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

مجھے امید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور میں انھیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے الفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے -

دیگر مورخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزید بعبد اللہ ابن عباسؓ درامر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو مکتوب امیر المومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ

اور حضرت حسین رضؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مورخین نے لکھی ہے یعنی :-

واما الحسین فقد احببت الاعذار الیکم اهل البیت مما کان منه وقد بلغنی ان رجالا من شیعة من اهل العراق یکاتبونه و یکاتبهم ویمنونه الخلافة ویمنیهم الامارة وقد تعلمون ما بینی وبینکم من الوصلة وعظیم الحرمة ونتائج الارحام وقد قطع ذلك الحسین و بته وانت زعیم اهل بیتك وسید اهل بلادك فالقه فاردده عن السعی فی الفرقة ورد هذه الامة عن الفتنة۔ (ج ۲ از کتاب دوم ص۱۲۱)

لیکن حسین رضؓ کے بارے میں آپ حضرات اہل البیت سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہونچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔ اور حسین رضؓ بھی اپنی امارت کی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنو امیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسین رضؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (یعنی ابن عباس رضؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

مکتوب کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزید رحؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی جانب سے جواب خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطور میں یہ لکھا ہے کہ حسین رضؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمّال تمہارے ہیں انھوں نے ناشائستہ کلمات اُن کے بارے میں کہے " وعجّلوا علیه بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم الله مستجیرا به " اس لئے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے۔

وسالقاه فیما اشرت الیه ولن ادع النصیحة فیما یجمع الله به الکلمة ویطفی به النائرة ویخمد به الفتنة

تم نے جو چاہا ہے اس کے پورا کرنے کے لئے میں حسین رضؓ سے گفتگو کروں گا اور انھیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو جائے

ويحقن به دماء الامة ۔ (ج ۲ از کتاب دوم صہ ۴۲)

اور اُمّت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے ۔

یہ مکاتیب بیّن ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انھوں نے حضرت حسین رضؓ کو حصولِ خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں، اور یہ خطوط جو شیعہ مورخین نے درج کئے ہیں مُسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسین رضؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا۔

حضرت حسین رضؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسین رضؓ کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ امت میں پڑے ۔

ثقہ مورخین نے صحابہ کرام رضؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت حسین رضؓ کے اقدامِ خروج پر ان کو کیں ۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے فرمایا تھا ۔

غلبني الحسين على الخروج وقلت له : اتق الله في نفسك والزم بيتك ولا تخرج على امامك ۔ (ص ۱۶۳ ج البداية والنهاية)

حسین رضؓ نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا، اپنے دل میں خدا سے ڈرو اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (خلیفہ یزید رح) کے خلاف خروج نہ کرو۔

حضرت ابو واقد اللیثی رضؓ نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جا کر ان کو روکا اور فرمایا: ۔

ناشدته الله ان لا تخرج فانه من يخرج بغير وجه خروج انما خرج يقتل نفسه (ص ۱۶۳ ج البداية والنهاية)

میں نے انھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ فرماتے ہیں: ۔

كلمت حسيناً فقلت له : اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض (ص ۱۶۳ ج البداية والنهاية)

میں نے حسین رضؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ خدا سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے نہ مرواؤ ۔

اسی طرح دیگر متعدد صحابۂ کرام کی گفتگوؤں کے کلمات مورخین نے نقل کئے ہیں۔ خود ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہ رح) اور اُن کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

جعفرؓ بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خسر بھی تھے۔ یمن کا ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین کی خدمت میں یمن کا محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکّہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ انھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکّہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی مگر حضرت حسینؓ نے واپسی سے انکار کر دیا۔ اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا رہا۔ پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے بھی بالآخر اُن سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے اُن کے عزیز و ہمدرد اُن سے کہتے رہے۔

یا حسین ! الا تتقی اللہ ! تخرج من الجماعۃ وتفرق بین الامۃ بعد اجتماع الکلمۃ۔ (ص ۱۶۲ ج البدایہ والنہایۃ)	اے حسینؓ ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو اور امت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون۔	میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا۔ تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے (تاریخ الخلفاء والبدایہ)

حکومت کا نرم رویہ

مکّہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور ان کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ اُن کی نگرانی ہوئی۔ نہ عراقیوں کو اُن کے پاس آنے جانے سے روکا گیا حتیٰ کہ نہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر کوئی قدغن کیا گیا۔ قوی آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے ان کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعۂ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اس قطعہ اشعار کو شیعہ مورخ طبری نے بھی جلد ۶ ص ۲۱۱ پر درج کیا ہے اور دیگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ نے بھی ص ۱۶۴ جلد ۸ میں اور ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے ص ۱۶۲ ج ۶ کتاب دوم

میں درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے۔ کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں

قطعہ اشعار امیر یزیدؒ

یا ایّھا الرّاکب الغادی لطیّبۃ
اے سوار جو طیبہ (مدینہ) کی طرف ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے

علیٰ عذافرۃٍ فی سیرھا قحمُ
جس کی چال میں بانکپن ہے کہ تھکاوٹ کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے

ابلغ قریشاً علیٰ شحط المزار بھا
میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے

بینی وبین حسین اللّٰہُ والرّحم
کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے

وموقفٌ بفناء البیت انشدہ
اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے

عھد الالٰہ وما ترعیٰ بہ الذمم
میں انہیں اللہ کا عہد اور ہر اس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت قابلِ لحاظ ہوتی ہیں۔

عنفتم قومکم فخراً باُمّکم
تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔

اُمٌّ حصانٌ لعمری برّۃٌ کرمٌ
ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاکدامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔

ھی الّتی لا یدانی فضلھا احدٌ
وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا

بنتُ النّبیّ وخیر النّاس قد علموا
نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب سے اچھی

وفضلُھا لکم فضلٌ وغیرکُم
ان کی فضیلت میں تمہاری (بیشک) بھی فضیلت ضرور ہے۔

من قومکم لھم من فضلھا قسم
مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو اُن کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لا علمُ او ظنًّا کعالمہٖ
میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔

والظّنُّ یصدقُ احیاناً فینتظم
کیونکہ بسا اوقات گمان سچا نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

ان سوف ینزلکم ما تطلبون بھا
کہ عنقریب تم پر اے باغیانِ مدینہ وہی چیز نازل ہو گی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو

قتلیٰ تھادا کم العقبان والرّخم
یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامانِ ضیافت ہوں گی۔

یا قومنا لا تشبّوا الحرب اذ خمدت — وامسکوا بحبال السلم واعتصموا

اے میری قوم جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ — اور صلح کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو

لا ترکبوا البغی انّ البغی مصرعۃ — وانّ شارب کاس البغی یتخم

بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے — اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کر سکتا

قد جرّب الحرب من قد کان قبلکم — من القرون وقد بادت بہا الامم

لڑائی کا تجربہ انہیں ہو چکا جو تم سے پہلے گذر چکے — اقوام عالم کے لئے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں

فانصفوا قومکم لا تہلکوا بذخاً — فربّ ذی بذخ زلّت بہ القدمُ

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بیجا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو — کیونکہ اکثر بیجا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔

امیر یزید کے مندرجہ بالا قطعۂ اشعار سے اُس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے " اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے، میں انہیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے۔" ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورّخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

" اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصّب نے اس تصویر میں خد وخال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے فہمی اور قریب قریب غیر معمولی حُبِّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے

یورپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں اکثر و بیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔"

(ص۲۲۷ تاریخ مسلمانان اسپین مولفہ رینہارٹ دوزی)

ترجمہ فرانسس گریفن اسٹوکس مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۱۳ء

برادرانِ حسینؓ کا موقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں۔ یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہؒ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم و فضل ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والدِ ماجد کے صحیح جانشین تھے اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی " اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف "انساب الاشراف" (جلد ۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے ان کا ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنیفہ رض کے پاس آئے اور کہا کہ یزید کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنیفہ رض نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں"؟

ارکان وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے، شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنیفہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنیفہ: تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں، تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنیفہ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریکِ جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں، اس لئے انھوں نے کہا، اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن الزبیر کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنیفہ: میں تو لڑوں گا نہیں۔ نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔ لست اقاتل تابعاً ولا متبوعاً۔

(جلد ۳ - انساب الاشراف، بلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیر نے (صفحہ ۲۳۳ - جلد ۸ - البدایہ والنہایہ) جیسا ابھی ذکر ہوا حضرت محمد بن علی (ابن الحنیفہ) فضیلت علمی، اتقاء پرہیزگاری، شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے غض بصر کر کے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندان علی مرتضیٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

كان محمد بن الحنيفة احد رجال الدهر فى العلم و الزهد والعباده والشجاعة وهو افضل ولد على بن ابى طالب بعد الحسن والحسين -

یعنی - محمد بن الحنیفہؒ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں حسنؓ اور حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے -

(صفحہ ۳۲۷ - عمدة الطالب فى انساب آل ابی طالب - طبع اول - مطبوعہ لکھنو)

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف الاعلام (قاموس التراجم) میں نقل کیا ہے - حضرت ابن الحنیفہ فرماتے ہیں :-

الحسن والحسين افضل منى وانا اعلم منهما

(ج ۷ ص ۱۵۲)

حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندان بنت نبی ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں -

كان واسع العلم ... واخبار قوته وشجاعته كثيرة (ایضاً)

وہ وسیع العلم تھے - ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں -

بایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے - اپنے والد ماجد کے معرکہائے جمل و صفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبات کہا کرتے تھے -

حضرت حسینؓ کے اِن بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجیع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا - اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی اُن کے ساتھ جانے دینا - آخر کس بات کا ثبوت ہے - صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابۂ کرام کی طرح اس خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا -

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علیؓ بن ابی طالب تھے جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ

اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مؤرّخ ونسّابہ مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" اِن کے اختلاف کا ذکر اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

وتخلف عمر من اخیہ الحسین ولم یسار معہ الی الکوفۃ وکان قد دعاہ الی الخروج معہ فلم یخرج یقال انہ لما بلغہ قتل اخیہ الحسین خرج فی معصفرات لہ وجلس بفناء دارہ وقال انا الغلام الحازم ولو اخرج معھم لذھبت فی المعرکۃ وقتلت۔

(صفحہ ۳۵۷ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ مطبوعہ لکھنؤ)

اور عمر نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انھوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ اُن کے ساتھ نہ گئے کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہوجانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقلمند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی اُن کے (حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے یہ بھائی بھی اُن کے خروج کو طلبِ حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

موقف صحابۂ رسولؐ

حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہوچکا ہے حجاز و عراق و دیگر ممالکِ اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضوفشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمعِ نبوّت سے براہِ راست اخذِ نور کیا تھا۔ اِن میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہوکر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لاسکتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف۔

"اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں :-

ولقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر و کلھم لم یخرج علی یزید ولا وحدہ ولا مع الحسین (صـ)

اس زمانہ میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از خود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظامِ خلافت یا کردارِ خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظامِ خلافت نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزید رحمہ اللہ سے پہلے خلفا کے زمانے میں رہا۔ خلفہ کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور اُن کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی کاروبارِ مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضات میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسما کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابۂ کرام کے مختصر حالات و تراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے عہدِ خلافت نیز ان کے زمانۂ ولایت عہد میں حیات تھے ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظامِ ملیہ عرب کی زندگی ہمیشہ سے قبائلی رہی ہے اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک وحدہ تھا اور اپنے سیاسی معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ راشدین کے عہد سے لیکر اُموی دَور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار ہو۔ نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو گئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظامِ عسکری (۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ

بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں۔ چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضاکارانہ تھی۔ اموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہونچ جائے۔

(۲) عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب و ضرب۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو۔ یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مفلوج کیا جاسکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے اُمت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہوسکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور ان کے مخالف یہ حمایت کسی طرح حاصل نہ کرسکے۔

اُمت کی حرارتِ دینیہ

اُمتِ مسلمہ میں آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔

حالانکہ علم و تقوےٰ، قوتِ ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں انھیں سلف صالحین" سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کرلینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابر اہل البیتؓ کی موجودگی میں قرنِ اول کے وہ مسلمان جنھوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اُس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے استغنے بےپرواہ ہوگئے تھے کہ انھوں نے ایک "فاسق اور جابر" شخص کو اپنے اوپر مسلّط رہنے دیا۔ اس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ اُمت تھی جس نے اس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اس کے بعد! پھر اُس وقت اس امت کو کیا ہوگیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظامِ خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندانِ خلافت یعنی بنی اُمیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردارِ خلیفہ میں کوئی خرابی۔ زمامِ خلافت اسی امیر المجاہدین

کے ہاتھ میں لی تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مع دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہادِ قسطنطنیہ میں شریک تھے اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسکِ حج بھی ادا کئے تھے اور ان کی امامت میں نمازیں پڑھیں تھیں۔

بنی ہاشم اور اموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ سنہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنو العم (بنی اُمیہ) کی خلافت کی، بالفاظ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی وخاندانی مخالفت ومغائرت اِن دونوں خانوادوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھے۔ جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اس کے ساتھی آتشِ جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش رہے یہی لوگ "المحرصین علی القتال" تھے (ص ۲۲۴ ج منہاج السنۃ)

اِن لوگوں کی تحریکوں کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے (حسن رضی اللہ عنہ) ہمیشہ اپنے والدِ ماجد اور چھوٹے بھائی (حسین رضی اللہ عنہ) کو جدال وقتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح ومصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وکذلک الحسن رضی اللہ عنہ دائماً کان یشیر علی ابیہ واخیہ بترک القتال ولما صار الامر الیہ ترک القتال واصلح اللہ بین الطائفتین المقتتلین وعلی فی آخر الامر تبین لہ ان المصلحۃ فی ترک القتال اعظم منہا فی فعلہ۔

(ص ۲۲۳ ج منہاج السنۃ ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اور اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ وجدال کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انہوں نے جنگ ترک کردی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح ان کے ذریعہ کرادی (حضرت) علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہو گئی تھی کہ جنگ ترک کردینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال وقتال جاری رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح ومصالحت کے حامی تھے لسانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

سے ان کے اقدامِ صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس میں اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نزدیک اُمت کے متحارب گروہوں میں صلح و مصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوصِ قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

وهٰذا يبيّن ان الاصلاح بين الطائفين كان ممدوحاً يحبه الله ورسوله وان ما فعله الحسن من ذالك كان من اعظم فضائله ومناقبه التي اثنى بها عليه النبي صلعم ولو كان القتال واجباً ومستحباً لم يثن النبي بترك واجب او مستحب۔

(ص ۲۴۲ ج ۲۔ منہاج السنۃ)

اور اس (اظہارِ پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (اُمّتِ محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح و مصالحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابلِ مدح ہے چنانچہ (حضرت) حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ ان کے فضائل و مناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائش کی ہے اور اگر قتال و جدال واجب اور مستحب فعل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب و مستحب عمل کے ترک کر دینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے یہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابرِ بنی ہاشم کے لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ و عملِ حسنہ کی مثال بھی اس خصوص میں شمعِ ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی و سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے بنی اُمیّہ کے افراد کو زیادہ منتخب و متعیّن فرمایا۔ عمّالِ نبویؐ میں بھاری اکثریت اُموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً اُن حضرات کی فطری صلاحیت اور حسنِ کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت صلعمؐ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیمار کا دیگر اُموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمّالِ نبویؐ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بناء پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ صاحبِ منہاج السنۃ فرماتے ہیں:۔

وكان بنو امية اكثر القبائل عمالا للنبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم فانه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن اسيد بن ابی العاص بن امية واستعمل خالد بن سعيد بن ابی العاص بن امية واخوية ابان وسعيد علی اعمال آخر واستعمل ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد ومات عليها وصاهر النبیّ صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلّم بناته الثلاثة لبنی امية (ص ۱۲۵ ج ۲ منهاج السنة)

نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے عمّال میں دوسرے قبیلوں وخاندانوں کی بہ نسبت بنی امیہ کے افراد اکثر وبیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتاب رضؓ بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالد رضؓ بن سعید بن ابی العاص بن امیہ اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رضؓ وسعید رضؓ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز حضرت ابوسفیان رضؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت یزید رضؓ کو بھی عامل مقرر کیا جب آپؐ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے نیز نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی امیہ میں بیاہ دیا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اموی خلافت کی تائید وحمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللّٰہ بن الزبیر رضؓ کے داعیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزید رحؒ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی امیہ کے افراد کو بھی جلاوطن ہونے پر مجبور کردیا گیا۔ اس پرآشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں جعفریوں عقیلیوں علویوں نے بشمول اولادِ حسن رحؒ وحسین رحؒ نہ صرف اس بغاوت سے قطعاً علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزید رحؒ کی بیعت پر مستقیم رہے اور جو اتہامات امیر موصوف پر شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ کے لگائے گئے اس کی تردید وتکذیب کی بلکہ بعض افراد بنو امیہ کے اہل وعیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے علامہ ابن کثیر رحؒ نے حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضؓ کے طرز عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزید رحؒ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندانِ نبوّت (بنی ہاشم) کے اکابر کے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبد المطلب وقد سئل محمد بن الحنفیة فی ذٰلک فامتنع من ذٰلک اشد الامتناع وناظرھم وجادلھم فی یزید وردّ علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوٰۃ

(صد ۲۱۸ ج البدایہ والنہایہ)

اور اسی طرح بنو عبد المطلب (یعنی اولادِ عباس رض وعلی رض وغیرہما) کے کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزید) کی بیعت نہیں توڑی اور جب محمد بن علی رض (الحنیفہ) سے اِس بارے میں کہا گیا (یعنی فسخ بیعت کو) تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور (امیر یزید) کی موافقت میں ان سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض نمازوں کے ترک کے یہ لوگ لگاتے تھے ان کی تردید و تکذیب کی۔ ؎

غرضیکہ خاندانِ نبوت کے یہ سب افراد خلیفۂ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے۔ حضرت حسین رض کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزید رح کی بیعت کی مخالفت میں ابنِ زبیر رض کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج و بغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیر رض کا عارضی تسلّط حجاز پر ہوگیا تھا حضرت ابن عباس رض مع اپنے بھتیجے حضرت محمد بن علی رح (الحنیفہ) مکّہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب اُن کا آخری وقت آپہونچا تو اپنے صاحبزادے حضرت علی السجاد بن عبد اللہ بن عباس رض کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کرکے اپنے بنو العم (بنی اُمیّہ) کے پاس ملکِ شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملک شام و حجاز کا سرحدی مقام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد بن علی رح (الحنیفہ) بھی حجاز کی سکونت ترک کرکے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبد الملک اُموی کے تسلّط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ صد ۲۶۴-۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔ غرضیکہ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) اور خاندانِ

؎ برادر حسین رض حضرت محمد بن علی رض نے اپنی ذاتی واقفیت اور چشم دید واقعات کی بناء پر بدگویوں کے اتہامات کی تردید کی جس سے ابو مخنف جیسے کذاب راوی کی تکذیب ہوتی ہے۔

خلافت (بنی امیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۸ صـ ۲۶۵)، محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اُمیّہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔ حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام حضرت موصوف کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں حقیقی بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی دونوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات[۱] برس کی تھی۔ ان کے بارے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح و مصالحت کرا دیں گے اس حدیث کے الفاظ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیٰحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود ان ہی کی زبانی اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں جب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جایئے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جایئے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

فقلت لہ انزل عن منبر ‌ ‌ ‌ میں نے ان سے یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے،

---

[۱] کتاب المعارف ابن قتیبہ (صـ ۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت سنہ ۳ھ میں بعد غزوہ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ اُحد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ و حسین علی الترتیب ۸ اور ۷ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے "بعد" کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

ابی واذھب الیٰ منبر ابیک فقال ان ابی لم یکن لہ منبر فاقعدنی معہ فلما نزل ذھب بی الیٰ منزلہ فقال ای بنیّ من علمک ھٰذا؟ قلت ماعلمنیہ احدٌ۔

(تاریخ الاسلام علامہ ذہبی ج ۳ ص ۵ والاصابہ فی تمیز الصحابہ علامہ ابن حجر ج ۱ ص ۳۳۲)

کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اتر آؤ اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ۔ یہ سنکر، انھوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے نہیں پھر انھوں نے مجھ کو اپنے ہی پاس بٹھا لیا۔ اور خطبہ تمام کرنے کے بعد، جب منبر سے اتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمھیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے بھی نہیں سکھائی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیرالمومنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے ہی دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہدِ خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی سنہ ۵۲ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص ۸۲ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر یعنی سرداری وحکمرانی کا آلۂ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وکان معاویۃ واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذ اللہ مبلغ ما بلغ۔ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پہ پہونچے جو ان کو حاصل تھا۔ پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

کان مالٌ حمل من الیمن الیٰ معاویۃ فلما مرّ بالمدینۃ

صوبہ یمن سے جو مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا معاویہؓ کے پاس جارہا تھا۔ جب

وثب علیہ الحسین بن علیؓ فاخذہ وقسمہ فی اھل بیتہ وموالیہ و کتب الی معاویۃ۔
(شرح ابن ابی الحدید ج۲ ص۱۸۱ مطبوعہ ایران)

(قافلہ) مدینہ سے گزرا حسین بن علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے عزیزوں اور موالی میں تقسیم کر دیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کر دی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مؤرخین و مولفین نے بتمام دکمال نقل بھی کر دیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً جو تحریر بھیجی ہے اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا۔

لان الوالی احق بالمال ثم علیہ المخرج منہ وایم اللہ لو ترکت ذالک حتی صار الی لم انجسک حظک منہ ولکنی قد ظننت یا ابن اخی ان فی راسک نزوۃ وبودی ان یکون ذالک فی زمانی فاعرف لک قدرک واتجاوز عن ذالک ولکنی واللہ اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرک فواق ناقۃ۔
(ج ص۹۸۲ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج ص۲۰۳ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گذرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگزر کر سکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس و لحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مورخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کیے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کر دی ہے نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مورخ "مولف اخبار الطوال" نیز شیعہ مورخین طبری۔ ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابو مخنف کی روایت سے بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر

اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں احمال (مال قافلہ)، را ماخوذ داشت

صفحہ ۲۰۹ ج ۱ کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو) ماخوذ کر لیا تھا۔

شیعہ مورخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابو مخنف کی سند سے بیان ہوا ہے راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ و حکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہو جانے سے قبل کسی فرد امت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو پبلک مال کے تقسیم کرنے کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصود اصلی اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا اور کیسی کچھ ملاطفت و درگذر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے ان کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ بعد وفات حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگذر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم و کریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس واصبرھم علی من یؤذیہ واعظم الناس تالیفاً لمن یعادیہ۔

(ج ۲ صفحہ ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی ان کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی ان کی مخالفت اور دشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو ان کی قرابت قریبہ تھی۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسین کے نانا ہوتے تھے۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے۔ حسنِ سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔ غالی مورخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی امیۃ میں پشتینی مخالفت تھی اور اموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا، قطعاً بے بنیاد اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کر لیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فلما آلت الخلافة الی اخیه واراد ان یصالح شق ذالك علیه ولم یسدد رای اخیه فی ذالك بل حثه علی قتال اهل الشام فقال اخوه! والله لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذا الشان ثم اخرجك فلما رای الحسین ذالك سکت وسلم۔

(صفحہ ۱۵۰ ج ۸)

(البدایہ والنہایہ)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انھوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گذری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہلِ شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ خدا کی قسم تم کو میں گھر میں ہی قید کر دوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کر دوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حسین نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور ان کی پیروی کی۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اُموی خلافت کے نہ صرف موید تھے بلکہ اُموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہادِ قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت موصوف کا اقدام اُموی خلافت یا بنی اُمیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص و ترغیب اور ان کی دراندازیوں کی بنا پر تھا

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں

مورخین نے ابو مخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کرکے (نزار امن بیعۃ یزید صا۱۵۱ البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وقد کثر ورود الکتب علیہ من بلاد العراق یدعونہ الیھم و جلوا التستحثونہ ویستقدمونہ علیھم لیبایعوہ عوضاً عن یزید بن معاویۃ ویذکرون فی کتبھم انھم فرحوا بموت معاویۃ ۔

(ج ۸ صا۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

ان کے (حسینؓ) کے پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آگئے، جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں ان کو تحریص بلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ ان سے بیعت کرلیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا۔ بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے یہ تھا:۔

اما بعد ۔ فقد اخضرت الجنان واینعت الثمار و لطمت الجمام فاذا شئت فاقدم علی جند لک مجندۃ والسلام علیک ۔

(ج ۸ صا۱۵۱ البدایہ والنہایۃ) و (ج ۶ ص۱۷۳ ناسخ التواریخ)

اما بعد ۔ باغ و بوستان سرسبز ہو گئے ہیں ۔ میوہ و پھل تیار ہیں ۔ زمین میں سبزہ اُگ آیا ہے ۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی ہر خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے

اسی مؤرخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے سفر کرکے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس "دو، دو تین تین" مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت

لینے کی دعوت دی گئی تھی۔
(صـ۱۵۳ ج ناسخ التواریخ)

اقدام خروج میں غلطی

کردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔

زمانہ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثہ کربلا کے بارے میں اظہار تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اما الحسین فانہ خالف علی یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذالک الجور ولا العسف عند اظہار ہذا الخلاف
(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صـ۲۳۵)

لیکن (حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا جو خروج کو جائز کر دیتا)

اسی مؤرخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

فان الحسین اخطأ خطأ عظیماً فی خروجہ ہذا الذی جر علی الامۃ وبال الفرقۃ والاختلاف وزعزع عماد الفتہا الی یومنا ہذا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صـ۲۳۵)

اور (حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے امت میں اختلاف و افتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت و الفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے فان الجماعۃ خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا (صـ۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)

بزرگوں سے ردّ وقدح

سنہ ۴۹ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہے[1]۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے قریب تین

---

[1] مرض الحسن اربعین یوماً (تاریخ الخمیس ج۲ صـ۳۲۹) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے۔ زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

بزرگوں میں دو ہمنام حضرات زندہ تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ اوّل الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے ان کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان ہی چچا اور بزرگِ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا اور قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن و سال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بدو شعور سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی قربت خاص میں تعلیماتِ اسلامی و تزکیۂ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلت صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ امّ المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے، راتوں کو اُٹھ کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتے۔ وضو کے لئے پانی لاکر رکھتے۔ خدمتیں کرتے اور ازدیادِ علم کی دعائیں لیتے اسی کی برکت تھی کہ حِبر امّت (اُمت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "فکان ابن عباسؓ من کبار اھل البیت و اعلمھم بتفاسیر القرآن"

(ص۱۱۸ ج۲ ۔ منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہلِ بیت نبوی صلعم کے اکابر میں سے تھے اور ان سب میں تفاسیرِ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہلِ زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفۂ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیبِ خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکامِ شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتائے اور سمجھائے جس طرح دوسروں کو بتاتے

اور سمجھاتے تھے کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس[1] کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادی برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو گفتگوئیں ان سے کیں جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں ان کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص ۲۰۲ ج البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ عندہ من ھذہ الاشیاء مالیس عند غیرہ (ص ۲۰۲ ج البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہو تا گیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں۔ مثال کے طور پر ابو مخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے۔ معلوم ہے کہ حضرت حسینؓ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر "دار العباسؓ" میں مقیم ہیں۔ مگر ابو مخنف لکھتا ہے۔

"عبد اللہ بن عباس نے حسین کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سنا تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابن عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو، ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو۔" خبرنی ما ترید ان تصنع (ص ۲۱۶ ج ۶ طبری)

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے جو امیر یزید سے بیعتِ خلافت کر چکے ہیں اور

---

[1] حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی غزوہ احد کے بعد اور حضرت حسنؓ کی ولادت ۳ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت حسینؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں۔ یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابو مخنف انھوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسینؓ سے کہے تھے:۔

"اگر تم کو اہلِ عراق بلاتے ہیں تو انھیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑائیں (فلینفوا عدوھم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔" (ص۲۱۷ ج ۷ طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انھوں نے اہلِ عراق کو اس اولوالامر خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسبِ احکام شریعت اسکی طاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت ابن عباسؓ جیسے (حبر الامۃ) امت کے سب سے بڑے عالم، کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ و پلان بھی بیان کروا دیا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت و خلافت قائم کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا۔

"اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور رہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض و طویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرفدار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط و کتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔" (ص۲۱۷ ج ۷ طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت ابن عباسؓ اور آپ کے اہلبیت کے موقف و طرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت ابن عباسؓ امیر یزیدؒ کی بیعتِ خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد بھی باغیانِ مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی، امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا۔ دباؤ ڈالا دھمکیاں دیں ہاشمی خاندان

نے اپنے بنو العم (بنو اُمیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ اُمت (اتحادِ ملت اور اسلامی سیاست) کے حق میں مُضر سمجھا۔ اور کوئی قدم اُن کے خلاف نہ اٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"نصرت تو بر ذمت ایں امت چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ . . . سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم" (ص۱۷۱ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)	اس امت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ . . . . قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی میں اس حق کو پورا ادا نہ کرسکوں گا جو تمہارا میرے ذمّہ ہے۔

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقعہ پر لکھا ہے:۔

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضۃ اظھر منہ فی سائر طوائف اھل القبلۃ۔ (ص۱۵ منہاج السنۃ)	تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر دکھایاں ہے۔

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ ان ہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے ان کا بس چلتا تو حسینؓ کو بجبر روک لیتے۔ خود ابو مخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے بھتیجے سے فرمایا:۔

واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعرک و ناصیتک حتی یجتمع علی و علیک الناس اطعتنی	قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے بال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ

لفعلت ذالکؓ ـ
(ص۲۱۷ ج۶ طبری)

اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا
لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے کو جمع ہو جائیں

طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ لکھا ہے مثلاً علامہ ابن کثیرؒ "لتشب بہ فی راسک" لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہی ہے کہ بجز روک لوں غرضکہ چچا بھتیجے میں بحث مباحثہ اور رد و قدح اسی بنا پر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی ردّ و قدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے "گویا سٹھیا گئے ہیں" انک شیخ قد کبرت، ص۱۶۲ ج۸ البدایہ والنہایہ، مگر مفادِ اُمت کے علاوہ بھتیجے کی محبّت، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کئے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

فان کنت سائرا فلاتسر بنسائک وصبیتک فواللہ انی لخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ ونساؤہ وولدہ ینظرون الیہ ـ
(ص۲۱۷ ج۶ طبری ـ ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ ـ ص۱۱ مقاتل الطالبین)

پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو (تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ خدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی حالانکہ انہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے ـ انی واللہ لاعلم انک ناصح مشفق (ص۲۱۷ ج۶ طبری)، ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:-

تو لپسر عم پدر منی وہمارہ پدر مرا برای ارزندین واندیشہ متین درکارہا متفق بودہ وناصحی مشفق گشتہ
(ص۱۱۵ ج۶ از کتاب دوم)

آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی دقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔

انہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ ان کو اس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کے گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال الحسين، لا يبعد الله ابن عباس فطننا الله انما قالها حين سمع بكاؤ هن لانه قد كان نهاه ان يخرج بهن (ص۲۲۳ تاریخ طبری ۔ ص۱۶۵ البدایہ والنہایہ)

حسینؓ نے کہا۔ خدا کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی، یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ و بکا سنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے ان کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت حسینؓ کے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بنا پر نہ تھی کہ امیر المؤمنین یزیدؒ ان کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرفدار تھیں اور اُن کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہونچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے جو اس وقت بیوہ تھیں نکاح کر لیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:-

ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب و بنت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً (حضرت) عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا، ان کے فوت ہو جانے پر عبداللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔

ثم خلف عليها بعده عبد الله بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقه لاختها زینب۔

ان کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔

(جمهرة الانساب ابن حزم ص۳۰)

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے دو اولادیں تھیں ایک فرزند علیؒ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری ایک صاحبزادی ام کلثوم تھیں جن کو حضرت عبداللہ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ ان کے

فوت ہو جانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صلا) حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادہ علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؓ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے جو دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جن کا ذکر آگے آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے غالی راویوں نے حضرت ابن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کیلئے روایتیں وضع کی ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیق مزید

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول و قرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ ان سے دور ہی رہیں۔

مرۃ یرید ان یسیر الیھم و مرۃ یجمع الاقامۃ عنھم

(ص۱۶۱ البدایہ والنہایۃ)

اطمینان مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول و قرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ فان تکن الاخری فعجل الانصراف (ص۲۴۲ اخبار الطوال) مسلم کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ قدیم راوی ابو مخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کر لیا انھوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائے گا۔ فقال مسلم یقتل عدونا انشاء اللہ (ص۱۹۹ ج طبری)

ان کے کوفہ پہونچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسھم واموالھم۔

(ص۱۵۲ ج البدایہ والنہایۃ)

طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہلِ کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسینؓ کو حسب ذیل تحریر ارسال کی۔

اما بعد فان الرائد لا یکذب اهله وقد بایعنی من اهل الکوفة ثمانیة عشر الفا فعجل الاقبال حین یاتیك کتابی فان الناس کلهم معك لیس لهم فی آل معاویة رای ولا هویٰ والسلام۔ (ص۲۱۰ ج طبری)

اما بعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لئے اٹھارہ ہزار اہلِ کوفہ نے بیعت کر لی ہے میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جئے کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں آلِ معاویہ (یعنی امیر یزیدؒ سے) ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ ان کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ و فساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی۔

امیر الکوفة النعمان بن بشیر خطب الناس ونهاهم عن الاختلاف والفتنة و امرهم بالائتلاف والسنة وقال لا اقاتل من لا یقاتلنی ولا اخذ کم بالظنة ولکن والله الذی لا اله الا هو لئن فارقتم امامکم نکثتم بیعته لاقاتلنکم مادام فی یدی من سیفی قائمته۔ (ص۱۵۲ ج البدایہ والنہایہ)

امیر کوفہ (حضرت) نعمان بن بشیرؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان کو اختلاف و فتنہ و فساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سُنّت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اُس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا لیکن قسم وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہو گئے اور بیعت ان کی فسخ کرو گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم ہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورتحال پر پوری طرح قابو نہ پا سکے۔ خلیفۂ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے مامور و متعیّن کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر

سپرد کر دی۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد نے بعجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہونچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کر لیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبید اللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے متابعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے مجتمع کیا " یا منصور امت " شعار (WATCH WORD) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے انھیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمٰن بن کریز الکندی علی کندۃ وربیعۃ وعقد لمسلم بن عوسجۃ علی مذحج واسد وعقد لابی ثمامۃ الصیداوی علی تمیم وھمدان وعقد للعباس بن جعدۃ بن ھبیرۃ علی قریش والانصار فتقدموا جمیعاً حتی احاطوا بالقصر واتبعھم ھولاء فی بقیۃ الناس وتحصن عبید اللہ بن زیاد فی القصر مع من حضر مجلسہ فی ذالک الوقت من اشراف اھل الکوفۃ والاعوان والشرط وکانوا مقدار مائتی رجل (ص ۲۵۲ اخبار الطوال)

پس (مسلم نے) عبد الرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ وربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج واسد پر اور ابی ثمامہ صیداوی کو تمیم وہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر متعین کیا اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا ان کے بقیہ لوگ بھی پہونچ گئے عبید اللہ بن زیادہ مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دو سو اشخاص سے زیادہ نہ تھی محصور ہو گئے

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہو کر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:۔

یا اھل الکوفۃ اتقوا اللہ ولا تستعجلوا الفتنۃ ولا تشقوا عصا ھذہ الامۃ ولا توردوا علی انفسکم خیول الشام فقد ذقتموھم وجربتم شوکتھم (ص ۲۵۲ اخبار الطوال)

اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ و فساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس امت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔

ان باتوں کو سن کر اور قوی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سنکر جس میں اطاعتِ امیر کے وجوب اور خروج و بغی کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کیئے گئے تھے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جو لوگ قصرِ امارت کو گھیرے ہوئے تھے ان کے اعزہ واقرباآن آن کر اُن کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ:۔

وتجئی المراۃ الی ابنھا وزوجھا واخیھا فتعلق بہ حتی یرجع۔
(ص ۲۵۲ اخبار الطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہونچیں اور ہٹ جانے کے لئے منتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہو کر بغاوت کی پاداش نیز قصرِ امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی تلوار چلانے کی سزا میں قتل کیئے گئے۔ ان کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی کوئی حکومت یا اس کا عامل ملک کے نظم ونسق کو ہرگز قائم وبرقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کیئے جانے سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند عمر بن سعدؒ امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا میری لاش کی تدفین کرنا اور حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں۔ راستہ ہی سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مورخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کیئے ہیں:۔

ابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصداً من قبلک یعلمہ حالی وماصرت الیہ من غدر ھولاء الذی زعموا انھم شیعتہ واخبرہ بما کان من نکثھم بعد ان بایعنی منھم ثمانیۃ عشر الف رجل لینصرف الی حرم اللہ فیقیم بہ ولا یغتر باھل الکوفۃ (ص ۲۵۳ اخبار الطوال)

حسین بن علیؓ کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو ان سے میرا یہ سب حال بتائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے کو ان کا شیعہ کہتے تھے یہ ان کو یہ بھی اطلاع دے دے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر ان کے لئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا وہ حرم اللہ (مکہ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہلِ کوفہ پر غرہ نہ کریں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

عمر بن سعدؓ نے مسلم بن عقیلؓ کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مؤرخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو مسلم کا پیغام قاصد کے ذریعہ پہونچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کے بجائے عمر بن سعدؓ کو اجازت دی۔

فاجازہ ذالک کلہ (ص۱۵۷ ج البدایہ والنہایہ)، اور کہا کہ اگر حسینؓ یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔

کوفہ کو روانگی

اپنے معتمد نمائندے، مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں۔ حضرت حسینؓ کو کوفیوں کی وفاداری وجاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ وتذبذب باقی نہ رہا۔ عزم سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباسؓ سے اُٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ سامانِ سفر اور اسلحہ کی درستی ہونے لگی۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو انہی ایام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ پہونچا تھا:-

دخلت الحرام فی ایام حج و ذالک فی سنۃ (۶۰) اذ لقیت الحسین بن علیؓ خارجاً من مکۃ معہ اسیافہ واتراسہ فقلت لمن ھذا القطار فقیل للحسین بن علیؓ۔

ص۲۱۸ ج طبری (ص۱۶۷ ج البدایہ والنہایہ)

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور سنہ ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علیؓ کو مکہ کے باہر پایا تلواریں اور ڈھالیں ان کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار اونٹوں کی، کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علیؓ کے ساتھ ہے

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن ان راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مورخین نے نقل کر دیا ہے برخلاف ان کے علامہ ابن کثیر نے سنہ ۶۰ ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ:-

فخرج (الحسینؓ) متوجھا الیھم (اھل الکوفۃ) فی اھل بیتہ وستین شخصاً من اھل الکوفۃ صحبۃ وذالک یوم الاثنین فی

پس (حسینؓ)، اپنے اہل خاندان اور ۶۰ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہونچ جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ

عشر ذی الحجہ۔ کی دسویں تھی۔

معمولی حالات میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابلِ لحاظ نہ ہوتا۔ لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور ان کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد ستّو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ فریضہ حج ترک کرکے مسافتِ بعیدہ پر یکایک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہوسکتا تھا اس لیئے فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کرکے غالی راویوں نے حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرائی ہے۔

سوال فرزدق ـــ ما اعجلک عن الحج؟	ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ آپ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں؟
جواب حسینؓ ـــ لو لم اعجل لاخذت۔	میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔

(۲۱۸ ج ۶ طبری ص ۱۶۷ ج البدایہ والنہایہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابلِ قیاس ہے یا نہیں، اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:۔

اولاً: حضرت حسینؓ اور ان کے اعزّہ اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پر روشن ہے، ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اور اپنی آن پر قائم رہے حتّیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزتِ نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضۂ حج بھی ترک کر دیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا صرف ایک رات ہی تو درمیان تھی۔

ثانیاً: جملہ مورخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکّہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہِ شعبان و رمضان و شوال و ذیقعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام۔ اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعتِ اطاعت کے حلف اٹھاتے رہے۔ ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی باایں ہمہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا نہ خط و کتابت

پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً، حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدحام نہ ہوا تھا۔ شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی عامل مکہ کو حکم بھیج کر بآسانی ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراقِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر و تشدد کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگِ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً۔ جب اِن چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی اِن کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایامِ حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اِس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں، حدودِ حرم کے اندر، جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو۔ حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت و قدرشناسی وابستہ ہوں، کوئی اقدام اِس مقام پر کیا جانا ممکن ہو سکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعتِ ثانیہ تھا۔ زمانۂ اسلام میں تو حدودِ حرم کے بارے میں صریح احکامِ شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمراں یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً و حتماً اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے یہ کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گذار اور طویل سفر کی صعوبتیں اٹھائے بغیر سرزمینِ حجاز ہی میں بہ سہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردارِ خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف خروج کرنا احکامِ شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اِس کا بہترین موقع مکہ معظمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماعِ عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیابان کی تیس منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ ان کے والد اور برادرِ بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابل پذیرائی نہیں - بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب "مقتل حسین بن علیؓ" یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے روانگی کوفہ کی صحیح تاریخ کے تعین کا مزید ثبوت بہم پہونچتا ہے۔

تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے - حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا - ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لئے حضرت علیؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا - کارِ مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلۂ اموال حج کے ایام میں مکہ معظمہ پہونچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری - نیز اسد الغابہ جزو اوّل ص۱۷۶ و مسند امام احمد بن حنبلؒ جزو۵ ص۳۵۸-۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقر خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا اور اہل قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر دمشق، جاکر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال وخلیفۂ وقت کو پیش کر دیتے۔ محاصل و اموال میں یمنی چادریں حلّے و پوشاکیں و دیگر اشیا نفیسہ ہوتیں علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہدِ نبویؐ میں کیا تھا اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلّے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی - دیگر کتب تاریخ و سیر کے علاوہ مورخ مسعودی نے بھی لکھا ہے -

وصار الیہ داعی الی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فی ھٰذہ	اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سردار) ابی نفجی

السنة السید والعاقب، وافدا اھل نجران یکئلانہ الصلح فصالحہا عن اھل نجران علی الفی حلّۃ فی السنۃ وغیر ذٰلک

(ص ۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۹۳ء)

الید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں۔ پس آپ نے ان کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلّے سالانہ کی ادائیگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ بلافصل اور امام اول حضرت ابو بکر الصدیق رض نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا۔ وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق یعنے ان پر جو واجب ہے، ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد ومنافق ابن سبا بھی تھا۔ معاہدہ کے مطابق اموال جزیہ میں حلّے (پوشاکیں)، برد یمانی و دیگر اشیاء نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفہ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف "مقتل حسین بن علی رض" نے بیان کیا ہے اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل را چہ عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ اخبار الطوال، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے را نگریست کہ مبلغ برد یمانی و پارہ ورس و بعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پہ پہنچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ ورس

(واین جملہ را بجیر بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود نزدیک یزید انفاذ داشتہ بود، حسین علیہ السّلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں احمال را ماخوذ برداشت وشتربانان را فرمود اگر خواہید باما سفر عراق میکنید وشتران خود را بہای کری از ما می ستانید و اگر نہ بہای کری تا ایں جا کہ حمل دادہ اید بگیرید وباز شوید جماعتے ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند دگر دہے بہای کری بگرفتند باز شدند۔

(ص۲۰۰ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(خوشبوئیں، اور کچھ نفیس اشیا لئے جا رہا تھا اور ان سب کو بجیر بن یسار حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا حسین علیہ السّلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا۔ ان اموال کو ماخوذ کر لیا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر میں چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لو ورنہ یہاں تک کی بار برداری کا جو کرایہ تمہارا ہوتا ہے وہ لے لو شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے) لہ

مؤرخین میں سے کسی نے بھی ابو مخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و روایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی بے چون و چرا نقل در نقل کرتے کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہِ کوفہ جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں، یمن سے جو قافلہ مکہ سے گذر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔ جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہونچ سکتا

لہ یہ واقعہ امیر المومنین یزید؄ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متعلق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

الّا یہ کہ مکّہ سے چار میل چل کر تنعیم جائے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکّہ آئے پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مؤرخین نے ابو مخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکّہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے یمنی قافلہ نظر پڑا جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہونچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔ مگر ان مؤرخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

ثم انفصل الحسین بن علی من مکة سائراً وقد وصل الی التنعیم لحق عیراً مقبلة من الیمن علیها ورس وحناء[١] ینطلق بہ الی یزید بن معاویة فاخذها وما علیها وقال لاصحاب الابل من احب منکم ان یسیر معنا الی العراق الی آخرہ (ص ٢٤٥ اخبار الطوال)

جب حسین بن علیؓ سفر پر جاتے ہوئے مکّہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے انھیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا۔ جس کے اونٹوں پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ مال یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے اس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا وغیرہ وغیرہ)

ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بنا پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے ان علامۂ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

ان الحسین اقبل حتّٰی مرّ بالتنعیم فلقی بها عیراً قد اقبل بها

جب حسینؓ (سفر عراق) پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ مقام تنعیم پر پہونچے تو ایک قافلہ

---

[١] شاید یہ کتابت کی غلطی اور لفظ "حلل" کی خرابی ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم نے "حلل" (پوشاکیں) کو "حلی" سمجھ کر "زیورات" ترجمہ کیا ہے۔

من الیمن بعث بہا بجیر بن ریسان الحمیری الیٰ یزید بن معاویہ وکان عاملہ علی الیمن وعلیٰ العیر الورس والحلل ینطلق بہا الیٰ یزید بن معاویۃ فاخذھا الحسین فانطلق بہا ثمّ قال لاصحاب الابل لا اکرھکم من احب ان یمضی معنا الی العراق (الیٰ آخرہ) ص۲۱۸ ج طبری۔

ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جسے بجیر بن ریسان حمیری نے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا اور اس قافلہ کے پاس ورس اور حلے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جا رہے تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ کو) ماخوذ کرلیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ دیا جائے گا وغیرہ)

اب ایک اور علّامہ وقت، مؤرخ و محدّث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو جنھوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کردیا ہے اس لئے ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں چنانچہ انھوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے ان کو عامل یمن بجیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر "ورس وحلل کثیرۃ" یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزید بن معاویہؒ کے پاس جا رہا تھا۔ اس کو حضرت حسین نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیھا الی الکوفۃ ودفع علیھم اجرتھم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور ان کی اجرتیں بھی ادا کردیں) یمن کے صدر مقام صنعاء سے مکہ معظمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔

(ص۱۶۶ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

من مکۃ الی صنعاء احدی وعشرون مرحلۃ

مکہ سے صنعا (یمن کا صدر مقام) اکیس منزلوں پر ہے۔

ص۱۰۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۹۰ء)

یعنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظمہ وارد ہوا تو

اہل قافلہ کو جن میں عامل یمن کے فرستادہ اہل کار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بحفاظت خلیفۂ وقت کے پاس لے جا رہے تھے۔ ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافاتِ شہر میں تنعیم کے مقام پر پہونچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول و دستورِ قدیم یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گذرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق میں سے۔ ار تا ۱۱ر ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔

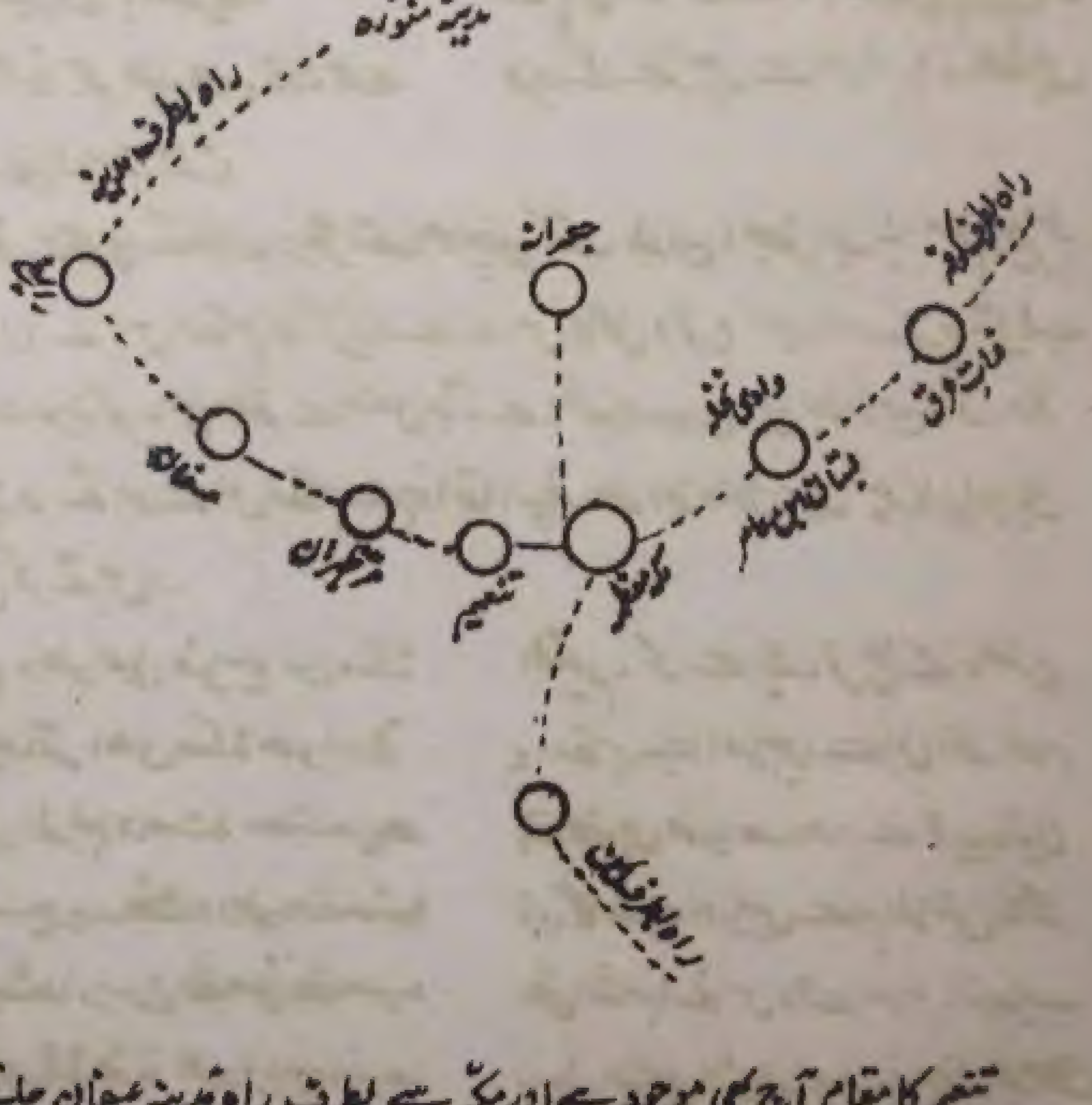

تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عثمان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ صلوٰت اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد بھی مسجد عائشہ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح سے کیا ہے۔

التنعیم ـ موضع بمكة فی الحل و هو بین مكة وسرف علی فرسخین من مكة وقیل اربعة وسمی بذلك لان جبلا عن یمینه یقال له ناعم والوادی نعمان وبالتنعیم مساجد حول مسجد عائشة و سقایا علی طریق المدینة منه یحرم المكیون بالعمرة۔

(صفحہ [illegible] ج ۱ معجم البلدان یاقوت حموی۔ مطبوعہ لیپزک سنہ ۱۸۶۷ء)

تنعیم ـ مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے اترنے کا مقام ہے اور مکہ و سرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہ مدینہ پر ہیں اہل مکہ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مولفین کتب بلدان و جغرافیہ نیز مسلم و غیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے متصل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گذر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام سے ہوا تھا اپنے رحلہ (جزو اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

التنعیم وهو علی فرسخ من مكة ومنه یعتمر اهل مكة وهو ادنی الحل الی الحرام ومنه اعتمرت ام المؤمنین عائشة رضی الله عنها حین بعثها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة فی حجة الوداع مع اخیها عبد الرحمن رضی الله عنه، (ا م ا ۵)

التنعیم ـ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر (مقام) ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حدود حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع میں ان کے بھائی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ

ان لیمرھا من التنعیم وبینیت هنالک مساجد ثلاثة علی الطریق انتسب کلها الی عائشه رضی الله عنها وطریق التنعیم طریق فسیح (الی آخرہ)

(ص۸۴ رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

ادائے حج کے لئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہیں ۔ تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے ۔ (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہلِ مدینہ سیر و تفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں ۔ سر رچرڈ برٹن جنھوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین (مکہ و مدینہ منورہ) کا سفر کر کے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا ۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کو اہلِ مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں ۔ اس کے نواح میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے ۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں ۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پکنک کے لئے جایا کرتے ہیں ۔

(حاشیہ ص۲۴۳ سفرنامہ سر رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگرونج نے اپنی تالیف " مکہ انیسویں صدی میں " تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہلِ مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں ۔ اسی لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں (ص۲۵) زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جا کر کی ہے اور اس سلسلہ میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوفِ طوالت ترک کیا جاتا ہے ۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی پوری تغلیط و تکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسینؓ قبلِ حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہونچے ۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جا رہا تھا ماخوذ کیا ۔

اور شتربانانِ قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مورخین نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکان حج کلیتہً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کترائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہو کر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

خرجنا حاجین من الکوفۃ حتی قدمنا مکۃ فدخلنا یوم الترویۃ فاذا نحن بالحسین وعبد اللہ بن الزبیر۔ انھما مخیا کلامھما دوننا فما زالا یتناجیان حتی سمعنا دعاء الناس رائحین متوجھین الی منیٰ عند الظھر فطاف الحسین بالبیت وبین الصفا والمروۃ وقص شعرہ وحل من عمرۃ ثم توجہ نحو الکوفۃ وتوجھنا نحو الناس۔

(ص ۲۱۷ ج طبری)

(ص ۱۶۶ ج البدایہ والنہایہ)

حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل ہوئے۔ تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہم ان کے قریب پہنچے پر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سنا کہ لوگوں کو منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرے سے محل ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے اور ہم ان لوگوں کی طرف جو منیٰ کو جا رہے تھے)

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرے سے فارغ ہو کر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافتِ بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانبِ شرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہِ کوفہ پر نہیں بلکہ راہِ مدینہ و دمشق پر آتا ہے کیونکر پہونچ گئے اور یمنی قافلہ کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گذرتا۔ دو دن پہلے

ہی کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا ۸ کو تنعیم پہونچنا اور یمنی قافلہ کو اسی دن ماخوذ کرلینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی ۸ کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن ابن کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مورخین اخبار الطوال طبری، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے نیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرون شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ باآسانی ماخوذ کیا جا سکتا تھا۔ فرزدق[۱] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان ہی مورخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا عسفان جانے کا راستہ تنعیم ہی ہو کر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی ان کے پاس "پوشاکیں اور ڈھالیں" تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدودِ حرم) کے درمیان مشاش سے مضافاتِ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔ فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ فرزدق کہتا ہے۔

لقیتُ الحسین بارض الصفاح علیہ الیلامق والدرق۔ (ص۳۶۶ ج۵ معجم البلدان)	ارضِ صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات کی ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں تھیں۔

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] فرزدق بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ کا خراعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل تھا اعان علی قتل عثمانؓ ص۲۱۹ جمہرہ ابن حزم (فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کہ وہ بھی شاعر تھا سبائی پارٹی کے لوگ تھے اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور رخیط بھی اسی قماش کے تھے لبطہ تو ابراہیم بن عبد اللہ المحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا یہ بیٹے غیر معقب ہے۔ فرزدق مقطوع النسل ہے۔

الصفاح: موضع بين حنين و انصاب الحرم على يسرة الداخل الى مكة من مشاش وهناك لقي الفرزدق الحسين۔

صفحہ ۳۶۶ ج ۵ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیبزک سنہ ۱۸۶۷ء)

الصفاح: یہ ایک موضع وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسینؓ سے ہوئی تھی۔

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغۂ جمع آیا ہے اس کا واحد "یلمق" ہے جو ایک دھاریدار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی بمرور ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی۔ شاعر کی مراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغۂ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کے بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہو سکتی ہے۔ جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہ مکہ و مدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جا رہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ (الیلامق) کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۸ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضۂ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوذ کر لیا گیا تھا۔ اور قافلہ کے ساتھ عامل یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں۔

اجتہادی غلطی

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مسلم بن عقیلؒ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہو چکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کر لی ہے اور آل "معاویہ" سے ان کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ موقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہو جاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلہ میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہو گیا آپ کی رائے اور اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محل نظر ہے کہ حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص او بود

آن احمال را ماخوذ داشت" اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں، رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں۔ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں لیکن قرآنِ حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ کو صرف رسالت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ کا تعلق براہِ راست ہر اُمتی سے ہے اور آپ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و ملک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (قرآن الحکیم)

محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (قرآن الحکیم)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے۔

آپؐ کی ذاتِ ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ آپؐ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپؐ سے تعلقِ رشتہ کی بناء پر وہ اُمت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نبیؐ ہیں اور باقی سب اُمتی۔ اُمتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

(سورۃ الحجرات ۱۳)

اے انسانوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قومیں اور قبیلے بنادیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے دریافت کرتے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

کان اللہ تعالیٰ قد حکم بانّ الاکرم ھو الاتقیٰ طوعہ امن تم غیبۃ نفیسۃ۔ (مسند جمہرۃ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ کسی نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ ہے ازداج مطہرات کی حیثیت کا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اسی طرح آپ کی ازداج مطہرات تمام امت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر اُمتی ان کا فرزند ہے یہی ازواج اہلبیت رسول (رسولؐ کی اہل خانہ والیہ) ہیں ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ازواج صلوٰت اللہ وسلام علیہم سب سے بالا ہیں اور سب اُمتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں یعنی ابوت وامومۃ کا

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ (سورۃ الاحزاب)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حقوق و فرائض میں ہر اُمتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے جن کی پاسداری آپؐ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ کو چونکہ اس اَمر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بر در ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جا سکے گا۔ اس لئے آپؐ نے خاص اہتمام رکھا کہ بجز سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپ کے خاندان کا امت پر مسلط نہ ہونے پائے۔

عہد نبویؐ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومت اسلامیہ کا کوئی اونچے ترین عہدہ بھی آپ نے خاندان نبوت (بنو عبد المطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔ آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، آپؐ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ، حضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں

لیا جا سکتا جسے آپ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ ۲۸ مرتبہ آپ غزوات کے سلسلے میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائبین کا تعین کیا۔ ان نائبین کی فہرست میں اموی وکلبی وانصاری وغفاری و مخذومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی و ہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا۔

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوۂ نبی صلعم	تعداد و نیابت
۱	عثمان بن عفان اُموی رض	۲
۲	زید بن حارثہ کلبی رض	۲
۳	ابو سلمہ عبد الاسد مخذومی رض	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاری رض	۳
۵	سعد بن معاذ " رض	۱
۶	سعد بن عبادہ " رض	۱
۷	عبد اللہ بن رواحہ " رض	۱
۸	سباع بن عرفطہ رض	۳
۹	ابارہم بن غفاری رض	۴
۱۰	عمرو بن قیس (ابن ام مکتوم) رض	۹
		۲۸

آپ کا آخری غزوہ تبوک تھا۔ جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرون حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابو بکر الصدیق رض کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن ام مکتوم رض کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رض کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لئے حضرت علی رض کو متعین کیا مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی خود شامل نہ تھا ان کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔ اقوام عالم کا شعار ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام

کے صدقات کو اپنا "حق" سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصوّر کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمد میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصّہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقاتِ جاریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن خزانۂ عامرہ کی کوئی مد اُن کے لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غربار اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں ان کا حصّہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہا کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ اُمّت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصّہ غنیمت اور فے میں متعیّن کیا گیا تھا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد جس طرح آپؐ کا حصّہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفاء) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصّہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہدِ راشدین سے لے کر اُموی اور عبّاسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مالِ غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حلیف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو جو مال و زر پیش کرتی تھیں اِن سب کی مقدار ضروریاتِ عامّہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ان کے نقیبوںؑ کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح اِن رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اِس پر عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اِس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرزِ عمل کسی درجے میں بھی مستبدانہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصّہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اسے اپنا ایسا حق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ مثلاً برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیازِ پست و بالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کا یہ عمل کہ آپؐ نے سیاسیاتِ اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے متولی ہونے کا سدِّ باب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت پکڑ

لہ خلافتِ ہاشمیہ عبّاسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے کو اس نام سے موسوم کر کے جلبِ منفعت کے کاروبار میں لگ گئے۔

سکیں۔ نیز یہ کہ آپؐ نے بطور طبقہ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر اِن کا کوئی حق نہیں رکھا یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپؐ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیّین ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اخوّت کے داعی کی حیثیت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو روئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں پہنچائی جاسکتی کہ آپؐ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپؐ کے رشتہ داروں کو امّت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو "رتق وفتق امورِ مسلمانان کے لئے خدائے تعالےٰ کی جانب سے خاص حق ملا ہوا تھا"۔ حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہوسکتا تھا کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا۔ لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اِس اجتہاد وطرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عاملِ مکّہ کی کارروائی سے واضح ہوجاتا ہے۔

عاملِ مکّہ اقدامِ مزاحمت

مورخین نے ابو مخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکّہ سے جب حضرت حسینؓ سفرِ کوفہ پر روانہ ہوگئے عاملِ مکّہ نے انھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی اِن کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے اِن لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابو مخنف کی یہ ہے۔

لما خرج الحسين من مكة اعترضه رسل عمرو بن سعيد۔ نائب مكة عليهم اخوه يحيىٰ بن سعيد فقالوا له انصرف اين تريد؟ فابى عليهم ومضى وتدافع الفريقان واضطربوا بالسياط والعصى ثم ان حسينا واصحابه امتنعوا امتناعا قويا ومضى الحسين على وجهه ذٰلك فنادوه يا حسين الا تتقي الله! تخرج من الجماعة وتفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة

(صفحہ ۱۶۶ ج ۸ البدایہ والنہایہ۔ صفحہ ۲۱۸ ج ۶ طبری)

جب حضرت حسینؓ مکہ سے سفر کوفہ پر روانہ ہوگئے عمرو بن سعیدؓ عاملِ مکّہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے کچھ آدمی ان کے پیچھے بھیجے تاکہ ان کو سفر سے روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہنچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جارہے ہو مگر انھوں نے اس سے انکار کیا اور چلے گئے فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مارپیٹ بھی ہوئی

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے
شدید مقاومت کی اور حسینؓ بیابیں ہمعد عمر
جارہے تھے چلے گئے ان لوگوں نے ان سے پکار کر کہا۔
اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جماعت
سے نکلے جا رہے ہو اور امت جب ایک بات
پر متفق ہو چکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔

عامل مکہ عمرو بن سعیدؓ کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دوران حکومت

سلہ عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ حضرت حسینؓ اور ابن الزبیر کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے بعد میں مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا وہ پشتینی عامل تھے بنی امیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف دامتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں ان میں متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض نے حبشہ کو ہجرت بھی کی۔ عمرو بن سعید کے تین چچوں کو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم ابن سعید بن العاص بن اُمیہ کو جن کا نام آپؐ نے عبداللہؓ رکھا قریٰ عربیہ کا۔ ان کے بھائی خالد بن سعید کو صنعا کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن سعید بن العاص بن اُمیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دھاریدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں ان کے نام کی مناسبت سے "سعیدیا" پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم سخی اور خطیب شخص تھے ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدّث اور صاحبِ تصانیف ہوئے۔ خود سیّدنا سعید بن العاص اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کی

کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آجا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکایک اور بالخصوص اس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عامل مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیارات تمیزی میں داخل ہو۔ ابو مخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا یہ تھا یہ ہو سکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعت اطاعت و خلافت کرنے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت و خلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور علانیہ حصہ لینے کا جواز حاصل ہو گیا۔ لیکن عمال خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابر صحابہ و تابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفۂ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے جب تک کہ خود ان ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آجائے چنانچہ بلاذری نے عامل مدینہ کے یہ فقرے نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

لیت حلمنا عنک لا یدعو جهل غیرنا الیک فجنایة لسانک مغفورة لک ما سکنت یدک فلا تخطر بها مخطر تلک۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں کو جہالت پر آمادہ کر دے پس آپ کی زبان کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب تک آپ کا ہاتھ رکا ہے اس لئے آپ اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں نہ ڈالئے۔

تعلیں بلاد اسلامیہ کے لئے تیار کرائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کر دیں۔ اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

یہ بیان بھی اِن ہی راویوں کا ہے کہ عامِلِ مکّہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کر کے اِن کے پاس پہونچے۔ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اس وقت تقریباً ۵۰ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے ان کو اور حضرت ابنِ زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

فلحقہ علی مسیرۃ ثلاث لیال۔ (حضرت ابنِ عمرؓ) تین راتوں کی مسافت

(ص۱۶۰ ج البدایہ والنہایۃ) طے کر کے انکے (حسینؓ کے) پاس پہونچے۔

اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کر کہ آپؐ کو دنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپؐ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ اُن کی ذریت میں ہو دنیاوی حکومت و خلافت کی طلب سے علیحدہ رہو۔ یہ تم کو حاصل نہ ہوگی انک بضعۃ منہ ولا تنالھا۔ یعنی الدنیا (ص۱۶۳ ایضاً)

حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی یہ کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص۱۱ جمہرۃ الانساب) ان کے سترہ بیٹے تھے بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ الطالب)، مؤلف عمدۃ الطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ ان کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص۱۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم (ص۲۱ عمدۃ الطالب)

یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے

کہ جعفرؓ بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس الخثعمیہ سے آٹھ بیٹے تھے یعنی عبداللہ، عون و محمد الاکبر و محمد الاصغر و حمید و حسین و عبدالاصغر و عبداللہ الاکبر (ص۲۰) یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمها الحسین علیہ السّلام یوم الطف۔	لیکن عون اور محمد الاصغر یہ دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السّلام کے ساتھ یوم طف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔

(صلا عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

مطبوعہ لکھنؤ)

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر وعون الاکبر وعباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (ص۶۹ جمہرۃ ابن حزم) بہرحال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد قتیل کربلا حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ جمانہ بنت المسیب الفراریہ کے بطن سے تھے اور ان کے سوتیلے بھائی محمدؒ مقتول کربلا کی والدہ الخوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۹۰ مطبوعہ مصر)

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ[1] جب اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا

---

[1] حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب اُن کے والدین مبتلائے بعثتِ نبئ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے ان کے والدِ ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندانِ رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے نوجوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی

نہ چاہتی تھیں جدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی ان کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں ان کا بھیجا جانا حسینی قافلہ کی شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کے لیے فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبداللہ ابن جعفرؓ کے بھائی تھے اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؑ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ان کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابومخنف نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادر نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

٭ پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہد نبوی صلعم میں عرب کے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا حضرت اصحمہ نجاشی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان کے بھی ایک بیٹا اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبداللہ تولد ہوئے تھے اس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبداللہ اور ان کے دوسرے بھائی آنحضرت صلعم کے ظلِ عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے آپ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا انا لھم عوضاً من ابیھم یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں حضرت عبداللہ جعفرؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سن تمیز میں شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینب کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مصر ہوئیں طلاق دیدی تھی

انھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے لئے بھیجی تھی اس میں لکھا تھا۔

ان هلکت الیوم طفی نور اسلام فانك علم المهتدین ورجاء المومنین۔

اگر تم یوں ہلاک ہو گئے تو نور اسلام جاتا رہے گا۔ کیونکہ تم اہلِ ہدایت کے رہنما ہو اور اہلِ ایمان کا سہارا ہو۔

(ص۱۹۱ ج البدایہ والنہایہ و ص۲۱۹ ج طبری)

طبری نے "نور اسلام" کے بجائے "نور الارض" کے الفاظ رکھے ہیں بہر کیف "نور الاسلام" کے لفظ ہوں یا "نور الارض" کے یہ نعرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نور ہو یا دنیا کا کسی فانی انسان کی موت و زیست پر نہ نورِ اسلام کا مدار ہے نہ نورِ ارض کا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے نورِ اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دارِ فانی سے گذر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نورِ ارض کی درخشانی میں سرورِ عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے زیادہ اور کون دن مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا ہو سکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں ابنِ جعفرؓ کا اپنی آنکھوں کا دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں انھوں نے بعد رسول صلعم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر الصدیقؓ صفی النبی صلعم کے منہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سُنے تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّہٗ مَن کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو پوجتا ہے تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد صدیقِ اکبرؓ کا قرآن مجید کی اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا۔ دیگر صحابہ کی طرح جو یہاں موجود تھے ابن جعفرؓ کو بھی یاد رہا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ

اور محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ۔

کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچائے گا۔ اور اللہ شکر گذاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے۔ سن و سال میں حضرت ابن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی[1]

ادرك الحسين من حياة النبي صلى الله عليه وسلم خمس سنين او نحوها۔ (ص۱۵۰ ج البدایہ والنہایۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

اتنی چھوٹی عمر سن تمیز کی نہیں ہوتی، بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روى صالح بن احمد بن حنبل عن ابيه انه قال في الحسن بن علي انه تابعي ثقة وهذا غريب فلأن يقول في الحسين انه تابعي بطريق الاولى۔

(ص۱۵۰ ج البدایہ والنہایۃ)

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

---

[1] ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص۱۶۹) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب ۶ھ میں ہوئی تو یہ ۷ھ میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اس وقت تین چار سال کی ہوگی۔

ان تمام حالات کے پیشِ نظر یہ کیسے باور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابنِ جعفرؓ نے اپنے ایک خورد کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ساختگی ہے ان ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے قطعاً بعید ہیں۔
قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت ابنِ عمرؓ اور فرزندان ابنِ جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ر ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ر ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا ورنہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضۂ حج ترک کر کے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابلِ پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کر لیں یعنی پہلی منزل بُستانِ ابنِ عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جا کر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:۔

واقبل الحسین مُغِذّاً لا یلوی علی شیٔ حتی نزل ذات عرق (صـ۲۱۹ جـ۶ طبری)	اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شئے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا یہاں تک منزلیں چھوڑتے ہوئے ذاتِ عرق جا کر اترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن ایک ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دو سو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو یا خاص حالات میں ڈھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو ۴۵ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کر لینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور اطفال بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔
کوفہ جاتے ہوئے جیسا آگے تفصیلی بیان آتا ہے پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸۔ انگریزی میل کے فاصلہ پر بستانِ ابنِ عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶۔ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۶ عربی اور ۵۴۔ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون ساخطرہ درپیش تھا کہ ۵۴۔ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ کسی شئے کی طرف

مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے" بالفاظِ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلا توقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لئے یا کھانا کھانے اور نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اترا۔ عاملِ مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرام لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف وہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

یزید بن معاویہ سی تن از شیطاطین بنی امیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسین رض را ماخوذ دارند اگر نتوانند مقتول سازند چون حسین رض برگیدت اور عالم بود ناچار سفرِ عراق را تصمیم عزم داد۔
(ص۱۴۰ جلد ۶۔ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسین رض کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسین رض چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انھوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت حسین رض کے سفرِ عراق کی یہ وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور ان کے ساتھ کوئی ساتھیوں نیز ان کے بعض اہلِ خاندان کی دلیری اور شجاعت و شہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ "تیس شیاطین بنی امیہ" کے خوف سے سفرِ عراق کا عزم صمیم کر لیا اور فریضۂ حج بھی ترک کر کے سفر کوفہ پر روانہ ہو گئے" راویوں نے جس مقصد کے پیش نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے۔ وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ہے یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہونچا دینا جو بُعدِ مسافت و تعدادِ منازل و مراحل راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا جیسا ذیل کی تفاصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اِس راستہ طریق الاعظم سے جو حسینی قافلہ

نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہِ العذیب و قصرِ مقاتل اختیار کیا تھا آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کاروانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گذارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے مستند کتب بلدان و جغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم و جدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل ہیں کہاں فرودگاہیں، کہاں کنویں اور حوض و تالاب ہیں؟ پانی ان کا وافر اور شیریں و لطیف ہے یا نہیں کس کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ خورد و نوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ

مکّہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۲۴ عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تمیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اموی سے منسوب کرتے ہیں۔ (صہ۵ فتوح البلدان بلاذری) یہاں سے ایک راستہ صنعاً (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق ۲۲ عربی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔ معدنِ نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین میل پہلے ہی حسبِ روایت جناب ابوجعفر محمد الباقر حضرت حسین ؑ نے کوفیوں کی غداری کا حال سُن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصرِ مقاتل و قریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکّہ مکرمہ سے براہ قادسیہ کربلا تک پہونچنے کے لئے تین دو میانی

منزلیں طے کرنا لازم ولابد تھیں۔ اکتیسویں منزل پیش آمدہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ارض الطّف کے قریہ العقر کے مضافاتی و متصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکورہ کی فصل غلہ پچھوڑنے یا بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلّف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبد اللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں "منقاةٌ من الحصی والدّغل" یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکار سے صاف تھا۔ راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بُستان ابنِ عامر کا نام ترک کرکے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا اس کے بعد اکٹھی نو منزلیں ترک کرکے زرود (الخزیمیہ) اور ثعلبیہ کا (قس علیٰ ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دوسری محرّم ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظّمہ سے تقریباً ساڑھے نوسو انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے آٹھ دن پہلے ہی پہونچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط و تردید ہو جاتی ہے بہر حال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار و اخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردۂ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں

ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور ان کے فاصلے باعتبار عربی میل اس تفریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلا ناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اس کا گذر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہونچا یا پہونچ سکتا تھا۔

اِن تمام منزلوں کے نام اور فاصلے جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتبِ بلدان و جغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کرکے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی ۲۹۲ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل ۱۸۹۲ء (ص ۹۰-۹۶) میں المنازل من الکوفۃ الی المدینۃ و مکۃ کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ و مکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور ان کے فاصلے دوسری کتبِ بلدان و جغرافیہ میں بھی اسی سلسلے سے پائی

جاتی ہیں مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حُرِیاجی کو اپنا جدِ اعلیٰ بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہتہ القلوب میں جو ۷۴۰ھ میں تالیف کی۔ اس کا مقالہ سیوم جغرافیہ عالم کے بیان میں ہے اس میں بعنوان "درصفت بلدان و ولایات و بقاع" یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد وکوفہ ونجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ اِن سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے مثلاً کتاب الخراج وصنعتہ الکتابت کے مؤلف الفرج قدامہ[۱] بن جعفر نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اِس مؤلف کا زمانہ نزہتہ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے اِس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیّاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے اِن منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے اِن منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدّت میں اِس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں اِن منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد قدیم وجدید تالیفات میں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اِس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہو گئی ہے مثلاً انقاع کو حرف "گ" سے الگا کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہ نے یہاں حوض وغیرہ تعمیر کرائے تھے کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کرکے اِن منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

---

[۱] ابوالفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے امیر المومنین المکتفی باللہ عباسیؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے مدینۃ السلام بغداد سے اطراف و اکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے اُن سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے: منزل	فاصلہ	تاریخ آمد روانگی قافلہ: آمد	روانگی	راویوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۱	مکہ معظمہ	۰	۰	۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ		
۲	بستان ابن عامر	۲۴ عربی میل	۱۰ر	۱۱ر ״	x	
۳	ذاتِ عرق	۲۲ ״	۱۱ر	۱۲ر ״	ذاتِ عرق	
۴	الغمرہ	۲۶ ״	۱۲ر	۱۳ر ״	x	
۵	المسلح	۱۸ ״	۱۳ر	۱۴ر ״	x	
۶	افیعیہ	۳۴ ״	۱۴ر	۱۵ر ״		
۷	النمن	۳۲ ״	۱۵ر	۱۶ر ״		
۸	سلیلہ	۲۱ ״	۱۶ر	۱۷ر ״	x	
۹	معدن بنی سلیم	۲۶ ״	۱۷ر	۱۸ر ״	x	
۱۰	ربذہ	۲۴ ״	۱۸ر	۱۹ر ״	x	
۱۱	مغیثۃ الماوان	۲۴ ״	۱۹ر	۲۰ر ״	x	
۱۲	معدن نقرہ	۳۳ ״	۲۰ر	۲۱ر ״	x	
۱۳	الحاجر	۳۴ ״	۲۱ر	۲۲ر ״	الحاجر	
۱۴	سمیراء	۳۴ ״	۲۲ر	۲۳ر ״	x	
۱۵	توز	۲۰ ״	۲۳ر	۲۴ر ״	x	
۱۶	فید	۳۱ ״	۲۴ر	۲۵ر ״	x	
۱۷	الاجفر	۳۳ ״	۲۵ر	۲۶ر ״	x	
۱۸	الخزیمیہ (زرود)	۲۴ر ״	۲۶ر	۲۷ر ״	زرود	پہلے الخزیمیہ کا نام زرود تھا
۱۹	ثعلبیہ	۳۳ ״	۲۷ر	۲۸ر ״	ثعلبیہ	
۲۰	قبر العبادی	۲۹ ״	۲۸ر	۲۹ر ״	x	اس کو بطان بھی کہتے ہیں
۲۱	الشقوق	۲۹ ״	۲۹ر	یکم محرم ۶۱ھ	x	
۲۲	زبالہ	۲۱ ״	یکم محرم	۲ر ״	زبالہ	

نمبر شمار	منزل	فاصلہ	آمد	روانگی	بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۲۳	القاع	۲۴ عربی میل	۲ر محرم	۳ر محرم	×	
۲۴	عقبہ	۲۴ "	۳ر "	۴ر "	×	عقبۃ الشیطان کہلاتا تھا اب فتنوں میں ہے۔
۲۵	واقصہ	۲۴ "	۴ر "	۵ر "	شراف	واقصہ سے چند میل کے فاصلہ پر شراف ہے۔
۲۶	القرعا	۲۴ "	۵ر "	۶ر "	×	
۲۷	المغیثہ	۳۲ "	۶ر "	۷ر "	×	
۲۸	قرب قادسیہ براہ العذیب اور واپسی	۳۴ "	۷ر "	۸ر "	قادسیہ	
۲۹	ذو حسم		۸ر "	۹ر "	×	
۳۰	قصر مقاتل	۵۴ "	۹ر "	۱۰ر "	×	
۳۱	کربلا		۱۰ر "	-	×	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ــــــــــــ ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ــــــــــــ ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ الیف برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطاروں میں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[۱] ہوتی ہے ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑسکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔"

(حاشیہ صـ۲۴۴ ج ۲ سفرنامہ برٹن)

۱؎ ایک جغرافیائی میل = خط استوا پر طول البلد کا ایک دقیقہ = تقریباً ۶۹/۶۰ تا ۳۳/۳۰ انگریزی میل۔

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتنونی مؤلف "رحلۃ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے خدیو مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیر سرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین و حسن طباعت و نقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعۃ الواحدۃ اربعۃ کیلو مترات ص ۳۷	ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر کی مسافت، ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔

ایک کیلومیٹر ⅝ میل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنے ۲½ میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی علاقہ۔ ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر ہی پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد و بُعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا۔ اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہوں گی، سفر جتنا طویل ہوگا۔ سامانِ قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے۔ خواتین و اطفال کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے اِن سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے تقریباً ساڑھے نوسو انگریزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کے اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدّتِ سفر ضرور ہونی چاہیئے اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات سے ہے غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہونچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

واقعات دورانِ سفر

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مورخین اخبار الطوال و طبری و ابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؑ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہونچے بالفاظ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۲۰ عربی میل کا فاصلہ طے کرکے جب اس منزل پر پہونچے انھوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہل کوفہ کو بھیجی :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

من الحسین بن علی الی اخوانہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

من المؤمنين والمسلمين سلام عليكم۔ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ اما بعد۔ فان کتاب مسلم بن عقیل جاءنی یخبرنی فیہ بحسن رأیکم واجتماع ملئکم علی نصرنا والطلب بحقنا فسألت اللہ ان یحسن لنا الصنع وان یثیبکم علی ذالک الاجر وقد شخصت الیکم من مکۃ یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ فاذا قدم علیکم رسولی فاکمشوا امرکم وجدوا فانی قادم علیکم فی ایامی ھذہ ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(صـ ۲۲۳ جـ ۲ طبری) و
(صـ ۱۶۸ جـ ۸ البدایہ والنہایہ)

مومنین و مسلمین کے نام سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق[۱] کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم لوگوں کو اس پر اجرِ عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کے لئے مکہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یومِ ترویہ کو روانہ ہوا ہوں جب میرا قاصد تمہارے پاس پہونچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جد و جہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہونچ جاؤنگا انشاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ رذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ رذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا نہیں اتوار کا دن تھا۔ یعنی یکشنبہ کون صحیح العقل باور کر سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ جن کی مدد سے سنہ ہجری سے

---

[۱] یہ طلبِ حق "طلبِ خلافت" ہی تو تھا۔ جس کسی نے یہ مکتوب وضع کیا ہے وہ بھی اس سفر کے مقصد کو طلبِ خلافت و حکومت ہی جانتا تھا سچ ہے حق بر زبانِ جاری۔

موجودہ سال ہجری تک کی اِس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون دن تھا۔ اِس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔ ابو مخنف کی اِس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برآمد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ رذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل ہی قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ رذی الحجہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۰ھ کے ماہِ ذی الحجہ کے عشرۂ اوّل میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہٰذا یوم روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور اِن کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا۔ دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضۂ حج روانہ ہوئے اور تیئیس منزلوں کی مسافتِ بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہونچ یا پہونچ سکتے تھے اِس سے پہلے نہیں۔ ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ رذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر منع آب اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو بیچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے اِس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اوّل تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا اس کے بعد تیئیس منزلوں کے ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ یا رہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی گئی یعنی بجائے ۹ رکے ۸ رذی الحجہ یوم ترویہ، جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضۂ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا ازالۂ اشتباہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اِس کی بھی تصدیق کرائی جائے چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مورخین نے روایت پرستی کی بنا پر اسے اپنی کتابوں میں من وعن

نقل کردیا یہ تو سب کچھ ہوا مگر "یوم الثلاثا لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویہ"
(یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یوم ترویہ تھا) ان تشریحی الفاظ نے راویوں
کی اس غلط بیانی کو بالآخر روز روشن کی طرح آشکارا کردیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا
۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار کا تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا
نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب
متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس طرح
کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور جنتریاں موجود
ہیں اور بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جاسکتا ہے
کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابو مخنف کی اسی
قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا
جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کرسکتا ہے۔

ابو مخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب حضرت حسین رضہ
کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کو کوفہ پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں مقام
قادسیہ پر گرفتار کرکے گورنر کوفہ کے پاس بھیجدیا گیا جس نے انھیں (اعانت جرم کی
پاداش میں) مروا ڈالا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہونچ سکا اور نہ
کوفیوں میں سے کسی اور کے پاس اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمال
حکومت کے قبضے میں آگیا ہوگا۔ کوفیوں کے پاس تو پہونچنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔
قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستر اسّی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی
ہوجانے کے بعد ابو مخنف کو کیسے دستیاب ہوگیا مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے
پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من الحسین بن علیؓ الی
اخوانہ من المؤمنین والمسلمین سلام علیکم" سے لے کر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تک
بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کردیا۔

ابو مخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسین رضہ کے برادر رضاعی عبداللہ بن یقطر
کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس
نہیں بلکہ عبداللہ ہی گرفتار ہوکر گورنر کوفہ کے پاس بھیجدیئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے

مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

عبد اللہ بن یقطر مکتوب حسینؑ را بر آورد و پارہ پارہ کرد و چناں ہبا ساخت کہ از اں بہرہ نتوانست یافت۔ (ص۲۱۳ ج ۶ از کتاب دوم)

عبد اللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو (اپنی جیب سے) نکال کر پارہ پارہ کر دیا اور ایسا چور چور کر دیا کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کر دیا جواباً کہا:۔

از بہر آنکہ تو اندانی در آں چہ نگاشتہ اند (ص۲۱۴ ایضاً)

اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر کیا تھا۔

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دمِ زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزدق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاعات مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہونچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمالِ حکومت کے ہاتھوں نہ پڑ جائے اور اگر بفرضِ محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں مکہ سے اپنی روانگی کی یہ غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ انھوں نے ایسا خط بھیجا یہ ساختگی ان ہی راویوں کی ہے۔ کیونکہ انہی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر سے کرادی جائے وہ اس طرح پوری کرلی گئی مگر یوم الثلاثہ" (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس

ساختگی کو عرصۂ بعید و مدتِ مدید کے بعد بھی آشکار اکر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

اِن راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کرکے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا قیاس بھی اِسی سے بآسانی کیا جا سکتا ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اِن مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں۔ تاہم چند امور مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد، برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار

مورخین کا بیان ہے کہ مسلم کے قتل ہو جانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:۔

واتصل بہ خبر قتل مسلم بن عقیل فی الطریق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذٰلک۔

(ص۱۹۱ عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر جب راستہ میں ملی انھوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول ہو جانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لاخیر فی العیش بعد ھما (ص۱۶۸ ج البدایہ والنہایۃ) یعنی اِن لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوشِ انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مورخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال لہ (ای الحسین) بنو عقیل لا نرجع واللہ ابداً او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا۔

(ص۱۱ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوشِ انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اِس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے توحجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابنِ عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون بھی معاف کر کے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مورخین نے بالصراحت بیان کیا ہے۔ کہ دو اسدیوں نے مسلمؓ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیشِ نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر وشیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے لیس لک بالکوفۃ ناصرؒ ولا شیعۃ

(ص۲۲۵ ج۶ طبری)

یہ سنتے ہی برادرانِ مسلم جوشِ انتقام میں اُٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذلک بنو عقیل بن ابی طالب (ص۲۲۵ ایضاً) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اِس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے وقد خذ لتنا شیعتنا (ص۲۲۶ ج۶ طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ حزینہ ہی پیش نہ آتا۔ صاحبِ ناسخ التواریخ لکھتا ہے۔

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد وفرمود مسلم راکشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چندکہ توانیم درطلبِ خون او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود ازپس ایشان مرا آسانی در زندگانی نیست۔	حضرت حسینؓ نے فرزندانِ عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم اُن کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کرلیں گے جو انھوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔
(ص۲۱۹ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ) (مطبوعہ ایران)	

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابو مخنف، طبری اور البدایہ والنہایۃ میں بھی ہے۔ اخبار الطوال نے جو اِن سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن اشعثؒ اور عمر بن سعدؒ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے

کے بعد ہی پہونچ گیا تھا جنھوں نے قتل مسلمؒ کی خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؒ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غدّاری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں:۔

فقال بنو عقیل وکانوا معہ مالنا فی العیش بعد اخینا مسلم حاجۃ ولسنا براجعین حتّی نموت فقال الحسین فما خیرٌ فی العیش بعد ھؤلاء وسار فلما وافی زبالۃ وافاہ رسول محمد بن الاشعث وعمر بن سعد بما کان سألہ مسلم ان یکتب بہ من امرہ وخذلان اہل الکوفۃ ایاہ بعد ان بایعوہ۔

(صفحہ ۲۳۱ اخبار الطوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو ان کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہ لوٹیں گے حتّی کہ اپنی جانیں دیدیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہونچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہو جانے سے پہلے) ان لوگوں سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہلِ کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کر کے غدّاری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہلِ خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی بن الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنے۔

ان بنی عقیل قالوا والله لا نبرح[1] حتی ندرک ثارنا او نذوق ما ذاق اخونا (ص ۲۲۵ ج ۶ طبری) و (ص ۱۶۹ ج البدایہ والنہایہ)

فرزندانِ عقیلؓ نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم کی ضد تو جذبۂ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسینؓ کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہونچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ ساتھ آرہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے ۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فقال لہ بعض اصحابہ انک واللہ ما انت مثل مسلم بن عقیل ولو قدمت الکوفۃ لکان الناس اسرع الیک (ص ۲۲۵ ج طبری)

ان سے (حسینؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کہاں آپ کہاں مسلم ۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں ۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا "حق" لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے ۔ مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو پھر ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے ۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دَوڑ پڑیں گے ۔ حصولِ مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پا لیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ

---

[1] طبری کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکّہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ یہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر انھیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مورّخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؑ لعیت عبداللہ (ابن الزبیرؓ) مکّہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہو گئے تو ان کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر قیادت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیں گے، اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کرلیں گے۔ کوفہ سے قاصد پر قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اُس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؑ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؑ نے حبِ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قضا کے سامنے بالآخر انھوں نے سر جھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ (قتل مسلم کے) مصیبت خیز حادثہ کی خبریں حسینؑ کو اس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے۔ ان کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر ان کے اہلِ خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے ان کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کو یقین تھا کہ

پھاٹک پر جا موجود ہوں گے اہلِ شہر ان کے مقصد کی خاطر ہتھیار سنبھال لیں گے"

(صفحہ ۱۲۶ تاریخ مسلمانانِ اسپین - مؤلفہ رینہارٹ ڈوزی
مترجمہ فرانسس گریفن - مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

نئے گورنر کوفہ کو احکام وہدایات

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے وہ ادھر کا رخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے عبید اللہ بن زیاد عاملِ بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ انھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجدِ کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں :-

اما بعد۔ فان امیر المؤمنین اصلحه الله ولانی مصرکم وثغرکم وامرنی بانصاف مظلومکم واعطاء محرومکم وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم وبالشدة علی مریبکم وعاصیکم وانا متبع فیکم امرہ ومنفذ فیکم عهدہ فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البرّ وسوطی وسیفی علیٰ من ترک امری وخالف عهدی فلیبق امرؤ علیٰ نفسه الصدق ینبئ عنک لا الوعید (ص ۳۰۱ ج ۶ طبری)

(حمد وثنا کے بعد کہا) امیر المؤمنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کرے۔ تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سُنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں ان کے فرمان کو نافذ کروں گا تم میں سے جو اچھے کردار والا اور مطیع ہے میں اس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجا لائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات جیسے سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ

چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا
(یعنی جو کہا ہے وہ میں کرگذروں گا اور تم
دیکھ لوگے)

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے اِن تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصّہ لینے کا شبہ تھا، سردارانِ قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ اِن تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہوگیا۔ مؤرخین نے امیر المومنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارات میں قطع بُرید نہیں کی گئی تو وہ فرمان یہ تھا۔

قد بلغنی ان الحسین قد توجه الی نحو العراق فضع للمناظر والمسالح واحترس وجبس علی الظنة وخذ علی التهمة غیر ان لا تقتل الا من قاتلک واکتب الیّ فی کل ما یحدث من خبر۔ والسّلام۔
(ص۲۱۵ ج طبری) و
(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایۃ)

مجھے اطلاع پہونچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو انھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو انھیں گرفتار کرلو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔
والسّلام

مضمون فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ ردّوبدل بھی کیا گیا ہو بالخصوص ابومخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کریگا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمراں اپنی مملکت میں بہبودِ عامہ کی خاطر امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظِ ماتقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو با الفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ وجدال میں سبقت یا پہل نہ کرے۔ دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ "غیر ان لا تقتل الّا من قاتلک" سے اِن تمام وضعی و مکذوبہ روایتوں کی تردید ہوجاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان

کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائدِ ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کر کے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں مورخین نے حضرت مروانؒ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد ابنِ زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

کتب مروان الی ابن زیاد: اما بعد - فان الحسین بن علی بن فاطمہ توجہ الیک وفاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتاللہ ما احدٌ یسلمہ اللہ احب الینا من الحسین فایاک ان تہیج علی نفسک ما لا یسدہ شیئ ولا تنساہ العامۃ ولا تدع ذکرہ آخر الدھر - والسلام

(ص ۱۶۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ ص ۲۱۲ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروانؒ نے ابنِ زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد۔ تمہیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمہاری طرف آ رہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خدا کی قسم حسینؓ سے زیادہ (خدا ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ و غضب میں ایسا کوئی فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام اُمّت فراموش نہ کرے اور رہتی دنیا تک ذکر نہ بھولیں۔ والسلام

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؒ کو کیسی الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروانؒ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عاملِ مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو ان کی گردن اڑا دو۔ ان کی الفت و محبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؒ نے ان کو دیا تھا

ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت مروان رض کے اس خط کو امیر المومنین یزید رح کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابو سفیان رض سے منسوب کر دیا ہے۔ حضرت مروان رض کی اولاد و احفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علی رض و حسن رض و حسین رض کی اولاد سے ہوتی رہیں جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت و مودت کا نہ کہ عناد و مخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا

بعض ثقہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا۔ حضرت حسین رض نے امیر المومنین یزید رح کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں۔

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذالک[1] فسار حتی قارب الکوفۃ فلقیہ الحر بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد ادخالہ الکوفۃ فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ رض فلما صار الی کربلاء فمنعوہ عن المسیر واراد علی دخول الکوفۃ والنزول علی حکم عبید اللہ بن زیاد فامتنع واختار المضی نحو یزید بالشام۔

(ص ۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ مطبوعہ لکھنو۔ طبع اول)

(مسلم کے قتل کی خبر سنکر حسین رض نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندان عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہونچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے چلنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہ رض کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہونچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ نے جانے اور عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور

---

[1] بعض کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔

یزیدؒ کے پاس ملک شام چلا جانا پسند کیا

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

اذا خرجت من القادسیہ تریدل الشام ومنہ الی قصر مقاتل ثم القریات ثم السماوۃ (صفحہ ۱۲۵ ج ۷ مطبوعہ لیبزک ۱۸۶۷ء)

جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کیجیے تو وہاں سے قصر مقاتل جائیے پھر قریات (ارض طف) پھر سماوہ

ابو مخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ والعذیب کے راستہ سے مڑ کر آپ ذوحُسم وقصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے حضرت ابو جعفر محمدؒ (الباقرؒ) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اگرچہ اس وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہو گی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنیں ہوں گے۔ حضرت موصوف سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا) حدثنی مقتل الحسین حتیٰ کانی حضرۃ (صفحہ ۲۲ ج طبری)

حضرت موصوف نے مقتل حسینؓ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

فاقبل الحسین بن علی بکتاب مسلم بن عقیل کان الیہ حتیٰ اذا کان بینہ وبین القادسیۃ ثلاثۃ امیال لقیہ الحر بن یزید التمیمی فقال لہ این ترید قال اریدھذا المصر قال لہ ارجع فانی لم ادع لک خلفی خیرا ارجوہ فھم لان یرجع وکان معہ اخوۃ مسلم بن عقیل فقالوا واللہ لانرجع حتی

حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہونچا تو آپ (مکہ) سے روانہ ہوئیں ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں حر نے کہا کہ آپ لوٹ جائیے وہاں آپ کے لئے کسی بہتری کی مجھے امید نہیں ہے۔ اس پر آپ نے

نصیب ثارنا ادنقتل فقال لاخیر فی الحیاۃ بعدکم فسار فلقیتہ اوائل خیل عبید اللہ فلما رای ذٰلک عدل الیٰ کربلاء۔
(ص۲۳۱ ج ۶ طبری)

لوٹ جانے کا ارادہ کیا مسلمؓ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے انھوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لیں یا ہم بھی سب قتل نہ ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہو گئے اتنے میں عبید اللہ کے لشکر کا ہراول سامنے آگیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔

حضرت ابو جعفر محمد الباقر کی اس روایت سے بھی صاحب عمدۃ الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مڑ گئے تھے جو کربلا ہو کر دمشق جاتا تھا۔ آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ آپ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں کہ :-

حسینؓ از طریق عذیب و قادسیہ راہ بگردانید وبجانب چپ روان شد
(ص۲۲۲ ج ۶ از کتاب دوم)

حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔

قادسیہ و عذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طفؔ ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طفؔ کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا۔ جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماعِ اُمّت کی اہمیّت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہونچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ

امیر المؤمنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمّت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لئے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیّبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیجدیا جائے، تاکہ اپنے ابنِ عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ) طبری اور دوسری کتبِ تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنٰی "تاریخ الخلفاء" اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔ شیعہ مورخین و مؤلفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۷ ج ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاص رضہ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابنِ زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا۔ جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے۔

او یاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہٗ فی یدہٖ فیما بینہ وبینہ فیری رایہ وفی ھذا لکم رضی" وللامۃ صلاح۔
(ص ۲۳۷ ناسخ التواریخ جلد ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اس میں صلاح امّت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا۔

آج کل کے بعض مورخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہا ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع کر لینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ کیا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے

فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر اُبھارنے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسن رضؓ کے منشا کے مطابق، خیر خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنّت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کردیا جائے کہ حضرت حسین رضؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں اُن کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضؓ پر۔ حضرت علی رضؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمّت کی بہت بڑی اکثریت اُن کی بیعت میں داخل نہیں تھی اِن کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت اُنھیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر المومنین یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ۔ نیز حضرت حسین رضؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی رضؓ (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ زوجۂ مطہرہ حبیبۂ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہوسکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں جس میں تمام اُمّت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسین رضؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا نواسہ اور حضرت علی رضؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ اُنھیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے اِن کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اِس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے، نہ تعاملِ خلفائے راشدین اور نہ عزائمِ آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمّت اِس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اِسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ حتیٰ کہ اِن لوگوں نے بھی جو اپنی دانست

میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کے لئے ازواج مطہرات رض وعصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حقدار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانون وراثت میں ہرگز درست نہیں اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعم باطل کے جائز "حقداروں" کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزید رح کو حضرت حسین رض کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ہے ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علی رض (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے۔ امیر المومنین یزید رح نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسین رض کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہار تاسف وتعزیت کیا تھا۔

- پھر یزید رح نے ابن الحنفیہ رح کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

حسین رض کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسین رض کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا گو کہ انھوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہو گا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسین رض کی کرتے ہیں بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندان علی رض کو عزت وحرمت حاصل نہ ہو، بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں سنکر ابن الحنفیہ رح نے کہا:-

"خدا تمہارا بھلا کرے اور حسین رض پر رحم فرمائے، اور ان کے گناہ کو معاف کرے

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو بُرا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیئے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزیدؒ نے جواب دیا:۔

"میرے چچیرے بھائی! میں حسینؓ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دِل دُکھے۔"

(انساب الاشراف بلاذری ج ۳)

حضرت حسینؓ کے ناکام اقدامِ خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی۔ موافقین نے ان کو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر ان کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کا اس بارے میں جو رویہ رہا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کے اہلِ خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلآ، وجہ تسمیہ اور محل وقوع

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَربَل وکَربَلَۃ معنی و تلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں کربلاء ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں:۔

کَربَلَاءُ بالمد۔ فاما اشتقاقہ فالکربلۃ۔	کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلہ سے ہے۔

(ص ۲۲۹ ج معجم البلدان)

غَرْبَل اور غَرْبَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطۃ ص ۲۰ (المنجد طبع بیروت) اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:۔

یحملن حمراء رسوبا للثقل قد غربلت وکربلت من القصل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلاء کہلاتی تھی جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی۔ نیز جو قریہ مذکور کی

فصل غلّہ پھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اِسی بنا پر کربلا، کہلاتی تھی۔

ان تکون ھذہ الارض منقاۃ من الحصی والدخل فسمیت ذٰلک (ص ۲۲۹ ج معجم البلدان)

اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ نام بھی پڑا کہ غلّہ پھوڑنے کی زمین تھی)

فصل غلّہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پھوڑنے یعنی بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کے لئے بھی مُکرّ بلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکربلاً (ص ۶۷۰ المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے ہوئے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلا کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے :۔

ویقال کربلت الحنطۃ اذا ھززتھا ونقیتھا فی صفۃ الحنطۃ۔ (ص ۲۲۹ ج معجم البلدان)

گندم کی طرح سے جب غلّہ پھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطۃ۔

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سُرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحماض کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عشبہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے اِن کے کاسنی جیسے :۔

والکربل اسم نبت الحماض فیجوزان یکون ھذ الصنف من النبت یکثر منبتہ ھناک فسمی بہ۔ (ص ۲۲۹ ایضاً)

اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اُگتی تھی اس لئے بھی اس کا ذکر بلاء، کا، یہ نام پڑ گیا تھا۔

غرضکہ ارضِ کربلاء جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلاء کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے انہوجبل[۱] الجمی نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہو جانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے۔

الا ان قتلی الطف من آل ھاشم ... اذلّت رقاب المسلمین فذلّت

---

[۱] اسی شعر کو قدماء تیمِ لغلی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔

وان قتیل الطف من آل ھاشم ... اذل رقاباً من قریش فذلت

یوم کربلاء کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل وشہید الطف" مثلاً :-

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسین یوم الطف
(ص۲۰ عمدہ المطالب فی انساب آل ابی طالب)

لیکن عون ومحمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؓ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندان علیؓ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند ان کی حیات میں فوت ہو گئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ مقام طف میں حضرت حسینؓ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:-

وقتل منهم بالطف ستة
(ص۴۵)

اور ان میں سے چھ۔ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔

عباس بن علیؓ کے ذکر میں کہتے ہیں:-

والعباس شهید الطف۔
(ص۴۵)

اور عباسؓ (مقام) طف کے شہید

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

قتل بالطف
(ص۶۱ جمہرۃ الانساب)

(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

کان مقتل الحسین بمکان من الطف یقال له کربلاء۔
(ص۱۹۸ ج البدایہ)

یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

غرضیکہ فصل غلہ چھوڑنے کا میدان (کربلاء)، ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز وشاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔ صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:-

والطف۔ ارض من ضاحیة الکوفة فی طریق البریة فیها کان مقتل

اور الطف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے

الحسین بن علی وھی ارض بادیۃ من الریف فیھا عدۃ عیون ماء جاریۃ منھا الصید والقطقطانۃ والرھیمۃ وعین جمل وذواتھا (ص۵۱ ج معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء)

جہاں حسینؓ بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب و زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید والقطقطانہ رہیمہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل و عریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لاسکیں (معجم البلدان، ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کرتے تھے۔ "وسمیت عین الصید بکثرۃ السمک الذی کان فیھا ص۸۸ معجم البلدان

اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہ قادسیہ و العذیب لوٹتے اور ملک شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گذرتا گیا تھا، ارض الطف کو "طف الفرات ای شاطی" کہتے تھے ص۵۱ معجم البلدان، یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم زمین تھی۔

ان تکون ارض ھذہ الموضع (کربلاء) رخوۃ فسمیت ذلک۔ (صفحہ ۲۲۹ ج ۷، معجم البلدان)

اس مقام (کربلاء) کی زمین چونکہ ملائم تھی۔ اس لئے اس نام سے کربلاء موسوم ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ کربلا کی زمین غلہ بچھوڑنے کے کام آتی تھی، کنکروں روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بناء پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلاء مشتق ہے اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مولف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین و مددگار نہیں رہا بسلم اور

ان کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مڑ گئے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لئے۔ قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا یہی شیعہ مولف لکھتے ہیں کہ جب انھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کا حکم ماننے کو کہا گیا تو انھوں نے منع کیا اور یزیدؒ کے پاس چلا جانا پسند کیا فامتنع وامضنا والمضی نحو یزید (ص۱۷۹ ایضاً) اب دیکھئے اسی بات کو ابومخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے۔ اور کیسی مسخ صورت واقعہ کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

جب حسینؑ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اس نے بھی ایک قدم نہ اٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا، اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اترتے رہے مگر ان سب کا یہی حال ہوا کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے، تو لوگوں نے کہا غاضریہ۔ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا نینوا پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا شاطی الفرات پوچھا اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے کہا کربلا۔ یہ سن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب وبلا، اب یہیں اتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے یہیں ہمارا خون بہے گا یہیں ہماری عزت وحرمت لٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے۔ یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے۔ اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا، آپ کا قول غلط نہیں ہو سکتا" (مقتل ابی مخنف ص۴۹)

کربلا سے کرب وبلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی کس طرح حضرت حسینؓ سے

منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ماقبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ بروردہور دلدل میں تبدیل ہو کر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے لعد تین مشہور شہر اس نواح میں اُجڑے اور بسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدانیوں کا بابل۔ بنو کندہ کے الحارث کا انبار اور لخم کا الحیرہ، ان کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا۔ جس کی مضافاتی زمین کربلاء تھی۔

"عرب و مشرق بعید" کے لایق مولفؒ نے مسٹر ہرتھ (HIRTH) ایک محقق[۱] کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (TIAOCHI) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداءً عربوں سے سابقہ پڑا تھا اہل ایران عربوں کو "تاجر" کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو "تاچی" کہنے لگے شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (TA-CHI) شامل تھا عہد عتیق کے لعد جب الحیرہ آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مورخ المسعودی نے دریائے فرات کے رُخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ پر جو بعد میں خشک ہو کر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ[۲] کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلاء کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواح سے جہاں حیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلاء کا میدان بھی تھا کوسوں دور ہٹ گیا تھا کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر

---

[۱] ایس اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی

[۲] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۶ھ میں ہوئی تھی ایرانیوں کی افواج کثیر کی خبر سنکر حضرت فاروق اعظمؓ نے بذات خود محاذ جنگ پر تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور لعض اکابر صحابہ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو

تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے "آب زلال وگوارا" یہاں بآسانی حاصل ہوسکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا زمین کھود کر "آب زلال" نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مورخ فرماتے ہیں:۔

آنحضرت تبرے برگرفت واز بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت انگاہ زمین را باتبر لختے حفر کرد ناگاہ آبے زلال وگوارا بجوشید و اصحاب آنحضرت بنوشیدند و مشکہا پُر آب کردند۔

(ص ۲۳۵ ج ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

آنحضرت (یعنی حسین رضی اللہ عنہ) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال و گوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے

جو منع کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی "وعرض علی علی الشخوص فاباہ" یعنی علی کو محاذ جنگ پر داسلامی افواج کی سپہ سالاری پیش کی اس پر انھوں نے انکار کیا اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیرانداز ہیں "انہ رجل شجاع رام" (ص ۲۶۳ فتوح البلدان بلاذری) ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے جن سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص بھی ہیں ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعد رضی اللہ عنہ راوی حدیث اور صاحب نسل ہیں العرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد سیدنا سعید بن العاص سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عمر بن سعد رضی اللہ عنہ سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشوراہیں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابو مخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مُشک گھولا جائے (ثم امر بمسک فمیث فی جفنة عظیمة)

جب مُشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمہ کے اندر نورہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے، (دخل الحسین فاطلیٰ بالنورة)، اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں۔ (دخلنا فاطلینا) یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔
اول تو یہ "نورہ[۱]" لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا، ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم کے بالوں کو "نورہ" مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہرتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا، بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک کا بڑے کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابو مخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آگیا تھا تو ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ منہ پر چھینٹے مارنے کے لئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے منہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لئے قحط آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

---

[۱] یعنی چونہ قلعی۔ چیزیست کہ برائے دور کردن موا زبدن بکار برند و آں آہک و زرنیخ بہم سائیدہ است (غیاث اللغات)

سچ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محل وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات وحالات کو پیش نظر رکھا جائے تو قحط آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور ان کے راوی

یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں، اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انھیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل وصفین ونہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابو مخنف" ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستاں سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کرلیا اور طبری سے دوسرے مورخین نے نقل کیا اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابو مخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ ان کا سنہ وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۶۰) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلیے۔

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص ۹۲) کہتے ہیں "لوط بن یحییٰ، ابو مخنف کذاب" اسی طرح صاحب تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر "کذاب" کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۶۶) سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص ۳۶۲) میں ابو مخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط والکلبی کذابان" امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:-

لا یوثق بہ
ترکہ ابو حاتم وغیرہ

کسی اعتبار کے لائق نہیں ابو حاتم وغیرہ (ائمہ جرح و تعدیل نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

قال الدار قطنی ضعیف قال ابن معین لیس بثقۃ قال مرۃ لیس بشئ قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارھم۔

دار قطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن معین کہتے ہیں کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ مُرّہ فرماتے ہیں کہ وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابلِ اعتماد، دروغ گو بتایا ہے حتیٰ کہ تاج العروس شرح القاموس (جزء ۶ فصل ہ ص۱۰۱) میں ابو مخنف کا "اخباری شیعی تالف متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے۔
اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ص۴۱/۱۷) ان کے بارے میں ایمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے "ھو کوفی ولیس حدیثہ بشئ" یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابو مخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے۔ ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ہشام۔

محمد بن السائب الکلبی ابو النضر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:۔

کان الکلبی سبائیًا من اولٰئک الذین یقولون ان علیًا لم یمت وانہ راجع الی الدنیا ویملأھا عدلًا کما ملئت جورًا۔
(میزان الاعتدال ج۲ ص۶۲)

یہ الکلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے، جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ایمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے:۔

قال ابن معین الکلبی لیس بثقۃ قال الجوزجانی وغیرہ کذاب

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ الکلبی لائق اعتماد نہیں جوزجانی وغیرہ ایمہ رجال کہتے ہیں کہ

قال الدار قطنی وجماعۃ متروک۔ قال الاعمش۔ اتق ھذہ السبائیۃ انی ادرکت الناس یسمونھم الکذابین

وہ کذاب تھا۔ دارقطنی اور ایمہ رجال کی ایک جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔

اس الکلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل و کتابوں کا مؤلف بھی ہے، اس کا پورا نام ہے "ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابوالمنذر" ایمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

قال الدار قطنی وغیرہ متروک۔ قال ابن عساکر رافضی لیس بثقۃ (میزان الاعتدال ج۳ ص۲۵۶)

دارقطنی وغیرہ ایمہ رجال نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ رافضی ناقابل اعتماد ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ابو مخنف وھشام بن محمد بن السائب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم (منہاج السنہ ج۱ ص۱۳)

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں مشہور و معروف بات ہے

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع و قماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت و توہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایۂ زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما۔ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان وکما زادوا فیما یراد تعظیمہ من الحوادث وکما زادوا فی المغازی والفتوحات

اور جن لوگوں نے حسین کا حزینہ نقل کیا ہے انھوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھادی ہیں یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے

وغير ذلك والمصنفون في اخبار قتل الحسين منهم من هو من اهل العلم كالبغوي و ابن ابي الدنيا وغيرهما ومع ذلك فيما يروونه آثار منقطعة وامور باطلة واما يرويه المصنفون في المصرع بلا اسناد فالكذب فيه كثير۔

(منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۴۸)

بڑھادیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہلِ علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔

یہاں داستانِ کربلا کی وضعی ومن گھڑت روایتوں اور امورِ باطلہ کی تفصیل کا موقعہ نہیں، زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں کہ :۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔"

"مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؑ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔ شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم

سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (مجاہد اعظم ص ۱۷۸)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مولف خود ہی "غلط و مشکوک و ضعیف و مبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ابو مخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔ اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سن لیجئے، جنھیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سنت کا امام قرار دے لیا ہے۔

ابن جریر طبری

ابن جریر جن کا پورا نام وسلسلہ نسب یہ ہے، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے اپنے مولد و منشا آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک غالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجہ محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب اور ہجو گو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مورخ طبری کی بہن جریر کے گھرانے کی تھی وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے ؎

بآمل مولدی وبنو جریر	فاخوالی ویحکی المرء خاله
آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے	میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔

---

[1] ابن اخت الطبری توفی ۳۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین)، کان الخوارزمی رافضیاً غالیاً وفی مرتبۃ الکفر غالیاً (الوافی للصفدی)

فہا انا رافضیؒ عن تراثؒ وغیری رافضیؒ عن کلالہ

تو میں تو بیں وراثتہً رافضی ہوں اور میرے سوائے جو رافضی ہے وہ دور کے

(معجم البلدان یاقوت حموی) لگاؤ سے ہے۔

ابن جریر نے شیعہ اور سنّی علماء سے استفادہ کیا تھا، طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک۔ خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلہ کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (البدایہ ۱۱ج ص۱۴۶) آیت تطہیر کے لفظ اہل البیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں پیش کر ڈالی ہیں

امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا۔ اور حضرت علیؓ اور علی کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مُضر نہیں۔ (میزان الاعتدال ۳ج ص۲۵) جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے، ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ان کا "ظن کاذب" ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابوجعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں۔ چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ

کان یضع للروافض یعنے ابن جریر طبری رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انھوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپگنڈے (روایت) کی خاص الخاص، آخر ان وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ "فیہ تشیع وموالاۃ لا تضر" یعنی ان میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مُضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔ ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر "لعن" تک تحریر ہے ان کی تاریخ کی جلد ۱۳ کے ہر ورق پر یہ عبارت ہے "من تاریخ الصحابۃ والتابعین تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری" اس کے ص۲۴ سطر ۲۵ پر "فی وسط خلافۃ

معاویۃ لعنۃ اللہ" لکھ مارا ہے اور ص۲۹ سطر ۱ پر "فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنہما اللہ" درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم E. Rieu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر طبری کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سنی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے کہ مورخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ و فاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام وصلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں (ص۶۲ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم) ان کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو ان کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔

خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمۃ الاسلام" کہتے ہیں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

ودفن فی دارہ لان بعض عوام الحنابلۃ ورعاعہم منعوا من دفنہ نہاراً ونسبوہ الی الرفض۔

(البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص۱۴۶)

اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی، یعنی رافضی بتایا۔

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھیں، آج بھی ان کی تالیفات کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت و تفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہ کا سیاسی اختلاف رہا ان کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سب و شتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابو مخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوے فیصد روایتوں کا راوی ہے۔

اس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مورخین نے بلا کسی استشناء کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابو مخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری وعیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ مل جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ س + ل + د یعنی جس سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو، اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو "س" سے ظاہر کیا گیا ہے "ل" لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک آئے ہوں "د" سے مراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی "دلی نیو اتھیلٹک (انگلش ایڈیشن)

مثال:- کربلا کا واقعہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا۔ کلیہ میں "س، ل" اور "د" کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹، اور ۲۸۴ درج کر کے ان کے مجموعہ کو ۷، پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی (۵)، آتا ہے۔ سنیچر سے (۵)، دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے، یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو نوادر تھینک دل محمد ایم اے)، روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا لیکن اب جو صدی (۴۰۰)، پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں

مندرجہ ذیل جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ وسال درج ہیں ان میں ایسی ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ نہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی تقویم ہجری وعیسوی نیز کلیۂ حساب کی رو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ کا جو دن آتا ہے آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں مورخ طبری اور دوسرے مورخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں :—

فكان خروج الحسين من مدينه الى مكة يوم الاحد ليلتين من رجب سنة ستين ودخل مكة ليلة الجمعة لثلاث مضين من شعبان فاقام بمكة بقية شعبان ورمضان وشوال وذيقعدة وخرج من مكة لثمان مضين من ذى الحجة يوم الثلاثا يوم التروية

(ص ۲۲ ج طبری و ص ۱۵۹ ج البداية والنهاية)

حسینؓ مدینہ سے یکشنبہ کے دن ۲۸ رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے پھر بقیہ ماہ شعبان ورمضان وشوال ذیقعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ ذی الحجہ سہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں :—

حسین علیہ السلام یکشنبہ بست وہشتم رجب از مدینہ بیرون شد وروز جمعہ سیم شعبان وارد مکہ گشت۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ہشتم ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم بر ابن زیاد بیروں آمد وروز دیگر کہ

ؔ راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اردو (ہند۔ دہلی) کی شائع کردہ تقویم ہجری وعیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابوالنصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ایڈورڈ ماہلے کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کار آمد و مستند تقویم ہے۔

یوم عرفہ بود شہید گشت۔ (ص۲۰۷، ج ۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

پھر وروو کربلا کی تاریخ ۲ محرم بتاتے ہوئے ص۲۲۵ پر لکھتے ہیں کہ

"این واقعہ در روز پنجشنبہ دوم شہر محرم الحرام بود"

مورخ طبری بھی حضرت حسینؑ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم نزل (ذی العقر) وذلک یوم الخمیس وھوالیوم الثانی من المحرم سلئہ (ص۲۳۲ ج طبری)	پھر (العقر) کے مقام پر اتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم سلئہ کی دوسری تاریخ تھی۔

مورخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ ودن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ مختلف ومتضاد ہیں، کہ کسی طرح لائق وقابلِ یقین نہیں، بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسّی نوّے برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ورنہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ واقفانِ حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مولف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ "مردان اہلبیت سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ان سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ جس شخص نے جیسا سُنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط وتفریط سے مسخ کر دیا۔" (ص۱۷۶)

سچ ہے حق برزبان جاری۔ کسی کا کوئی چشمدید واقعہ بیان نہیں ہوا۔

جدول تاریخ و دن

تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابومخنف کی روایت سے بیان کی ہیں						صحیح دن از روئے تقویم دکلیہ حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق	
نمبر شمار	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح یا غلط		
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	سنہ ۶۰ھ	۲۸ر رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ	۴ر مئی سنہ ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ر شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ	۹ر " "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ر ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ر ستمبر
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ر "	چہارشنبہ	"	دوشنبہ	۱۰ر "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ر "	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ر "
۶	العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ	سنہ ۶۱ھ	۲ر محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ	۲ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء
۷	حادثۂ کربلا	"	۱۰ر محرم	جمعہ	"	چہارشنبہ	۱۰ر "

۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ کا ۱۰ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ہونا "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف کو بھی تسلیم۔ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو از روئے تقویم وکلیۂ حساب چہارشنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سُنے اور معلوم کئے ہوتے جسے ان کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاحش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں وہ کیونکر قابل وثوق ولائق یقین ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ "شدید تعصب نے راہ اختیار کر لی ہو" وقد تطرّق التعصب فی الواقعہ۔ اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض وتضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں بھی سب راوی متفق و یک زبان نہیں ایک کچھ بیان کرتا ہے۔ دوسرا کچھ۔ مورّخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا میں نہیں بلکہ نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں:۔

(۱) قال ابن سعد اخبرنا محمد بن عمر قال قتل الحسین بن علی فی صفر سنۃ ۶۱ھ وھو یومئذ ابن خمس وخمسین۔ (ص ۲۲۳ ج ۶ طبری)	ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا حسین بن علیؓ ماہ صفر سنہ ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔

(۲) فقدم (الحسین) العراق فقتل بنینوی یوم عاشوراء سنہ ۶۱ھ۔ | اور حسینؓ عراق میں آئے۔ اور روز عاشورہ سنہ ۶۱ھ کو مقام نینوی میں قتل ہوئے۔

(ص ۲۲۳ ج ۶ طبری)

خود ابو مخنف نے بھی نینوی میں حضرت حسینؓ کے اترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کے لئے، مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بائیں جانب کو مڑتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ نینوی پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اتر پڑے۔" حتی انتھوا الی نینوی المکان الذی نزل بہ الحسین (ص ۲۳۲ ج ۶ طبری طبع اول مصر)

دوسری جگہ طبری کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے لفظ ہیں۔ فقالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ یعنون نینوی انھوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینوی میں اتر جانے دو۔ یہ نینوی جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے وہ قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سیکڑوں کوس دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں کربلاء کے قرب میں نینوی نام کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں۔ قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے۔ اسی کے مضافاتی میدان کربلاء میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تو عموماً مشہور ہے خصوصاً اس وقت سے کہ معز الدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد سنہ ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس بعد اسی نے ڈالی تھی شیعہ مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "ماتم حسین" کا بانی مبانی معز الدولہ ہی تھا، وہ اس کے حال میں لکھتے ہیں:۔

"**معز الدولہ**:۔ یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم اور مقرر کی تھی"۔

(ص ۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیرلینز مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء)

"مجاہد عالم" کے شیعہ مولف بھی عزاداری کی ابتدا، ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قایم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی۔"
(ص ۲۳۲)

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں

فی عاشر المحرم من ھذہ السنۃ (۳۵۲ھ) امر معز الدولہ بن بویہ بنوح علی الحسین بن علی بن ابی طالب[۱]۔	اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معز الدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص ۲۴۳ ج البدایہ والنہایۃ)

---

[۱] حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں اسلام کی تاریخ میں بویہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انھوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کرکے انھیں عضو معطل بنا دیا تھا نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم زدن نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی تھی ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا "لعنت ہو معاویہ پر لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا اور انھیں فدک نہ دیا، نیز اس پر جس نے حسنؑ کو ان کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت ہو اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔"
رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معز الدولہ

بہرحال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہیں لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ :۔

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے، اکابر و وزراء اور سلاطین میں سے جو جو اپنے اپنے زمانہ میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو اس پر قادر نہ ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ اور موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، پھر تو اس واقعہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو دور دراز شہروں اور قدیم زمانہ میں گذرا ہو پس کیونکر

---

۲ اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے صرف اتنا لکھوا دیا گیا "خدا کی لعنت ہو ان پر جنھوں نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور لعنت ہو معاویہ پر"۔

یہ ابتدا انھی ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا کہ "عاشوراء کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں منہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں"۔

پھر اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور ہذلیات کا بانی یہی معز الدولہ تھا۔ عاشوراء کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ چلتی ہیں۔

اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔ جس پر چار سو برس[1] کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے جہاں حُسن ظن کے قرائن ممکن ہوں (الی آخرہ)۔"

(ص۴۶۵ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں فھذا الامر لا یعلم حقیقۃ اصلاً یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔"

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپرد قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی لفظی تصویر کشی کے لئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا تاہم جو حقائق اِن اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابومخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابلِ اعتبار، حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں، کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نما ہی علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابلِ تردید طریقہ پر ہو جاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس[۹۵۰] انگریزی اور آٹھ سو عربی میل کی مسافت بعیدہ دشوار گذار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس[۲۲] دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت کے وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کونسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔ جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے

---

[1] امام ابوحامد الغزالیؒ متوفی سنہ ۵۰۵ھ کے زمانے سے واقعہ کربلا کو چار سو برس کی مدت گذر چکی تھی۔

آب وتاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر ہے اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے راوی کو اپنے جمود ذہنی سے پیش کرنا تھا۔ ولندیزی محقق دُے خوئے (De Goeje) نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:-

"کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جاسکتی تھی مگر پیغبر (صاحب) کے نواسہ، علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق اور شمول چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں (دعوت ناموں) کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انھوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنالیا اور واقعات نے تدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کرلیا عمر بن سعد (رض) اور اس کے فوجی افسروں کو عبید اللہ (ابن زیاد) کو حتیٰ کہ یزید (رح) کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔

(ص ۲۹ لج النسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

کذب وافترا کی بدترین مثال

(دے خوئے جیسے آزاد، اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کرلیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں اور حضرت سعدؓ آنحضرت صلعم کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہ میں تھے جنھیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے۔ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ احد میں اُن کی تیر اندازی پر نبی کریم صلعم نے ان سے فرمایا تھا۔

ارم سعد فداك ابی وامی وقال هذا خالی فلیرنی امرء خاله
(یعنی اے سعد، تیر پھینکے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا۔ پھر فرمایا۔ یہ میرے ماموں

(ص۱۳۵ المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں!

فاتح ایران تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی، حضرت علیؓ جب حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت کے قائم رہے۔ حادثۂ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بزمرہ صغار صحابہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری انہ ولد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۱۷۳ ج ۳)	عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنھوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قایم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہیب نبی کریم صلعم کے چچا سید الشہداء حمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے، جنھوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور ان کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی میں وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبتِ باطنیہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیا بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوشِ محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعدؓ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو اہلِ عرب

کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم صلعم کے تعدد ازدواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے، جن میں بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت حسین رضؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں جس کی یہ خاندانی اور اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو جس کی یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبید اللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؓ کے لئے لکھدیا تھا فکتب الیہ ابن زیاد عہدہ علی الری (ص۲۳۲ ج طبری و دیگر کتب تاریخ)، اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستبی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؓ کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسین رضؓ کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں ان کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ پر بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کر دیا اس کام کو انجام دو[1]۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آکر منظور کر لیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے ان کے منہ سے ہی کہلوا ڈالے۔

---

[1] ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر مقتل ابو مخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسین کا سر جو کوئی کاٹ کر، میرے پاس لے آئے گا اس صلہ میں، دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔ من یاتینی براس الحسین علیہ ملک الری عشر سنین (ص۵)، پھر امیر عمر بن سعدؓ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا۔ انھیں حکم م

ءَاترکُ ملکَ الریّ والریّ منیتی
ام اصبح ماثوما بقتل حسینٍ
وفی قتلہ النار التی لیس دونہا
حجاب وملکُ الریّ قرۃ عینی

کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسین رض کے قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

یہ شعر تو عمر بن سعد رض کے منہ سے کہلوا دیئے، لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

• ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کردو۔ انجام دہی کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نامنظور ہوئی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو مہاجرین و انصار کی اولاد میں لوگ ابن سعد رض کے گھر میں داخل ہو کر ملامت کرنے لگے کہ جہاں تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے اور تم حسین سے لڑنے جا رہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعد رض کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتل حسین رض کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں۔ ابو مخنف نے تو آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعد رض سے منسوب کئے ہیں جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند شعر کہلوا دیئے ہیں۔ "واجابہ ھاتف" آخر کا شعر ہے ؎

فلا تحسبنَّ الریّ یا اخسر الوریٰ تفوز بہ من بعد قتل حسین

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسین کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہوگا۔
الغرض یہ ہے واہی روایت جس سے حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

(صفحہ ۵۰)

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا، ایک عجمی شاعر نے اصفہان وہمدان وقم و رے ان چار شہروں کو دنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو "شاہِ بلاد" کہا ہے

معدنِ مردمی وکانِ کرم وشاہِ بلاد ... رتے بود رتے کہ چو رے درہمہ عالم نہ بود

کیا تعجب "شاہ بلاد" کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مورخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا۔[سلہ] خود ابو مخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر پر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انھوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔ فان امیر المومنین اصلحہ اللہ ولّانی مصرکم وثغرکم (ص ۲۰۱ ج طبری) یعنی امیر المومنین نے خدا ان کی بہتری کرے مجھے تمھارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) کے معاملات سے اس کا کیا تعلق اور واسطہ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی وعامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہوسکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر وتبادلہ وبرطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت

سلہ وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہے کہ امیر المومنین یزید؟ نے اپنے والد کے غلام "سرجون رومی" سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا اس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجین تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیر المومنین جو اپنے دہ سالہ زمانہ ولیعہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذاتِ خود واقف تھے ان کو محکمۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہری رضؓ صحابی وعاملِ دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

کو ہونا ہے خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انھوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں میں سے کسی کا تبادلہ کیا، کسی کو مقرر کیا، کسی کو خدمت سے سبکدوش کیا غرضیکہ والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعۃً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں۔ ؟

کہاں کوفہ کا عارضی والی گورنر اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر کا با اختیار خود اجرائے فرمان! بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود و سرحدوں میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی۔ کسی فتنے نے سر اٹھایا ہوتا تب بھی اک بات تھی، امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سیکڑوں کوس دور واقع تھا، درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے۔ رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی، اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب وجوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے بخصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے سلم بن زیاد کو ان کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا انھوں نے بخارا، کر کانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کیے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا (ص ۲۵۵، کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ ابریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ، ان ہی اموال غنایم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور ان کے جود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال ان اوراق میں آپ

ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کارِ خاص کی انجام دہی کے لئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقعہ اور وقت۔ دستبیٰ موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسبِ تصریح صاحب معجم البلدان دیناوند میں شامل اور رے وہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا (صـ ج معجم البلدان) رے سے خراسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا " والرہے علیٰ جادۃ طریق خراسان (صـ۵۲ کتاب البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گذر ہوتا تھا۔ بہر حال موضع دستبیٰ میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کارِ مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم ونسق سلطنت استوار کرنے کی ایسی موثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستبیٰ کے لئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو رے کی حکومت کا فرمان بھی باختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دیدیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سُن کر چونک پڑا، دستبیٰ والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی وگورنر سے کہا "پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا" فسر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا وبینہ سرت الی عملک (صـ۲۳۳ ج۶ طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں لیکن کسی راوی یا مورخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ "حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے"

تو پھر حسبِ قرار داد بابھی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جاکر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا بجالیکہ ابنِ زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسین رضؓ کے معاملہ سے فراغت پالی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا "قرۃ عین" تھا اور اتنا محبوب کہ "قتلِ حسین رضؓ" کا ارتکاب کر کے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی اس ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طرح گوارا نہیں، آخر حضرت حسین رضؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا یا اسے دیا گیا۔؟ کسی مورخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا۔ کب ہوا کیونکر ہوا۔ اور کس ذریعہ سے ہوا۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مورخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعد رضؓ کے تقرر فراہمی لشکر، موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کی جو غرض اور مقصد ہے وہ ہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے۔

کردارِ ابنِ زیاد

امیر عبیداللہ ابن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسین رضؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت، وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علی رضؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان ہی کے نام لیوا رہے ابن زیاد کی نیک نیتی کا بیّن ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیل رضؓ نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعد رضؓ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسین رضؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بھی بد عہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں۔ مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی عناد و مخاصمت ہوتی تو مسلم کا یہ پیغام

ان تک کیوں پہنچنے دیتے۔ انھوں نے تو صاف کہدیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیر المومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ وجدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے، یہ چند باتیں تو اس لئے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقعہ واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بُعد مسافت اور منازل ومراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؓ

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسینؓ" کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ وبے لاگ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب وافترا ہی ثابت ہوگا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ انهما كانا التقيا مرارا ثلاثا او اربعا حسين وعمر بن سعد (ص ۲۳۵ ج طبری)

ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:۔

فان الله قد اطفأ النائرة وجمع الكلمة واصلح امر الامة۔

خدا نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اتحاد واتفاق پیدا کر دیا اور اُمت کی اس سے بہتری چاہی۔

(ص ۲۳۵ ایضاً)

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مورخین نے نقل کی ہیں، گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آچکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:۔

هذا كتاب رجل ناصح

یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے

لا، میرہ و مشفق علی قومہ؟ نعم قد قبلتُ۔	جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔
(ص ۲۳۶ ج ۶ طبری)	

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انھیں اپنی بھی جانیں دیدینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انھوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں۔ ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نو وارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاء وسلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں، بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہونگے ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے "کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت حیرہ اور اس کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ خاک میں مل چکا تھا مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا

قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؒ کی طاقتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں، تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔"

آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سد باب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگو سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں راتوں ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیلؒ کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے، اور جنھیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی یہ موقع ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نا اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ:-

گورنر (کوفہ) عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے
ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور
جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں سے
کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے
سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا
تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔

(صہ ۱۱۶۲)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام
مطلق نہیں کیا تھا، ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے
رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال وقتال میں بدل
گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور
تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن وملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس
کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں
خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق برزبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت
حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ
بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو گئی
ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے۔

قال فکانی انظر الی دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ
(ص ۲۵۹ ج ۶ طبری)

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر ابن سعد کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بسبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا، حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ
انھوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں
کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں
کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بیّن ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے
ملتا ہے جہاں انھوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر (۷۲)

مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی انغاثی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے۔ پھر انھوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندانِ نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں۔

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسینؓ واخواته وجواریه وحشمه فی المحامل المستورة علی الابل۔	اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

(ص ۲۶۰ سطر ۱۱۔ اخبار الطوال)

ولندیزی محقق دے خوے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" پر ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ خواتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل روانگی کی صحیح تاریخ، کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؒ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقہ الاولیٰ من اھل المدینۃ من التابعین۔ تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل

عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں :۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری ابو حفص المدنی سکن الکوفة روی عن ابیه و ابی سعید الخدری وعنه ابنه ابراهیم و ابن ابنه ابو بکر بن حفص و ابو اسحاق السبیعی و العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادة والزهری و یزید بن ابی حبیب و غیرهم و قال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث و هو تابعی ثقة ۔

(ص۴۵۰ ج۷ تهذیب التهذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ ۔ انھوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابو بکر بن حفص نے نیز ابو اسحٰق السبیعی اور العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ و الزہری و یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعدؓ) نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے ۔

عمر بن سعدؓ کو "قتل حسین" سے جب متہم کیا جانے لگا متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا ، ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے ، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج۲ ص۲۵۸) علامہ ذہبیؒ کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثۂ کربلا کی صورت کا ذہن عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا ۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثۂ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گذر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے بایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرہ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں ، ان میں مشہور ، تابعی محدثین شامل ہیں

جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحق[۱] عمرو بن عبد اللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال وقتادہ بن دعامہ سدوسی ومحمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ غالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابو بکر[۲] بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص ان اللہ فتح الشام والعراق فابعث من قبلک جنداً الی الجزیرۃ فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم و بعث معہ عمر بن سعد وھو غلام حدیث السن ھکذا رواہ یعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمہ بن الفضل عن ابن اسحٰق وکان ذٰلک فی عشرۃ قال ابن فتحون من کان فی ھذہ السنۃ بعث

راوی نے بیان کیا کہ (حضرت) عمر بن الخطابؓ نے (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام وعراق پر مسلمانوں کو فتحیاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ نے) عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعدؓ کو بھی بھیجا جو اس وقت نوعمر تھے۔ اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انھوں نے ابن اسحاق

---

[۱] یہ ابو اسحاق شیعہ اولی میں ہیں اور روافض سے بیزار۔

[۲] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ) میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علی ابن فتحون برتر تھے (وھما متعاصران وثانیھما احسنھما)۔ کشف الظنون میں ابو بکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

فی الجیوش فقد کان لا محالۃ مولودًا فی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ابن عساکر ھذا یدل انہ ولد فی عھد النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم الی آخرۃ۔

(ص۱۷۲ ج۲ الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ مصر)

سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سنہ میں فوج میں شامل کرکے بھیجا گیا ہو وہ لامحالہ عہد نبی صلعم کا مولود ہوگا۔ ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ علیل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے انھوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا توحجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے عہد نبوی میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہوکر وراثت مال کا حقدار بنا ہو۔ قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر سعدؒ اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرسکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم ازکم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعدؓ کو کسی طرح بھی متہم کیا جاسکتا ہے جو "قتل حسینؓ" کے متعلق ان پر لگائے گئے ہیں کفر و نفاق کا

الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی ان پر عاید نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہو سکتی ہے کہ جس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوں۔ جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابت قریبہ ہو کہ ان کی دختر۔ حضرت فاطمہ زہراؓ۔ رشتہ میں ان کی پھوپی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں۔ ان ہی کے فرزند دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسہ ہوں، ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کے لالچ میں!!

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں تو بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ کی حسینؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کر کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ سے مقاتلت کرنے میں ان کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دنیا میں "مطرود و ملعون" ہو جانے کے مرادف سمجھتے تھے۔ صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت ۔ ۔ ۔ ۔ (ص۲۳۴ ج از کتاب دوم)	چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی ۔ ۔ ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز و خود را مطرود و ملعون دارین سازد ۔ ۔ ۔ ۔ (ص۲۲۶ ایضاً)	لیکن عمر بن سعد چونکہ حسینؓ سے قتال و جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دنیا میں اپنے کو مطرود و ملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنھیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا۔ صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور

اس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے۔ سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آجانے پر بھی وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انھوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا ان راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں ۱۶ جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے" اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنھیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساتھ بیٹھ کرنیوں اور برادران مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی نوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہوگئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادرکشی سے روکتے رہے مگر بے سود۔ ابو مخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات ہیں خصوصاً نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی، یہ روایتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط" بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو افسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے ابو مخنف نے اسّی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

علمائے اخبار و مورخین آثار در شمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند	علمائے اخبار اور مورخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسین سے قتال و جدال کرنے کے لئے جمع

ایں جملہ را من بندہ یاد کردم وبا سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ وسہ ہزار در قلم آمد۔ (صفحہ ۲۳۰ ج ازکتاب دویم)	ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعد کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار تعداد قلمبند کی ہے۔

ان ہی مؤلف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسی ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔

ہمگان کوفی بودند و حجازی وشامی با ایشاں نبود (صفحہ ۲۳۱ ایضاً)، یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انھیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہیئے تھا مگر ان کو تو داستان سرائی کرنی تھی نہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ علاقہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا۔ تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج وسپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہو سکتی تھی اس زمانہ میں تمام ایران وخراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا سنہ ۵۳ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان درے وغیرہ کے علاقے تھے چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا از سرِ نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبید اللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہو جانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسی ہزار فوجی افراد کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد وغیرہ سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف غیر الحصول تھا بلکہ ناممکن۔ علمائے اخبار ومورخین آثار نے یہ نہ بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر مور شمار آخر کیوں۔ کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سو سوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لئے جن میں متعدد نو عمر تھے اور جدال وقتال

سے نا آشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضامین کو کیوں آتا کہ ان کی ان ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی ان کو تو امیر المومنین یزیدؒ ان کے عمال خلافت اور خاندان بنی امیہ کے خیالی ظلم وستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور فرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرتے تھے مثلاً یہ کہ:-

بالجملہ (حسین) میزد و میکشت دی افگند د لشکر از پیش روئے او چوں گورخر از شیر د گلہ از گرگ می رمیدند و در بہن دشت حرب گاہ می پراگندند تا ایں وقت بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار و نہ صد و پنجاہ کس از اں کفار را بیروں از خمداران با تیغ درگذرانید (ص ۲۹۹ ج از کتاب دویم)

خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے۔ اٹھا پھینکتے تھے اور لشکری ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑئیے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدانِ جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ایک ہزار نوسو پچاس نفر ان کفار میں سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نوسو ۱۹۰۰ سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکٹھے ۵ شعر اسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

بعلی الطھر من بعد النبی	و النبی الھاشمی الوالدین
خیرۃ اللہ من الخلق ابی	لجد جدی فانا ابن الخیرتین
والدی شمس و امی قمر	فانا الکوکب و ابن القمرین
امی الزاھر احقا و ابی	وارث العلم ومولی الثقلین

بھلا ان حسینی ونسبی تعلّیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمکدار ستارہ ہوں اس وقت موقعہ ہی کیا تھا حاشا

جناب! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں یہی راوی لکھتے ہیں کہ ذرا دم لیکر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثیر کو قتل کر ڈالا "قتل منهم خلقاً کثیراً" (ص۸۹)

ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی مؤلف "مجاہد اعظم" نے آپ کے اور آپ کے رفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانا ہے" پھر لکھتے ہیں کہ" اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار دوسروں کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے" (ص۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر باری ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بیہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اٹھا نہ گیا، دہاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے "فبکی ابکاء شدیداً ونادی" (ص۹۵) ابو مخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:۔

واجداہ، وامحمداہ، واابتاہ	ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابا، ہائے علی،
واعلیاہ، وااخاہ، واحسناہ،	ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی
واغربتاہ، واعطشاہ، واغوثاہ	وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے
واقلۃ ناصراہ، اقتل مظلوماً	مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل
وجدی مصطفٰے، واذبح	ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفٰی ہیں
عطشاناً وابی علی المرتضٰی	ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے
اترک مهتوکاً وامی	باپ علی مرتضٰی ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے
فاطمۃ الزہرا۔	جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا
(مقتل ابی مخنف مطبوعہ نجف ص۹۵)	ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مرد مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے یہ بین و واویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھئے۔

عمر بن سعدؓ اور ان کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں ان کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، پچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے (۱۹۰۰۰) لشکریوں کے لئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گذرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید حالانکہ طبری و دیگر تمام مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا، جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے۔ یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی، قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بُعدِ مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً وضعی اور بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ برادران مسلم اور ساتھ بیٹھے کوفیوں کا فوجی دستے کے سپاہیوں پر عاقبت نا اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکا یک اور غیر متوقع پیش آکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان یہ ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض لڑکے سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ وہ اس وقت ۲۳ برس کے سن و سال کے صاحب اولاد تھے اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی "خوشخبری" سنانے کو

ایک آدمی اپنے اہل وعیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتحمند کیا "لابشرھم بفتح اللہ علیہ
اصا ۲۹۲ تج طبری) حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں، یعنی اُن
کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے
ماموں سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ
صحابی تھے جنھوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی ان ہی کے ساتھ مدینہ
واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں
جن کو یہ "خوشخبری" پہنچانے کے لئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو
صحابہ کرام اور ان کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کے
بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں
سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی
۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے دو بیٹیوں کے نام حضرت موصوف کی دختر ام المومنین حفصہؓ کے
نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابوحفص سے موسوم کیا۔ شاید ان کے
نام "عمر" کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثران بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب
بنا ہو ان تمام مبالغات اور وضعی واختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؓ
اور آپ کے اہل خاندان کے موقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیر المومنین
یزیدؒ اور بنی امیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں چنانچہ ابن سعدؓ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے

موقف علی بن الحسینؓ

حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اپنے جذبات
وخیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار
حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا
سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ ان کے دھوکہ
میں نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک
آپ نے اُموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی ورنہ حقیقی
جذبات باغیانہ رکھتے تھے آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور
ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی
حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو جاتا ہے کہ یہ امت حضرت

علی زین العابدینؒ، کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اول سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا آپ نے دمشق میں امیر المومنین یزیدؒ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدینؒ) (ص۲۱۸ البدایہ والنہایۃ) اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیر المومنین یزید رحمہ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنی کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھے تھے (انساب الاشراف بلاذری جلد ۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری	واشرف القوم علی وادی القریٰ
یعنی جب فوج روانہ ہو کر وادی القریٰ	پہنچ جائے تو ابوبکر (ابن الزبیرؓ کی کنیت ہے) کہہ دینا
أجمعُ سکران من الخمر تریٰ	ام جمع یقظان اخاحث السُریٰ
کیا اسے تم ایک شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو	یا اس ہوشمندی کی جو دفادت ذو کسو بیزچین سمجھا ہو
وا عجبا من ملحدٍ وا عجبا	مخادع فی الدین یقفو بالعُریٰ
افسوس و تعجب ہے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے پر	جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے۔

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی۔ اور فرمایا :-

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ توقیر کے ساتھ بٹھانا وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔"
(طبری ج صہ)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے :-

ان امیر المومنین امرنی ببرّہ و اکرامہ (صفحہ ۳۹ جلد ۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیر المومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیر المومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ان کو دعائیں دیں اور کہا :- "وصل اللہ امیر المومنین" یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے۔"

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابوجعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :-

سال یحییٰ بن شبل ابا جعفر یوم الحرّة۔ ھل خرج فیھا احد من اھل بیتکؑ؟ فقال ماخرج فیھا احد من ال ابی طالب ولا خرج فیھا احد من بنی عبد المطلب، الزموا بیوتھم فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبة) وقتل الناس وسار الی العقیق سال عن ابی علی بن الحسین احاضر ھو فقیل لہ نعم فقال مالی لا اراہ فبلغ ابی ذلکؑ فجاءہ ومعہ ابوھاشم عبد اللہ والحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیة) فلما رای ابی رحب بہ واوسع لہ علی سریرہ ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد اللہ الیکؑ فقال مسرف ان امیر المومنین اوصانی بکؑ خیرا

فقال ابی وصل اللہ امیر المؤمنین۔

یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقر ؑ) سے واقعہ حرہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبد المطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادئ عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسین ؑ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن الحسین ؑ) کو پہنچی وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور حسن فرزندانِ محمد بن علی (ابن الحنیفہ ؒ) بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انھوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا مسرف نے کہا کہ امیر المومنین (یزید ؒ) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدین) نے کہا۔ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے

حضرت ابو جعفر محمد باقر ؒ کی اس روایت مفروضہ کو الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وسأل مسلم ابن عقبة قبل ان یرتحل من المدینة عن علی بن الحسین احاضر هو؟ فقیل له نعم فاتاه علی بن الحسین ومعه ابناه فرحب بهما وسهل وقربهم وقال ان امیر المومنین اوصانی بك فقال علی بن الحسین وصل الله امیر المومنین واحسن جزاءه (ج ۱ صفحہ ۲۳۰)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدین ؒ) کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں۔ اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں علی بن الحسین اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے فرزند بھی تھے مسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیر المومنین (یزید ؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی

وصیت فرمائی ہے پس کر حضرت علی بن الحسین
(زین العابدینؒ) نے کہا کر وصل اللہ امیر المومنین
یعنی اللہ تعالٰے امیر المومنین کو اپنی رحمت سے
ڈھانکے اور ان کو جزائے خیر دے

حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کی زبان سے امیر المومنین یزیدؒ کو "امیر المومنین" کہتے ان کو دعائیں دیتے سننا ناواقفوں اور "یزید دشمنی" کے ہزار سالہ پروپگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے کچھ نئی سی بات معلوم ہوگی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:-

"یزید کو امام وخلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱-۶۴ھ) میں با اختیار حکمراں تھے۔ صاحب سیف تھے طاقتور تھے عزل ونصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے، حدود شرعی قائم کرتے تھے، کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمراں ہونے سے نکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ (حضرت) ابوبکرؓ (حضرت) عمرؓ (حضرت) عثمانؓ حکمراں نہیں تھے یا قیصر وکسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔"

(ملخصاً منہاج السنۃ ورسالہ حسین ویزید)

زمانہ خلافت میں تو "امیر المومنین" سے مخاطب ہونا یا سرکاغذات میں نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا جانا عام بات تھی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ انساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہوچکا ہے جس میں انھوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیر المومنین لکھتے تھے۔ مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

• وولد معاویۃ امیر المومنین ... یزید امیر المومنین

(صفحہ ۱۰۳)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابو الحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنھیں امام ذہبی نے "احد الاعلام اور ثقہ رواۃ" اور ائمہ احادیث میں سے ثقہ وحجۃ

بلا نزاع" لکھا ہے (میزان اعتدال، جلد ۴ صفحہ ۴۲۶) یہ قول نقل کیا ہے۔ یعنی وہ فرماتے تھے کہ :-

"توفی امیر المومنین یزید فی تاریخ کذا"

یعنی امیر المومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا قاضی ابو ابکر بن العربی لکھتے ہیں۔

"فسماہ اللیث۔ امیر المومنین، بعد ذھاب ملکھم و انقراض دولتھم

یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی" امیر المومنین" کہتے تھے۔ جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا نام ولقب اس طرح لکھا ہے۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان بن حرب بن امیۃ بن عبد شمس امیر المومنین ابو خالد الاموی (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے۔ اس کی تکذیب میں باسناد صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔

(لسان المیزان)

حضرت علی (زین العابدینؒ) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ انھوں نے جرأت کے ساتھ بنی اُمیہ کے بعض اکابر کی امداد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؓ کی اہلیہ سیدہ عائشہ بنت حضرت عثمان ذی النورینؓ کی، ان کے گھر کے سازو سامان اور ان کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ ان سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے ان کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہ جب طائف جانے لگیں، اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیجدیا تھا (طبری) حضرت علی (زین العابدینؒ) ان کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ)، ان کے دادا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رخ دیکھا کرتے، جیسا کہ دشمنانِ صحابہ باور کرانا چاہتے ہیں، تو یہ سب حضرات حضرت ابن الزبیرؓ

سے بیعت کر کے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا۔ مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا عشر عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص خون لینے والے) تھے امیر المومنین یزیدؒ کے مخالف اور مدمقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی۔ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن الزبیرؓ کی بیعت سے انکار کرنے پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؓ۔ امیر المومنین عبد الملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہو گئے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اُموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملّیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہو گا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہو گا کہ آپ اس بغاوت کو ملّی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انى سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول يُنصب لكل غادر لواء يوم القيامة وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله و انى لا اعلم احداً منكم خلعه ولا تابع فى هذا الامر الا كانت الفيصل بينى وبينه۔

(صحیح بخاری، کتاب الفتن۔ جلد ۲ جزو ۲۹)

"حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؒ کی بیعت توڑ دی (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر عذر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی

بیعت توڑدی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں "باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ" یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہو کر اس کے خلاف کہنے لگے۔ غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا۔ اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیمان توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشے تھے۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن الزبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انھیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انھیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا:۔

فقال ابن عمرؓ، انی لم اٰتک لاجلس اتیتک لاحدثک حدیثاً سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول؛ من خلع یداً من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔

"ابن عمرؓ نے فرمایا، میں تمھارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمھیں وہ حدیث سنادوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا۔ اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت (زین العابدینؒ) اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ و فساد اور تفرقہ سے مجتنب۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) نے امیر المومنین یزیدؒ کے زمانۂ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی امیہ کا زمانہ پایا یعنی امیر المومنین مروانؒ کا۔ ان کے فرزند امیر المومنین عبدالملکؒ کا اور ان کے فرزند امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح

وہ بھی ان تمام خلفائے بنی امیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعی مورخ بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علی (زین العابدینؒ) میں قدیم سے دوستی تھی اور رشتہ داری بھی حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیر المومنین عبد الملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۸۰ والبدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو ان سے ادا نہ ہو سکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبد الملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں (البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس محبت و مودت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبد الملکؒ کو حضرت علی زین العابدینؒ کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں:۔ واحبھم الی مروان و ابنہ عبد الملک (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے بنی امیہ کے بارے میں بھی کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (صفحہ ۲۵۷ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروانؓ) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی۔ ان کے فرزند عبد الملکؒ نے اور سعید بن المسیب و عروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علی (زین العابدینؒ) نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وقد کان مروان من سادات قریش و فضلائھا (۲۵۷، جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) یعنی حضرت مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے اس زمانہ میں حضرت حسنؓ و حسینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق ابن محمد الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی (زین العابدینؒ) سے روایت

کرتے ہیں :۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان (صفحہ ۲۵۸، جلد ۸ ۔ البدایہ والنہایہ)

یعنی، جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد علی (زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسن وحسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر یالثارات الحسین " (یعنی خونِ حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کر کے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے مُنہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علی (زین العابدینؒ) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیر المومنین عبد الملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا " ان المختار بعث الی بمائۃ الف فکرھت ان اقبلھا وکرھت ان اردھا فابعث من یقبضھا یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرتے سے بھی ۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آ کر لے لے۔

امیر المومنین موصوف نے جواباً لکھا :۔ یا ابن عم اخذھا فقد طیبتھا لک فقبلھا " (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ البدایہ النہایہ) یعنی اے ابنِ عم آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے، پس آپ نے اس کو قبول کر لیا[1]۔

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہلِ فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور

---

[1] امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے ۔ مختار صاحب اقتدار ہے اور نیاز مندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے ۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین عبد الملکؒ اسے لینے کی اجازت نہ دیدیں ۔

کرانا چاہتے ہیں اُمویوں کی دین دشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دونوں باتیں حاصل کرسکتے تھے یعنی امویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انھیں چاہیئے تھا کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تا کہ ابن الزبیرؓ کے ہاتھوں امویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آجائیں تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا،

مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علی ازین العابدینؒ، حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ اُلٹی بات کیوں کی کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ نہ دیا مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا۔ امیر المومنین مروانؓ، امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے[1] جس کے نتیجے میں ایک صدی تک کے لئے تمام عالم اسلام امویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علی ازین العابدینؒ اور ان کے اہل خاندان کے اس موقف سے روز روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور اُمویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش ہیں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملّیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی و اموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت مودّت تھی اور تعلقات، مصاہرت تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی اُمیہ و بنی ہاشم ۔ مشہور مستشرق دے خوے De Goje نے اپنے

---

[1] سیدنا ابن عباسؓ اگرچہ امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

عالمانہ و محققانہ مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی اُمیہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک موقع پر لکھا ہے :۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے بنی اُمیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصون نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا بر طانیکا : ج - گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ و ادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں اور ہم تک پہنچیں، بہ کثرت۔ روایات بنی اُمیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے بنی اُمیہ کو ظلم و ستم، فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔ مگر ان کتابوں کے مولفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی نہ ان کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔ نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جو اکثر و بیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں فاضل مقالہ نویس اگر ان مضامین و کذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی امیہ کے مخالفانہ پروپگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مولفین ہیں، جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلا کسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مورخین نے۔ ابو مخنف لوط وغیرہ سبائی راویوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عماد اللہ حنفی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ بنی اُمیّہ اور شامیوں کے خلاف سب وشتم وتہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا:۔

"ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا" (نہج البلاغۃ: جز ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔ اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مولفین نے جو کتابیں تالیف کیں۔ اور راویوں نے روایتیں وضع کیں۔ اُن میں سب و شتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ حتیٰ کہ ان ہی اہل شام کو (یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو) جنھیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر و کافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت معاویہؓ اور بنی اُمیّہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں، جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی و کاتب وحی کو جنھیں قرآن پاک میں "کِرَامٍ بَرَرَةٍ" فرمایا گیا ہے۔ یعنی بڑی عزت اور بڑے پاکباز "اہل النار" میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا" (لکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً" (صفحہ ۵۶۰۔ خطبہ ۱۹۵ نہج البلاغۃ)

سب وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا دوسرے کو ہوا، لیکن بنی اُمیّہ کے خلاف کذب بیانی و

افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور امویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں۔ اُموی خلفاء اگر ایسے ہی تھے۔ جیسا دضاعین باور کرانا چاہتے ہیں، فاسق و فاجر تھے۔ منافق و کافر، ظالم و سفاک تھے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے ہیں۔[1]

صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی اُمیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل:۔

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؓ کے عقد میں آئیں، جو امیر المومنین عبد الملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم: صفحہ ۸۰)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبد الملکؒ کے عقد میں تھیں

(البدایہ والنہایۃ: ج صفحہ ۲۹)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اُموی کے فرزند

---

[1] دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں سب سے اہم چیز ہے حدیث و فقہ کی تدوین جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی ان کتابوں میں اموی صحابہ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انھیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ مؤطا شریف صحیح بخاری سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک امویوں کی خلافت امت کے نزدیک متفق علیہا رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ میدان میں اس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خوں ریز معرکے ہوئے ادھر خود عربوں میں تلوار چل پڑی حتیٰ کہ خود اُمویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

عبدالرحمن کو بیاہی گئیں (صہ۱۶ جمہرۃ الانساب بن حزم)، یہ امیر عامر اُموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اُموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:

(۱) سیّدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؒ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسینہ و علویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؒ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے، مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس سخیفانہ طرز میں لکھا ہے "خرجت الی الولید" (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی)، اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:-

وکان لزید (بن حسین بن علیؓ) ابنۃ اسمھا نفیسۃ خرجت الی الولید بن عبد الملک بن مروان فولدت لہٗ منہ وماتت بمصر وقد قیل انھا خرجت الیٰ عبد الملک بن مروان وانھا ماتت حاملاً منہ والاصح الاوّل وکان زید یفد علی الولید بن عبد الملک و یقعدہ علیٰ سریرہ ویکرمہ لمکان ابنتہ ووھب لہ ثلٰثین الف دینار دفعۃً واحدۃً۔

(عمدۃ الطالب صفحہ ۶۹ طبع اوّل مطبع جعفری لکھنؤ)

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبد الملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبد الملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں۔

یہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

ان جناب مولف نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر "خرجت الی" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ ام کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے "واول فرج غصبت منا" (یعنی یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ معاذ اللہ۔

معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداءً اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہو گیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا: ما سمعتُ ھذا اقط (ص ۲۶۲ ج البدایہ والنہایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعت کے عقائد سے تائب ہوا۔ ورجع الی السنۃ ومتابعتھا (ص ۲۶۲ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت واتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا)۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولیدؓ بن عبد الملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحہ ۳۶) یہ زینب حضرت محمد (الباقرؒ) کی سالی اور عبد اللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؓ مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکہ قتال وجدال میں شریک ہو کر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے۔ اور زخم مندمل ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؓ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسن کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؓ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں

(جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ وکتاب المحبر صفحہ ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروانؓ بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسے ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ وصفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبد الملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے۔ یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندانِ اسمٰعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبد الملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اُموی نواسے محمد الاکبر، حسین و اسحٰق و مسلمہ پیدا ہوئے۔ (ص۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازدواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس ۳۶ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے، اس عرصہ میں ۲۹ خاتونوں اور اُمّ ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ ام ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم) شیعہ مورخ ونسابہ مؤلف عمدہ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب ان کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

لامیر مؤمنین فی اکثر الروایات ستۃ وثلاثون ولدًا ثمانیۃ عشر ذکرًا وثمانیہ عشر انثیٰ (ص۴۴)	یعنی امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں (صفحہ ۴۴)

دختران علی زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباسؓ اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۳) (تزوج منھن ایضاً عبد الملکؒ بن مروان (ص۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان

میں (بنات علیؓ ہیں) سے اسی طرح عبد الملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان رشتوں سے جو بنی اُمیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی اُمیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی و سماجی و معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور "امام" زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔ اب تصویر کا وہ رُخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔

سنہ ۴۰۰ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے خود تصنیف کر کے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کر کے شامل کتاب کئے ہیں ان میں سے متعدد خطبات میں عبد الملکؒ اور اُن کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص ہے، نیز ان لشکرکشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبد الرحمٰن بن الاشعث کے مقابلہ میں خلیفہ اُموی نے کیں حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت موصوف کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس اموی خلیفہ عبد الملکؒ کو حضرت علیؓ کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کیے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :-

"کانی انظر الی ضلیل قد نعق بالشام الخ" یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اس نے نواحِ کوفہ میں اپنے عَلَم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں۔ وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دنوں میں اس کے ظلم و ستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور و الم کی گزندگی

میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے بحال ہو جائیں۔ اس کا گلوشگفتہ شتر مست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ وتار اور بحر متلاطم دموّاج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کو توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر ہو۔ تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بنی مروان) دوسرے گروہ (یعنی بنو عباس) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھینچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں[1]

حضرت علیؓ کی وفات سے تینتیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی۔ آپس میں محبت تھی۔

وقد كان عبد الملك يحب مصعباً حباً شديداً وكان خليلا له

---

[1] اہل تاریخ نے زوال خلافت امویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتحمندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چن چن کر اموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انھیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے امیر عبدالرحمٰن الداخل جنھوں نے ہسپانیہ میں اموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی ۰دست بُرد، سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انھوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا۔ اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہسپانی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپگنڈا کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں امویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم و مصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی امویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

قبل الخلافۃ (صفحہ ۳۱۶ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

(یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے)

عبدالملکؓ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؒ جدال وقتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کر دیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکر کشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکن میں سخت رن پڑا۔ اموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن امیر معاویہؓ کے فرزند عبداللہ کر رہے تھے اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن امیر یزید بن امیر معاویہؒ۔ مصعب کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن امیر یزیدؒ نے سخت حملہ کر کے قتل کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعب ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کو امان دیں۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی:۔ ان مثلی لا ینصرف عن ھذا الموضع الا غالباً او مغلوباً۔ یعنی "مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا۔" پھر ان کے بیٹے عیسٰی بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے ان سے کہا:۔

"اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے۔"

ان کے باپ نے بھی یہ سن کر ان سے کہا کہ: "تمہارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کر لو ہٹ جاؤ!"

بیٹے نے جواب میں کہا، لا یتحدث نساء قریش انی اسلمتہ للقتل (صفحہ ۳۱۵) یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر کہا: واللہ لا یتحدث قریش انی فررت من القتال (یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہ تھی ذہنیت سادات قریش وشجاعان عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال وقتال کے عین وقت بھی۔ مصعب جب قتل ہو گئے۔ عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا:۔

لقد کان بینی وبین مصعب صحبۃ قدیمۃ وکان احبّ الناس الی ولکن هذا الملک عقیم (صفحہ ۳۱۶ ایضاً) یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت وسلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس ۳۰ اکتیس ۳۱ برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوعِ انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلّم الاخلاق کی تعلیم وصحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنۃ بنی اُمیۃ الخ یعنی "آگاہ ہو جاؤ تمھارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی اُمیہ ہیں۔ بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ"

خطبہ ۱۳۰ میں حضرت مروانؓ کے لئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسا کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے۔ اور قریب ہے کہ اُمّت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سُرخ موت نصیب ہو شارح نہج البلاغۃ کے نزدیک ان چار سے مُراد یا تو بنی عبد الملک ہیں۔ یعنی الولیدؒ وسلیمانؒ ویزیدؒ وہشامؒ یا بنو مروانؒ ہیں، یعنی عبد الملکؒ، عبد العزیزؒ، وبشرؒ ومحمدؒ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ پھر ایک اور خطبہ ۱۲۳ میں بنی اُمیہ کے لئے جن میں سے بہنوں کو خود ان کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کے لئے باقی رہا تو میں انھیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔"

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا

علم نہیں - سورۂ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ -

(اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں - نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے)

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے - لو فرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبد الملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسین رضؓ کے داماد مصعبؒ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہونگے اور عبد الملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی مروان میں سے اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی، کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کے حبالۂ عقد میں دختران علی المرتضیٰؓ دی گئیں، کیوں بنی مروانؒ اور ان کی اولاد و احفاد سے "امام زادیوں" کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت و مودت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تختِ خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ "امام زادے" جو ان کے خسر تھے حاصل کرتے رہے - کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو اُن کی وفات کے تین سو ساٹھ برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے ان کا کلام ہے جو مبتذل اور رکیک کلمات سے مملو ہے - حاشا جنابہ! اور نہ امویوں اور ہاشمیوں میں نسلی و خاندانی عداوت تھی -

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان "نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں" لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالجات

سے پیش کی تھی جو "مولدۃ" کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات کے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج ہوئے۔ جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت ممدوح کی زبان سے مولف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید و تکذیب کے لئے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن میں سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولادِ حسینؓ کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنئے:-

۱- حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؒ کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؒ سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابوزبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُمِ یزید تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ و کتاب نسبِ قریش صفحہ ۵۹)

۲- سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمانؓ سے ہوا تھا۔ پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمہرۃ الانساب صفحہ ۹۷، کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ و کتاب المحبر صفحہ ۴۳۰)

۳- حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے تھیں، امیر المومنین مروانؒ کے پروتے العباس بن الولید بن عبدالملک بن مروانؒ کو بیاہی گئیں (صفحہ ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)[1]

---

[1] غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس، اور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن جعفر کے ؟

۴۔ حضرت حسین رضؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اُموی خاندان میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورین رضؓ سے ہوا جن سے حضرت حسین رضؓ کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۶ و مقاتل الطالبین صفحہ ۱۸۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۵۔ حضرت حسین رضؓ کے ایک پروتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسین رضؓ کے دو پروتے محمد و عبداللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۵۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۴)

۶۔ حضرت حسین رضؓ کے ایک اور پروتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسین رضؓ کی شادی اُموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذی النورین رضؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسین رضؓ کے عثمانی پروتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۷۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۶۵)

دیگر قرابتیں

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسین رضؓ کی اولاد کی اموی و مروانی خاندان میں ہوئیں اب ان کے بھائی عباس بن علی رضؓ اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سنیئے:۔

۷۔ حضرت حسین کے بھائی عباس بن علی رضؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی رضؓ کی شادی امیر المومنین یزید رحؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ رضؓ سے ہوئی اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزید رحؒ کے دو پروتے علی و عباس[۱] فرزندانِ عبداللہ بن خالد بن یزید رحؒ ہوئے (جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۹)

---

[۱] ۔۔۔ کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

سلہ امویوں کے یہ نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت امویہ ہیں۔

ان میں سے ایک علی بن عبداللہ مذکور تے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین ماموں الرشید عباسیؒ کے خلاف باڈ عائے خلافت خروج بھی کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علیؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود تھے۔ معرکۂ قتال میں شریک ہو کر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علیؓ کو "سقائے اہلبیت" بھی کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیر المومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان "سقائے اہل بیت" کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیر المومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی آقتدار بھی باقی نہ رہا تھا آلِ معاویہؒ کے بجائے آلِ مروانؓ خلافت پر فائز تھے۔ جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو۔ وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اسی قسم کی قرابتوں کے ہوتے سے جو واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں۔ یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابو مخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ مؤلفین و وضّاعین ہیں جنہوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مورخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ مجالس اور مراثی میں بیان ہو کر زبان زدِ خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفّین و کربلا کے بعد کے ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و زینبی و عبّاسی اکابر اپنی بیٹیاں اُموی خلفاء کو اور ان کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی

سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پروتے سلیمان بن امیر المومنین ہشام بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروانؓ سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاحِ ثانی حضرت ابو سفیانؓ کے پروتے ابو القاسم بن الولید بن عتبہ بن سفیانؓ سے ہوا۔ ان ابو القاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت حضرت عبیداللہ بن العباسؓ بن عبد المطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور ان کے اُموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ امیر المومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانۂ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابو القاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ حضرت حسین کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیارؓ کی صاحبزادی بیاہی گئیں (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۰۲)

۲۔ حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ اُمِّ کلثوم بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں، اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہو جانے پر طلحہ بن عمر بن عبید اللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان اُمِّ کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہو جانے پر اُموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہو گئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ وجعفریہ خاتون کا اموی خاندان میں ابان بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا، ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب کے عقد میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ ۹۰ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحات ۶۱ و ۱۱۴ وکتاب نسب قریش صفحہ ۸۳)

۳۔ حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی دوسری صاحبزادی سیدہ اُمِّ محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان اُمِّ محمد کی حقیقی بہن اُمِّ ابیہا، امیر المومنین عبد الملکؒ کی زوجہ تھیں، طلاق ہو جانے پر حضرت علی بن عبد اللہ العباسؓ بن عبد المطلب کے عقد میں آئیں۔ یہ دونوں بہنیں اُمِّ محمد و اُمِّ ابیہا اور چار بھائی یحییٰ و ہارون و صالح و موسیٰ، حضرت عبداللہ بن

جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔
(کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۲)

۴۔ حضرت علیؓ کے ایک نواسہ اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنت حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر لعدہیں "علی الزینبی" کہلائے۔ اُن کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروانؒ سے ہوئی تھی۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد پھر وہ اُسی اموی و مروانی خاندان میں بکار بن امیر المومنین عبدالملکؒ کے عقد میں آئیں اور بکار اموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المجر صفحہ ۴۴۰)

۵۔ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اُموی خاندان میں سعیدؒ بن عبداللہؓ بن عمروؓ بن سعیدؒ بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں (ص۷۶ کتاب نسب قریش)

یہ سب بیبیٔ قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیر المومنین یزیدؒ اور ان کے دوسرے اُموی عزیزوں سے ہوئیں ورنہ یوں تو بنو ہاشم و بنو اُمیہ میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن اُمیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اُموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضاء اُم حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذی النورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی اُم جمیل (حمالۃ الحطب) حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں

قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسینؓ اولاد اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؓ و محمد الحنفیہؒ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپؐ نے حضرت ابو سفیانؓ کی صاحبزادی ام المومنین امِ حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ (سورۂ ۱۰۶ آیت ۷)

یعنی شاید اللہ تعالٰی تمہارے اور ان کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کر دے۔

فکانت المودۃ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیبہ بنت ابی سفیان فلان ابو سفیانؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتلك المودۃ

پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی دختر امِ حبیبہ سے نکاح کیا، جس کی وجہ ابو سفیان (کے دل میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی۔ پس یہی محبت کا موجب تھی

(صفحہ ۸۹ کتاب المجر علامہ جعفر محمد متوفی ۲۴۲ھ)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابو سفیان کو آکر سنائی۔ انھوں نے کہا "اچھا ہوا محمدؐ اس کے بہت اہل ہیں"۔ یہ بات سیدنا ابو سفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمد و رفت اور میل جول مہاجرین و اہل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ (ابو سفیانؓ اور ان کے بیٹے حضرت امِ حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے۔ آپؐ سے اور ان سے دوران ملاقات میں گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابو حنظلہ (ابو سفیان کی کنیت، کیا تم بھی ایسا سمجھتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت صلعم سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے

تم ان کے ہمنوا کیوں ہو۔ اسی زمانہ میں یعنی فتح مکّہ سے قبل ہی اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکّہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم کے فرمانے سے ان کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تاکہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اس نوید کے ساتھ ان کو مکّہ بھیجا گیا تھا کہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے صاحبزادوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ میں رکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لائے تھے۔ پھر ان کو نجرآن کا والی مقرر کیا۔ وہی نجرآن جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ عہدۂ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح ان کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیمار کا والی مقرر کیا۔ اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کے لئے بھی ان میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا جس کی عظمت ایمانی و طہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبانِ وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحھم اللہ کہتے ہیں کہ انھیں کتابت وحی کے لئے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کے لئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لئے امانت و ایمان ضروری نہ ہو مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ان اُموی خسر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کو مدینے میں رکھا۔ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ غزوۂ طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفّار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ انھوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہو گئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں ان کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکر اسلامی کی حیثیت

سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہو جانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انھوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدّتِ خلافت میں صرف انھی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ حضرت موصوف نے کسی عامل کو جن میں صحابہ کبارؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت اُم المومنین اُم حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ماموں اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے ان سے جو حسن سلوک کیا، گرانقدر وظائف و عطایا مقرر کئے ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اٹھا اور نوبت جنگ و جدل کی پہنچی اور بعد میں صلح پر منتج ہوئی، وہ سیاسی اختلافات تک محدود رہی، بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جو مخالفت پیدا ہوئی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی اُسی شدّت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے، حقائقِ تاریخ کے قطعاً خلاف ہے صفّین اور کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہیں۔ ہاشمی و اموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی و سفیانی و مروانی گھرانوں میں علوی و حسنی نواسے نواسی اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اُموی و مروانی نواسے نواسی صفّین و کربلا کے بعد پیدا ہوتے بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔

جناب عباس بن علیؓ کے نواسے علی بن عبداللہ بن خالد بن امیر المومنین یزیدؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "میں شیخان (سرداران) صفّین کا پوتا ہوں۔"

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت و مودّت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت و عناد کا، جس کے بارے میں وضّاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں۔ کتابوں میں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہبی

جامہ پہنانے اور واقعاتِ تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ

حادثۂ کربلا کے بعد کی ان قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہو چکی ہیں اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے۔ جیسے جناب عباس بن علیؓ یا مجروح ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے جیسے جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی شریک زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ ان ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو، ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی مخدرات، پردۂ عصمت وعفاف کو بے پردہ اور مشکوف الوجہ پھروایا ہو، مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کرواکر اپنے پاس منگوائے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑیاں ماری ہوں، ان سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو۔ لاشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور و کفن ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو، غرضیکہ درندگی اور بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک وخون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسنیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنے شادی بیاہ کے رشتوں کو، مناکحت و مصاہرت کے خیال تک کو گوارا کر سکتی تھیں؟ صنفِ نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت وحمیت کو زمانہ جانتا ہے۔ جان جائے پر آن نہ جائے پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑ رہا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر و مال کو پشیز دنیاوی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان ہی

کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے ؎

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال!
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرّہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول ومنظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب وتاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب وافترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں مگر ان کی صحت وصداقت واصلیت کا واضح و بیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب وتاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علیؓ برادر حسینؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزیدؒ کے حبالۂ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبیداللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذاتِ خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو "سقائے اہل بیت" کے یہ فرزند دلبند اپنی نورِ دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے' جہاں ان کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لاکے رکھا گیا ہو۔ جہاں ان کے چچا حضرت حسینؓ کے سر کی بےحرمتی کی گئی ہو' جہاں ان کے دوسرے چچوں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو! ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم وجور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں ہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی وہ ایک حادثۂ المیہ تھا جو برادرانِ مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکایک پیش آ گیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دادیا گیا تھا۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کے لئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنادیا ہے درایتاً نظر ڈالی جائے تو بآسانی مستور حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے "موازنہ انیس و دبیر" میں ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"کربلا کے واقعات جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری میں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔"

علامہ موصوف کے پیش نظر "قال ابو مخنف" والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ لبی کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ پڑنے کا۔ خود ابو مخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیر المومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ "واللہ اے امیر المومنین یہ معاملہ بس اتنی دیر میں ختم ہوگیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپک جائے" فو اللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزور او نومۃ قائل (طبری ج ۶ ص ۲۶۶) اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہوسکتا ہے۔

مؤلف ناسخ التواریخ نے "در ذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا" کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن و دفن کا انتظام ان کے صاحبزادے علی ابن الحسین (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کرسکتا اور اس وقت سوائے "امام زین العابدینؒ" کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ

پڑھی اور دفن کرکے لوٹ گئے۔

ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و بر اں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر او را کفایت کرد و مراجعت نمود۔ (ج کتاب دوئم ص۳۱)	اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔

بہر حال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالدؓ[1] بن عقبہ بن ابی معیط اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے کی نماز میں شریک تھے "شهد جنازة الحسين" (جمهرة الانساب ص۱۰۶)، تو کیا سر یزیدؒ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی! انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سر حسینؓ کے یزید کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے (الوصیۃ الکبریٰ ص۳۰)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں مثلاً تدفین "راس الحسین" کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کئے گئے ہیں، جن کی تصریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کرکے ذیل کی جدول میں درج کی جاتی ہیں[2]۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

---

[1] ان کی بہن اُم کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہے تھے۔ حضرت خالدؓ کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہ ہوئے ان میں سے چند اندلس جا بسے تھے ان ہی میں عبد اللہ بن عبید اللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالدؓ کے پوتے تھے اندلس کے الجزائر الشرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

[2] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں ان سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ کو ان کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انھوں نے چالیس دن بعد کربلا آکر دفن کئے (ص۳۵۳ ج۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)،
۲	مدینہ منورہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیجدیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیس دمشق میں دفن ہوا (ناسخ التواریخ)،
۴	عسقلان	دمشق کو جب یہ سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عامل نے سر حسینؓ لیکر وہیں دفن کر دیا تھا (ایضاً)،
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے ایک غلام نے حضرت کا سر چھین لیا۔ (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود (ص۳۵۳ ج۲ ناسخ التواریخ میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تین برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا	سلیمان بن عبد الملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی امیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلعم جو خواب میں ملا تھا نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔
۷	خزانہ بنی امیہ میں ۷۵ برس محبوس رہ کر کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۳ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی امیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا "ھذا راس الحسین بن علی" اس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۸ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کر کے قاہرہ (مصر) میں دفن کرا دیا جہاں اب مشہد حسینؓ کی عالیشان عمارت ہے۔

سرکٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں سرِ حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات کے ساتھ

جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ الرّاسُ مَعَ الجسدِ والجسدُ مع الراسُ (ناسخ التواریخ ص۳۱۳) یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرا دیا چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں، اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا "پس آں سر ہمایوں با جسدِ خویش پیوستہ است" (ایضاً)، مگر مولف "مجاہد اعظم" نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ ریمارک کرتے ہیں کہ "اس زمانہ میں جناب امیرؑ کے مزار پُر انوار کا حال سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا"[۱] (ص۴۱۲) اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین سو اتین سو برس تک کسی کو بھی علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضدالدولہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو

۱؎ مورخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر اور کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تاکہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گذرا رات کو ڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ صندوق میں بھی مال ہے ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے، پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں و علمت الرافضۃ قبر من ھذا الرجم بالحجارۃ (ج۱ ص۱۳۵) ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں فان علیاً لایعرف قبرہ۔ صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس م

تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے ایک غلام نے سر حسینؓ چرا لیا۔ آں سر مبارک را دزدید (حیات القلوب ص۵۹۶) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چرا بھی لیا ہو تو راہ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا' اسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مولف "مجاہد اعظم" اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ "جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے۔" (ص۳۲۲) نجف و مدینہ و عسقلان و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے دوبارہ کربلا آ کر دفن کیا ہو کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں اس لئے مولف موصوف فرماتے ہیں کہ "ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے کربلا بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" (ص۳۲۳) اب اس روایت کو بھی سن لیجئے جس کے "مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" وہ روایت یہ ہے:۔

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبدالعزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) تفحص نمود و آں زمین را نبش کرد و آں سر مبارک را ماخوذ داشت و کس ندانست کہ آں سر چہ صنعت کرد چوں گماں میرود کہ دیندار بود تو اندشد کہ بہ کربلا فرستاد و با جسد مطہر ملحق ساخت۔
(ناسخ التواریخ از کتاب دوم ص۳۴۷)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سر مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا گیا چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دیندار شخص تھے ہو سکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔

۲؎ اس قبر کا حال معلوم ہو گیا انھوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے جگہ لامعلوم ہے جہاں علیؓ دفن ہوئے۔
(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں اڈیشن)

امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کُل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد پس اگر اس روایت کے "مان لینے کے سوا چارہ نہیں" تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے کہ اس مدت چہل سال ہیں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو یوں کھدوا ڈالا جاتا۔

اور یہ کام بھی وہ اُموی خلیفہ کرنے لگا کرتے جو عالم فاضل تھے زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔ مولف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انھیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود ملا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ "در سر مبارک سید الشہدا کر خلاف میان عامہ بسیار است و ذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد" فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت رسولؐ آں سر گرامی را با خود برد و آں شکے نیست کہ آں سر و بدن باشرف اماکن منتقل گردید و در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔
(جلاء العیون صفحہ ۵)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سر گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن دونوں اشرف اماکن کو منتقل ہو گئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہو گئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔

ملّا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ "حدیث" بھی پیش نظر رکھئے جو ابو مخنف نے روایت کی ہے، یعنی طرماح کہتے ہیں کہ میں "کشتگان یوم طف" کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور ان کے آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا، میں نے سمجھا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ تن مبارک حسینؓ کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس آکر گھوڑے سے اتر پڑے اور بیٹھ گئے اس وقت کہ سر ہائے شہدا کو کوفہ کی جانب لے جا رہے تھے، ان صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سر حسینؑ

آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہو گیا! سر حسینؑ در رسید و با تنش ملحق گشت (ص ۳۱۱ ناسخ التواریخ)، طرماح کا بیان ہے کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے یا ولدی قتلوک اترا ھم ما عرفوک ومن شرب الماء منعوک (اے میرے بیٹے دیکھا تجھے قتل کر دیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کر دیا، یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

یا ابی آدمؑ ویا ابی ابراھیمؑ ویا ابی اسمٰعیلؑ ویا اخی موسیٰ ویا اخی عیسیٰ اما ترون ما صنعت الطغاۃ بولدی - لا انالھم اللہ شفاعتی - (ص ۳۱۱ ایضاً)	اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے ابا اسمٰعیل اور اے برادر موسیٰ اور اے بھیا عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا - اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہؐ ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیا ہیں، اب دیکھئے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً بابا آدمؑ کی موجودگی میں سر حسین جسدِ حسین سے پیوست و ملحق ہو گیا تھا اور ایک اور روایت کے بموجب اُم المومنین[1] اُم سلمہ سے خواب میں آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرتؐ جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہو کر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؑ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور "متفدی کفن و دفن" ہو کر اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہرا؂ عراقی شیر "ابو الحارث" کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لئے لائیں تھیں اور اس ہیبتناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور ان کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے

---

[1] ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے فوت ہو گئی تھیں۔

بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔

"راہ لشکر را گردانید و از یں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص۴۷۵) جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علیؓ بصورت "شیرے ہائل المنظر و ہیبتے عظیم" حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص۴۰۳) تو بریدن سر مبارک کی اور مختلف دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ بریں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں:۔

"دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لئے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں" (ص۳۰۳)

مگر تعداد ان سروں کی دو چار دس پانچ تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکیتے (۸۲) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لاد کر گئے تھے۔ بہرحال تعداد (۸۲) ہو یا (۷۲) غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اتنے اچنبھے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، جوانان بنی ہاشم و نونہالان اہلبیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں، ان کے سروں کا آخر کیا ہوا۔ یہ سب کہاں دفن ہوئے کس نے دفن کئے۔ کب دفن کئے۔ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے ان کے سر کو خلیفہ وقت اور ان اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا۔ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) وعباس و جعفر و عثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے ان کے رشتہ کا ماموں شمر بن الجوشن[1] ہی لے کر گیا تھا پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے

---

[1] شمر بن ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور ام البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرہ ابن حزم ص۲۶۵) کہا جاتا ہے کہ م

کیا گیا، کہاں دفن کرایا۔ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مورخین کی خاموشی معنی خیز نہیں؟ سیدہ[۲] سکینہ بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ، حادثہ کربلا کے ۷۵ برس بعد تک زندہ رہیں وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی ان کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچوں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا۔ دفن ہوئے یا نہیں۔

---

[۱] لڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر "این بنو اختی عبد اللہ وجعفر وعثمان وعباس" (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ وجعفر وعثمان وعباس) انھیں امان دی تھی (ص۲۱۱ ج۲ تاریخ طبری)۔ شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے، جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ ج ۸ ص۱۸۸) الصُّمَیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبت ہوا اور صاحب نسل۔ شمر ہی کے دادھیالی رشتہ کے دادا حضرت مولہؓ بن کیف رسول اللہ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح وبلیغ تھے کہ "ذالمسانین" کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے انھیں "سید العرب" کہا تھا۔

[۲] سیدہ سکینہ اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین بنی ہاشم میں سے تھیں۔ ان کے شوہر مرتے گئے۔ کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی امیہ کے خاندان میں کئے تھے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کی مختلف دیار و امصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔ قیس[۱] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ (۱۶) شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ (۱۲) جماعت بنی تمیم (۱۷) گروہ بنی اسد (۱۸) مردم مذحج (۷) دیگر قبائل (۱۶) میزان کل (۸۶) یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد (۷۲) ہے۔

۱؎ ناسخ التواریخ میں قیس ابن اشعث کو "قائد قبیلہ کندہ" لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعث رضؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا انھوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علیؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعثؓ زوجہ حسن بن علیؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر کو زہر دیکر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیسؒ جو حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص۱۴۲) اپنے والد ماجد حضرت اشعثؓ کے ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے یہ وہی محمد بن اشعثؒ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ کو امان کا وعدہ دیکر گرفتار کرا دیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعث کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنھوں نے اموی خلیفہ عبدالملکؒ اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں بالآخر دیر جماجم کے خونیں معرکہ میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور بالآخر کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو

کوفہ و عراق والجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ :-

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سرہائے شہدائے اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر و دیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گیرند و از خلافت آل علی مایوس گردند و دل در طاعت یزید بندند لاجرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت و ذلت کوچ می دادند و بہر قریہ و قبیلہ درمیبردند۔

(ناسخ التواریخ ص۲۳۳)

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تاکہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں لہذا (حکومت کے) لشکری اہل بیت کو رسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے

ایک شیعہ اہل قلم مولف "مجاہد اعظم" ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ :-

"کوفہ جناب امیر کا دار السلطنت رہ چکا تھا، باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہوا خواہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے

---

۲ (قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے ایسے عالی خاندان کے قائد و سردار کا تمام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لیجانے کے سلسلہ میں اس طرح بننا جس ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا (ص ۳۸۶)

مولف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی ان پر منکشف و ہویدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر جس کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں، یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاش غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے خود روایتوں میں دیومالائی انداز کی جو خرافات ہے وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ایمہ رجال کذّاب کہتے ہیں، ان داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا حسینؓ کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا۔ سورۂ کہف کی آیتیں زبان پر جاری تھیں، اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گذرا انھوں نے اپنے کانوں سنا کہ اَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا کی تلاوت کر رہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ

"اے پسر رسول خدای سر مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم" (ص ۲۲۳)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سر حسین سے آواز آئی یا ابن وکیدۃ اما علمت انا معشر الائمۃ احیاء عند ربنا۔ (ص ۳۳۳ ایضاً)

یعنی "اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں"۔ گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سر حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی وہاں موجود بتایا ہے تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرائی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندان مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زیدؓ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ کو

چومتے دیکھا ہے وہ باز نہ آیا بلکہ انھیں "عدو اللہ" کہہ کر قتل کی دھمکی دی (ص ۳۲۷) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (و لعویل و نالہ فریاد برداشت واز نزد او بیرون شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کر کے انھیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا۔

"اے مردم عرب! اے جلید عباد اکشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام دادید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما (ایضاً ص ۳۲۷ ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سر حسین کے تلاوت سورہ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا پھر کیا تھا جو مورخ و مولف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے۔ درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر کہ وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا حسینؓ نے وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کر کے معاملہ ختم کریں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی و بینہ رایہ (طبری ص ۲۳۵ ج) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دیدوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں۔"

وہ اس مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی، صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کر لیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمیں سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سدباب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ تھے، چند اور بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائے جب تک اس کے خلاف تلوار نہ اٹھے اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکایک تلوار چل پڑی اور یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔ ان حالات میں کون

صحیح العقل یہ باور کرسکتا ہے کہ پس ماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زہیر بن قین کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انھوں نے اس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جا رہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتھیار رکھدیں :—

فخلوا بین ھذا الرجل و بین ابن عمہ یزید بن معاویۃ فلعمری ان یزید لیرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین (طبری ج ۲ صفحہ ۲۴۳)

ان صاحب (حسینؓ) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو (ان کا راستہ مت روکو) میری جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گزاری سے حسینؓ کے قتل کے بغیر راضی رہیں گے۔

مقتولین کے سروں کی اور پس ماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مولف "مجاہد اعظم" نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے! کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا وہاں سے ایک مقام "شرقی الحصاصہ" اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پر ہوتے ہوئے موصل وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین وقنسرین وحلب وحماۃ وحمص وبعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پس ماندگان کی تشہیر کے عراق والجزیرہ ونواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نوسو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، جنکی ایک دو مثالیں بھی سنتے چلئے۔ مثلاً پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا، پچاس سواروں نے جو سر حسینؓ کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکایک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی آسمان کے دروازے کھلے" وہی دیکھ کہ آدمؑ ونوحؑ وابراہیمؑ واسمٰعیلؑ واسحٰقؑ وخاتم انبیاء محمد مصطفیٰ!"

آسمان سے نیچے اُترے ۔ جبریل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے
آتے ہی جبریل نے سرحسین کے صندوقچہ کو کھولا اُسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا
پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفےٰؐ سے تعزیت
کرنے لگے، جبریل نے کہا کہ کہئے تو میں زمین کو آپ کی اُمّت پر اسی طرح الٹ کر دوں
جس طرح قوم لوط پر کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب
لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں
کو ہلاک کر دیں، چنانچہ فرشتوں نے ۴۹ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے،
وہ ایک بچ گیا، جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ ص۳۱۲) اسی طرح
کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب
بھی مسلمانوں کے اپنے نبی کی ذریت پر ظلم ڈھانے اور سرحسینؓ کے معجزے دیکھ
دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابومخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور
دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے
جن میں "ہاتف" تک نے "بنی زیاد" پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس امت
نے حسینؓ کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید
کرسکتی ہے ۔ پہلا شعر تو یہی تھا ؎

اَترجوا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيناً   شَفاعَةَ جَدّهٖ يَومَ الحِسَابِ

اسی طرز و لہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے
جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے
تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است ، ان میں سے دو
ایک آپ بھی سنیئے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سنی کہ سر
حسینؓ ان کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس و خزرج[1])
کے چالیس ہزار سوار اکھٹے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا اربعین الف فارس	اوس و خزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع
من الاوس والخزرج وتحالفوا	ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان
ان یقتلو اھم ویاخذ و منھم راس الحسینؓ	لوگوں کو قتل کر کے ان سے سر حسین چھین

[1] روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں کی تعداد کبھی اس تعداد سے ؟

وحيث قبرہ عندھم يكون فخراً لهم الى يوم القيمة۔ (ص۱۱۲ مقتل ابی مخنف)

لیں اور اپنے یہاں لاکر اسے دفن کر دیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان کے لئے موجب عزت و افتخار رہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرون شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عز و افتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو سیتبور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے (ص۱۱۳)

آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا ایک پہر رات گذری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق میں سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں، آسمان کے دروازے کھلنے لگے۔ فرشتے فوج در فوج اترتے اور سرِ حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے۔

السلام علیک یا ابنِ رسول اللہ، السلام علیک یا ابا عبد اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیک۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے، وامہ فاطمۃ الزہرا وجدہ محمد المصطفیٰ" ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد المصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا تم پر ہلاکی ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولہا اذا قتل ھذا الرجل تمطر السمآء

ہمارے احبار (مسیحی علماء) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ

---

۲ چوتھائی بھی نہ تھی جو کہ موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دور ان کی اتنی کثیر تعداد بتانا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں، لغو بیانی کی انتہا ہے۔

دماؤ ولا یکون ھذا الاّ بقتل نبیّ او وصی نبی ۔ (ص۱۲۰ ایضاً)	صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائیگا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کے لئے سر حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگا لیا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سر حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔

صاحب ناسخ التواریخ بحر اللئالی اور شرح شافیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ :۔

سر حسین با راہب تکلم فرمود و شفاعت او را در قیامت بر ذمت نہاد (ج ازکتاب ششم ص۳۴۸)	سر حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں کھولیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف تو وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔ لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للّٰہ و انا الیہ راجعون خسر الدنیا و الآخرۃ مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید (ناسخ التواریخ ج ص۳۴۸)	خولی کہنے لگا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کر دی کہ اس راز کو چھپائے رہو۔ [1]

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلہ میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ

---

[1] ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابلِ داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اٹھی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔

نے بھی چھانٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سنئے جو اس کذّاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مردِ شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے، شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اسکی طرف دیکھا الٹے پیروں بھاگ پڑا اور جا کر کہنے لگا کہ ان کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت نظر آئی، شرم دامنگیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہ کو قتل کروں فاستحییتُ ان اقتلُ شبیھاً لرسول اللّٰہ (مقتل ابی مخنف ص۹۱) پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انھوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا ہے مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہو گئی اس لئے میں قتل نہ کر سکا۔ فذھبتُ عن قتلہ (ص۹۱) شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمیت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم بڑے بزدل ہو لاؤ تلوار مجھے دو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہ ہوں یا علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ عنہ) میں انھیں ضرور قتل کروں گا انی لاقتلہ سواءً مشبہ المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ (ص۹۱ ایضاً)، وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو ان میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:۔

مَنْ اَنتَ فلقد ارتقیتَ مرتقیً صَعْباطالما قبّلہُ النبیُّ (ص۹۱)	ارے تو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبیؐ رہا ہے۔

نام بتایا آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا۔

اَنْتَ الحُسَینُ وابوکَ المرتضیٰ و اُمّکَ الزَّھراءُ وجدّکَ المصطفیٰ و جدّتکَ خدیجۃ الکبریٰ (ص۹۲)	آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفیٰ اور آپ کی نانی خدیجہ الکبریٰ۔

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے:۔

فقال لہ ویحکَ اذا عرفتنی	پس (حسین) نے اس سے فرمایا افسوس

فَلِمَ تقتلنی فقال لہٗ أطلب بقتلك الجائزة من یزید فقال لہٗ الحسین ایّما احبّ الیك شفاعة جدّی رسول اللہ أم جائزة یزید فقال دانق من جائزة یزید احبّ الیّ منك ومن شفاعة جدّك وابیك۔

(ص۹۲)

ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے شمر نے کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسینؓ نے) کہا ان دو باتوں میں سے تجھے کونسی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہو گیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا۔ فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلادے (اذا کان لابدّ من قتلی فاسقنی شربة من الماء) مگر اس نے کہا اے ابو تراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوضِ کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی پلادیں گے تو ذرا صبر کیجئے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کردیں گے (اصبر قلیلاً حتی یسقیك ابوك) یہ سُن کر ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا، ذرا اپنا نقاب تو اُلٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں اس نے جیسے ہی نقاب الٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھیا) بھی تھا، کانا بھی، منہ اس کا کتے کی تھوتنی جیسا اور بال سُور کے سے۔ اس پر آپ نے کہا کہ سچ فرمایا تھا، میرے نانا نے میرے والد سے کہ:۔

یقتل ولدك ھذا ابرص اعور لہٗ بوز کبوز الکلب وشعر کشعر الخنزیر (ص۹۲ ایضاً)

تمہارے اس بیٹے کو قتل کرے گا ایک کوڑھیا کانا جس کے کُتے کی سی تھوتنی ہوگی اور بال اس کے سُور کے بالوں کی طرح۔

اس پر راوی نے شمر کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کئے جاسکتے۔ ابو مخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ مکذوبہ روایت ان الفاظ پر ختم کردی ہے:۔

وكلما قطع منه عضوا نادى الحسين واَمحمداه، واعلياه، واحسناه وجعفراه، واحمزتاه، واعقيلاه واعباساه، واقتيلاه واقلة ناصراه واغربتاه فاحتز رأسه وعلاه على قناة طويلة فكبّر العسكر ثلاث تكبيرات وتزلزلت الارض واظلم المشرق والمغرب واخذ الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دمًا ونادى منادٍ من السماء قتل والله الامام بن الامام اخو الامام ابو الامام ابو الائمة الحسين بن ابي طالب فلم تمطر السماء دمًا الا ذالك اليوم (ص ۹۳ ایضاً)

جیسے جیسے اس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے۔ ہائے محمد، وائے علی، ہائے حسن، وائے جعفر، وائے حمزہ، ہائے عقیل، وائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، وائے غریب الوطنی۔ پس اس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھالیا تو لشکر نے تین تکبیریں کہیں، زمین میں زلزلہ آگیا مشرق مغرب میں اندھیرا چھا گیا گرج اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے۔ آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا، قتل ہو گئے واللہ امام بیٹے امام کے۔ بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔

یہ ہے وہ اصل راوی اور اس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کرکے اور بعض کلمات کو بتغیر الفاظ درست کرکے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مورخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج ۶ ص ۲۶۰)، اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے (ج ۸ ص ۱۸۰ البدایہ)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسینؓ سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا ابل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا، جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں، فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اتر رہی تھی کہ حسین قتل ہو گئے اس لئے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پر تا دامانِ

قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے علامہ ابن کثیر ان باتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ:-

وللشیعة والرافضة فی صفة مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلة وفیما ذکرنا کفایة وفی بعض اوردناه نظر ولولا ان ابن جریر وغیره من الحفاظ والائمة ذکره ما سقته واکثره من روایة ابی مخنف لوط بن یحییٰ وقد کان شیعیة وهو ضعیف الحدیث عند الائمة ولکنه اخباری حافظ عنده من هذه الاشیاء ما لیس عند غیره ولهذا اتیراه کثیر المصنفین فی هذا الشان

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۲)

(حضرت حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹ اور باطل اخبار ہیں ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اگر ابن جریر (طبری) اور دوسرے ائمہ وحفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے ان میں اکثر تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے، لیکن اخباری ہے (تاریخی احوال جانتا تھا) اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں لہذا اکثر مصنفین ان باتوں کے لئے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی درج کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں (ومن الناس من انکر ذالک

(البدایہ ج ۸ ص ۲۰۲) یعنی ایسے بھی لوگ (اہل تاریخ واہل سیر ہیں) ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ ورا اپنا نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہو کر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہو جاتی۔

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابو مخنف کی روایتوں کو قبول کرتے پر مائل ہوئے۔ مگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کو سوچنا چاہیئے تھا کہ

جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزید کے سامنے پیش کئے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) سے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی و ہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمہ رجال نے ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذّاب کہا ہے علاوہ ازیں ابو مخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسّی نوّے برس بعد دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہ تھا، سُن سُنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی و ذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور حامل آثار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذی النورینؓ پر سب وشتم یا وہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہو کر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملکِ شام چلے گئے اور وہیں سکونت گزین ہو گئے۔ ان میں اسی قبیلہ کے بنو الارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

کانوا عثمانیین، رحلوا عن الکوفة الی معاویة وقالوا لا نقیم ببلد یُسب فیه عثمان رضی فانزلهم معاویة الرّها۔

(جمہرة الانساب ص۔۔)

یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرفداروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہو کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا "ہم اس شہر میں نہیں ٹھہریں گے۔ جس میں (حضرت) عثمانؓ کو بُرا کہا جائے۔ پس (حضرت) معاویہؓ نے ان کو مقام الرُّھا میں لا بسا دیا۔

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور ان کے دو بیٹے عبد اللہ و عبد الرحمٰن یہ باپ بیٹے شیعہ تھے" وکانوا یتشیعون" (ص۔۔ ایضاً) آخر الذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعثؓ بن قیس صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گذر چکا، ان کی

وفات تو ۶۰ھ میں ہوئی تھی لیکن ابو مخنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیس نے ہی ان کی قمیص لے لی تھی" داخذ قمیصہ الاشعث بن قیسؓ، (مقتل ابی مخنف ص۹۳ مطبوعہ نجف)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا یہ سب شیعان علیؓ میں سے تھے اب اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو عام طور سے قاتل حسینؓ کہا جاتا ہے۔ بنو تمیم کی مختلف شاخیں تھیں، ان کی ایک شاخ سے حضرت شیث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصحابہ فی تمیز الصحابہ (ج۲ ص۱۶۳) صحابہ کے زمرہ میں ہے نیز تہذیب التہذیب میں (ج۴ ص۳۰۳) ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے تھے مگر توبہ کر کے پلٹ آئے تھے۔ "ثم تاب ورجع" ان کے بارے میں ابو مخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے اول یہی گئے تھے مگر ڈر کے بھاگ گئے تھے (مقتل ابی مخنف ص۹۰)

مختصراً یہ کہ ابو مخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے کہ اس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت و بہیمیت کے جو افسانے وضع کئے ہیں وہ حکمراں جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دشمنیوں کی وجہ سے بھی تھے۔ حضرات مورخین تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو ابو مخنف کا یہ جھوٹ کہ مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے پیش کئے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ ومہ کے وردِ زبان ہے مگر یہ داستان جس دیو مالائی انداز میں مرتب کر کے خشت اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہو اس کی کجی آج تک نمایاں ہے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اس قدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مولف جنھوں نے حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو غلط اور مبالغہ آمیز

بتاتے ہوئے "شمر کے سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنے" کو بھی غلط بتایا ہے۔ ان کی کتاب "مجاہد اعظم" کا یہ فقرہ اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ ہے :۔

"اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روزِ عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ در کابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہونچتے تھے، جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنتِ امیر المومنین کا سر و پا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا۔ شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا۔ نعش مطہر کو لگد کوب سم اسپاں کیا جانا۔ سروقات اہلبیت کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا۔ شمر کا سکینہ بنتِ حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا روانگی اہلِ بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہلِ بیتِ رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثنار راہ میں جابجا اہل حرم کو نہایت ذلت و خواری سے تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل کر آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا۔ سید الساجدین کا سر ہائے شہداء لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاشہائے شہداء کو سپردِ خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں" (مجاہد اعظم مولفہ شاکر حسین نقوی امروہوی ص۱۸۷،۱۸۸)

مولف مجاہد اعظم نے قدیم و جدید مورخین و مصنفین کی سیکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے :۔

"عام کتابوں سے قطع نظر کرکے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ

کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (ص ۱۴۹)

یہ مصنفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی۔ یہ سب کچھ تو ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابو مخنف و ہشام کلبی کے مخترعات و مبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انھیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مورخ مثلاً امام الفقیہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں ان کی مشہور کتاب المعارف میں دیکھئے حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انھیں سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے الامامۃ والسیاسۃ[1]۔ مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے، کسی غالی قلم سے ہے مگر ہے ابن جریر طبری سے پہلی کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں بھی نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وضعی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کا، ظاہر ہے کہ ابو مخنف کی روایتوں کو الامامہ والسیاستہ کے مولف نے بھی لائق اعتنا نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعیان کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں "الجبار العنید" وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بلایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے ہم نہ حکومت کے عامل[2] کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں نہ جمعہ میں نہ عیدین، جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے اور ملک شام کو دھکیل دیں گے (دلو قد بلغنا مخرجک

---

[1] فہرست ابن ندیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے ۳۲ کتابوں کے نام ہیں ان میں کوئی کتاب الامامہ والسیاستہ نام کی نہیں ہے۔

[2] معلوم ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری صحابی رسول اس وقت عامل تھے۔

اخرجناہ من الکوفۃ والحقناہ بالشام) مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہو کر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ "حسینؓ یہاں آ رہے ہیں اُن کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے نفوس ہیں تم انھیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کر کے راستہ سے ہی لوٹا دینا" (فارددھم واکتب الیھم بما اصابنی)، ابن سعدؓ نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے، کیونکہ مسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ حسین آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے اشخاص ہیں اس پر گورنر نے کہا قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشا کی تو تم ہی ان کے مقابلہ[1] کو جاؤ گے ابن سعدؓ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؓ کی سرکردگی میں فوج بھی حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ پسران عقیلؓ جو ان کے ساتھ تھے یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہو گیا اور ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہوگا۔ اور ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے لکھا ہے کہ یہ سن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنی عقیل) کو کیسے روک دوں۔ ابن سعدؓ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر دیگر مورخین نے بھی کیا ہے۔ تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں :-

او تسیرنی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم فی بما یرید۔ (ج۲ ص۶)	یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کی بیعت کر لوں (اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں) پھر وہ جیسا چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔

ابن سعدؓ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے بھی پسند کیا کہ امیر المومنین کے پاس بھیجدیا جائے (فھم ان یسیرہ الی یزید، (ج۲ ص۶) اب

---

[1] حضرت عمر بن سعدؓ کو تو گورنر نے اس لئے اور بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور ان کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں انھیں صحیح مشورہ دے کر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا۔

مولف الامامہ والسیاسۃ نے ایک شخص شہر بن حوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا اس نے گورنر سے کہا کہ جب تک یہ تمھارا حکم نہ مانیں انھیں مت بھیجو۔

والله لئن سار الی یزید لا رای مکروھا ولیکونن من یزید بالمکان الذی لاتنالہ انت منہ ولا غیرک من اھل الارض۔
(ص۶ ج۲)

قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہوگا، بلکہ یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہوگا جو نہ تمھارا ہو سکتا ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کا۔

اب دیکھئے طبری سے پہلے اس کتاب میں نہ ابن سعدؓ کو ملک رے کی گورنری پیش کئے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اس وقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمھارا حکم نہ مان لیں، اس کا نام شہر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؓ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شہر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؓ کو قتل کر کے ان کی جگہ لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؓ کے ساتھ کوفہ کے تین۳ قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسین کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سے سترہ اشخاص قتل ہوگئے جن کے نام بھی دیئے ہیں۔ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے اور دیگر مظالم کا۔ اور نہ باقی ماندگان کو قید کر کے کوفہ لانے اور سروں کی تشہیر کرنے کا بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انھیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض وبکی اھل الشام حتی علت اصواتھم۔
(ج۲ ص۸)

اور یزید (انھیں دیکھ کر) رونے لگے اور ایسے بیتاب ہو کر روئے کہ بے خود ہوگئے۔ اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

یہ بیان ایک ایسے غالی مولف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی

ذہنیت کا مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے مگر حادثہ کربلا کے جو خاص واقعات لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بیّن ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابو مخنف وغیرہ کے اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت دینے میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزیدؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سرِ حسین جب ان کے سامنے پیش ہوا تو دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہؓ[1] الاسلمیؓ کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے۔ حالانکہ یہ صحابی دمشق میں تو کیا ملک شام میں بھی اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھادی ہیں حتیٰ کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں فرماتے ہیں کہ :-

وقد روی باسناد مجهول[2] ان کان هٰذا کان قدام یزید وان الراس حمل الیه وانه هو الذی نکت علی ثنایا وهذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث مایدل علی انه کذب فان الذین حضروا النکتة بالقضیب من الصحابة یکونوا

اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کا لانا یزید کے آگے تھا اور وہ وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت

---

[1] ان کا نام اور ولدیت طبری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی نضلہ بن عبداللہ اور نضلہ بن عبید بن الحارث پھر عبداللہ بن نضلہ (ج ۱۳ ص ۱۱۴)

[2] ابن ابی الدنیا کی سند ملاحظہ ہوں، پہلے راوی تو مسلّمہ طور سے شیعہ ہیں۔ یعنی عمار الدھنی پھر ایک راوی کا نام ابو الولید لکھا ہے میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے۔ دوسرا کذّاب اور تیسرا ضعیف (ج ۳ ص ۳۸۶) اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذّاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔

بالشام وانما کانوا بالعراق (منہاج السنۃ)

بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں ہی موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔

بہرحال جب بہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جا چکا کہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سیاسی مقصد سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالیؒ نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

ولا یجوز الطعن فی معاویۃ لانہ من کبار الصحابۃ ولا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المومنین وامرہ الی مشیۃ اللّٰہ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ قال الغزالی وغیرہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم وھم اعلام الدین۔

(ص ۱۳۲)

اور (حضرت) معاویہ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزید پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے۔ امام غزالی وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسنین کی روایتیں اور صحابہ کے آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض وطعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ "راس الحسین" میں لکھا ہے کہ :۔

فمن نقل انہ نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرۃ انس وابی برزۃ قدام یزید فھو کاذب قطعاً کذباً معلوماً بالنقل المتواتر۔

(ص ۱۲)

وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس وابی برزہ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سر حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے۔ اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے۔

حسینی قافلہ کے شرکاء اور باقی ماندگان

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے ان کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے:۔

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو ان کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار ان کے ساتھ گئے تھے اور یہ چاروں یعنی عباس وجعفر وعثمان وعبداللہ ام البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ وعراق میں سکونت رکھتا تھا۔ جس میں شمر ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابویزید عقیلؓ کے سولہ بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسنؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے ان کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبداللہ وعلی ومحمد۔ یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیبیوں اور اولاد کے شامل تھے یعنی عبداللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ وام ہانی وام کلثوم الصغریٰ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد وعبدالرحمٰن ومسلم وعقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے ان کے دو بیٹے سعید وعقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس یا چوبیس بیٹے تھے ان کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں تھیں مگر ان کے بیٹے علی الزینبی بن عبداللہ بن جعفر اور بیٹی ام کلثوم ان کے ساتھ نہ گئے۔ عبداللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون ومحمد قافلہ کے

ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیغامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ فارسل عبد اللہ بن جعفر ابنیہ عوناً و محمداً لیردا الحسین فابی ان یرجع وخرج الحسین بابنی عبد اللہ بن جعفر معہ (الامامۃ والسیاسۃ ج۲ ص۲)

یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار سے ساتھ چلے گئے۔ مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے صاحب ناسخ التواریخ (ج ص۲۸۲) نے بیس شمار کئے ہیں جو ان کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جا سکتا ہے۔ ان بیس میں چھ اپنے چچا کے ساتھ گئے اور ۱۴ نہ گئے۔ جانے والوں میں ایک تو حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی ان کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے۔ دوسرے طلحہ بن حسنؓ تھے جن کی والدہ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبید اللہؓ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کر لیا تھا اور ان کے بطن سے فاطمہ بنت الحسینؓ تھیں۔ تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے۔ یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ ان تین کے علاوہ زید و قاسم و ابوبکر فرزندان حسن بن علیؓ بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مورخین و نسابین نے کیا ہے۔ عمدۃ الطالب کے مولف فرماتے ہیں کہ زید نے اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے (و تخلف عن عمہ الحسین فلم یخرج معہ الی العراق ص۵۲) مگر یہ صحیح نہیں زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندان علیؓ و عقیل و جعفر ابنائے ابو طالب کے تقریباً ۵۷ اشخاص میں سے جو زمانہ خروج میں اس سن و سال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے۔ ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک قافلہ ہوئے اور ان میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے و چچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی

رکھتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے۔ مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول میں حسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (ص۵۳۲) آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں۔ مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے۔

حضرت حسینؓ نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کئے ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں ملتے ہیں۔ کنیزوں وجواری کے علاوہ۔

۱۔ آمنہ بنت ابی مرّہ بن عروہ ثقفی (حضرت ابوسفیانؓ کی نواسی اور امیر یزیدؒ کی پھوپھیری بہن)، ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے (طبری و کتاب نسب قریش و المعارف وغیرہ)

۲۔ سلافہ سندھیہ خاتون جو ام ولد تھیں (ان کے بطن سے علی بن الحسین (زین العابدینؒ) تھے۔ ان کی والدہ کا نام جو شہر بانو دختر یزدجرد بتایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ (طبری و المعارف وغیرہ تحقیق مزید مؤلفہ راقم الحروف)

۳۔ ام اسحق بنت طلحہ بن عبید اللہ، ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں۔ (کتاب نسب قریش و جمہرہ ابن حزم وغیرہ)

۴۔ رباب بنت امرء القیس کلبیہ جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں۔ عبد اللہ طفل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے (کتاب المعارف و کتاب نسب قریش وغیرہ)

۵۔ حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابوبکر الصدیقؓ (کتاب المحبر ص۴۴۱) محمد بن الحسین غالباً ان کے بطن سے تھے۔

۶۔ دختر ابومسعود انصاری (کتاب المحبر ص۲۹) ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں۔

۷۔ خاتون از قبیلہ بلی (قضاعہ)، ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے (کتاب نسب

قریش ص۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

بروایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ ونام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود۔ (ص۵۳۳)	میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی۔

الامامہ والسیاسۃ کے مولف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمہ محمد کو پسران حسین رضؓ میں شمار کیا ہے (ص۵۳۲) پسران حسین رضؓ کس سن و سال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے علی الاوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مورخین ونسابین اس بات میں متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدین ؒ) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ ان کی زوجہ ام عبداللہ بنت حسن بن علی رضؓ سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں ان کے ساتھ تھے۔ حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کنیت تھی (کتاب نسب قریش ص۵۹) مکذوبہ روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا اسی طرح حضرت حسین رضؓ کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن رضؓ کو جو مسلم بن عقیل رضؓ کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمر دں کے تھے کم سن بتایا ہے محض اس غرض سے کہ یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے ان کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسین رضؓ کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس لئے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے۔ اس ظالم کو رحم آگیا قتل سے باز رہا۔ کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات تیئس ۲۳ چوبیس ۲۴ اور بیس ۲۰ اکیس ۲۱ برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کمسن بتاتے ہیں:۔

(۱) واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل (طبری ج۶ ص۲۶۹)

(اور علی بن الحسین بن علی رضؓ چھوٹی عمر کے سمجھے گئے اور قتل سے بچ گئے)

(۲) واستصغر الحسن بن الحسن بن علیؓ واستصغر عمرو بن الحسن بن علیؓ فترکا فلم یقتلا (ج ۲ ص ۲۷)

(اور حسن بن حسن بن علیؓ اور عمرو بن حسن بن علیؓ چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے)

علامہ موصوف سے پوچھا جا سکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص کو تو چھوٹی عمر کا سمجھ کر چھوڑ دیا قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفلِ شیرخوار (عبداللہ بن حسین) کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں قتل کیا، اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اور تو کسی مقام پر نہ لگا، لگا تو معصوم کے سیدھا حلق پر (حلق آں معصوم زد جلاء العیون) تاریخ یعقوبی کے مؤلف نے تو اس بچہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسی وقت پیدا ہوا تھا وقد ولد له فی تلک الساعۃ حضرت حسینؓ نے اس نومولود کے کان میں اذان دینے کے لئے اس وقت کہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار تھے ۔ لواقف علی فرسہ اپنی گود میں لے لیا تھا۔

اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمالِ حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادرانِ مُسلم کے عاقبت نا اندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی فتحولوا مع الحسین فقاتلوا (الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۷) اور یہ حادثہ پیش آگیا۔ اسی غالی مولف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے "محمد بن حسین بن علی" بتایا ہے انھوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حزنیہ یکایک پیش آگیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور باحترام تمام خلیفہ کے پاس جو ان کے عزیز و قرابت دار تھے بھیجدیا گیا۔

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پس ماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے نام	عمر تخمیناً	کیفیت
۱	حسین بن علیؓ	۱- علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس " "	۲- حسین الاکبر بن "	۴ "	
۳	عثمان " "	۳- محمد " "	۳ "	
۴	جعفر " "	۴- محمد بن حسینؓ	۱۸ "	
۵	عبداللہ " "	۵- جعفر " "	۱۴ "	
۶	علی اکبر " حسینؓ	۶- عمر " "		
۷	ابوبکر " حسنؓ	۷- زید بن حسنؓ	۳۰ "	
۸	قاسم " "	۸- حسن مثنیٰ بن حسنؓ	۲۱ "	
۹	عبداللہ " "	۹- عمرو " "	۲۰ "	
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰- طلحہ " "	۱۵ "	
۱۱	محمد " " "	۱۱- فضل بن عباس بن علیؓ	۱۰ "	
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیلؓ	۱۲- عبید اللہ بن عباس بن علیؓ		
۱۳	عبدالرحمٰن " "	۱۳- حسن " "		ان میں کون نابالغ تھا اور
۱۴	عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ	۱۴- علی بن مسلم بن عقیلؓ		کون نابالغ معلوم نہ ہوسکا
۱۵	مسلم بن عقیلؓ (مقتول کوفہ)	۱۵- محمد بن مسلم " "		
		۱۶- عبدالرحمٰن بن عبداللہ اکبر بن عقیلؓ		مقتولین میں چند نام بعض
		۱۷- مسلم " "		کتب میں اور درج ہیں
		۱۸- عقیل " "		لیکن کتب انساب کی تصریحات
		۱۹- محمد " "		سے تصدیق نہ ہوسکی۔
		۲۰- سعید بن عبدالرحمٰن بن عقیلؓ		
		۲۱- عقیل " "		

جو حقائق اب تک پیش کئے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اس سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کر دینا مناسب ہے مثلاً جناب ملا باقر مجلسی کا یہ فرمانا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزید جو پہلے حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کئے جانے کا حال سن کر بے پردہ نکل آئی اور یزید کی مجلس میں پہنچ کر واویلا کرنے لگی" پردہ دریدہ از خانہ بیروں دوید بمجلس آں ... آمد (جلاء العیون) قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزیدؒ کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالہ عقد میں تھیں۔ ان کا نام ام کلثوم تھا۔ ان ام کلثوم دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمرو عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عاتکہ جو امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔ امیر یزیدؒ کے یہ خسر حضرت عثمان ذی النورینؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد اور منتظم تھے ان ہی کی بہو حضرت علیؓ کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔ جناب ملائے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ ام محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسینؓ کی بھتیجی تھیں ان کے چچا کا سر اس طرح اگر ان کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ "پردہ را دریدہ از خانہ بیروں دوید" ہی پر اکتفا کرتیں اور ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کرتیں جس نے ان کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہو اور گھر پر آویزاں کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزیدؒ کا حضرت حسینؓ سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیجے داماد تھے۔ بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی حقیقی پھوپھی بہن کے شوہر ہونے سے ان کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حسینؓ امیر یزیدؒ کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کے ماموں کے پاس اور بہنوئی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبیداللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں۔ جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے ایسا کوئی فعل کر سکتے تھے۔

مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت نہیں اور

اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کئے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرہ وحصار ابن زبیرؓ

حادثۂ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن وامان وخوشی کا دور دورہ تھا، تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پا رہے تھے صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ میں ابن زبیرؓ کا قیام تو تین برس پہلے سے اس وقت سے برابر رہا جب عامل مدینہ نے انھیں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے بلایا تھا وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کروگے ہم بھی آموجود ہوں گے اور "بیعۃ سلیمۃ صحیحۃ" کریں گے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص۲۲۶) مگر رات ہی رات مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اور یہاں پہنچ کر اپنے کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے۔ حضرت حسینؓ بھی اسی طرح یہاں آگئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی انھیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں ان کی موجودگی سے اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا انھیں مشکل تھا۔ حضرت حسینؓ جب ختم ہو گئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائیاں تیز تر کر دیں۔

حکومت تمام کارروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام ان کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مورخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیرالمومنین یزیدؒ نے انھیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجئے آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد وعبادت گذاری کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں اب کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخر فقرہ یہ تھا:-

ولا تبطل ما قدمت من حسن	جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں، انھیں باطل
وادخل فیہ الناس ولا تردھم فی	تو نہ کیجئے لوگ جس (بیعت) میں داخل

فتنۃ ولا تحل حرم اللہ۔ (انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۱۶)

ہو چکے آپ بھی داخل ہو جائیے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے اور حرم اللہ (کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔

مگر انھوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے۔ (فکتب ابن الزبیر یدعوہ الی الشوریٰ)، گویا جو خود ملت تین برس سے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے!

کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرکے بیعت لی جائے (فحلف لایقبل بیعۃ الا فی جامعۃ) عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے۔ اس زمانہ میں پولیس افسر خود ان ہی کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اموی خاندان کے نواسے بھی تھے:۔

وعان عمرو بن الزبیر وامہ امۃ بنت خالد بن سعید بن العاص علی شرطۃ (ج ص ۲۳ ایضاً)

عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔

مدینہ کے عامل نے بتعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو ان کے بھائی کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انھیں گرفتار کرلیا جائے (ج ص ۲۶ ایضاً) عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے، ان کے بھتیجے یعنی عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور ان کے ساتھیوں سے ملنے آئے عمر نے اپنے بھائی کو بیعت کرلینے کے لئے پیغام بھیجا۔ (وارسل عمرو الی اخیہ فی بیعۃ یزید) اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیا، بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی انھوں نے فرمایا:۔

انی علی طاعۃ یزید وقد بایعت عامل مکۃ حین دخلھا۔ (ص ۲۶ ایضاً)

میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ پر ان کی بیعت کرچکا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہدیا گیا ہو اس جواب پر پولیس افسر حکمہ میں آگئے پھر

ان کی جماعت پر یکایک حملہ ہو گیا، وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انھوں نے ہی انھیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت ان کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا، مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں ان کو دی گئیں۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑوں سے مار پیٹ کی گئی، بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی (الانساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۲۶) پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دیجائے۔ فامر به عبد اللہ فصلب فکان ذالک اول ما نقمه الناس (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۰) اس حادثہ کا بہت کچھ چرچا ہوا مرثیے لکھے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال ذرجمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا یا اس سے کم ہے۔ وانما بطنی شبر او اقل (ص ۲۷ ایضاً) شعراء نے ان کے دعوے اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اُڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، آپ کسی چیز کے طالب بھی نہیں آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں سنت فاروق وصدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ نے کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں، جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان ہوا ؎

تقول لنا ان سوف یکفیک قبضةٌ ۔۔۔ وبطنک شبرًا او اقلّ من الشبر

وانت اذا ما نلت شیئًا قضمته ۔۔۔ کما قضمت نارُ الغضی حطب السِّدرِ

لکم سنة الفاروق لاشیٔ غیرها ۔۔۔ وسُنّةُ صدّیق النبی ابی بکرٍ

فلو ما اتقیت اللہ لاشیٔ غیرہ ۔۔۔ اذا عطفتک العاطفاتُ علی عمروٍ

پولس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انھوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں، مگر حضرت موصوف نے اس عامل ہی کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ

چال چلی کہ اہلِ مکہ کی جانب سے امیر المومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ ارسال کیا، جسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ:-

ثم ان ابن الزبیر عمل بالمکر فی امر الولید بن عتبۃ فکتب الی یزید بن معاویۃ انک بعثت الینا رجلاً اخرق لا یتجہ لامر رشد ولا یرعوی لعظۃ الحکیم ولو بعثت الینا رجلا سہل الخلق لین الکتف رجوت ان یسہل من الامور ما استوعر منہا وان یجمع ما تفرق فانظر فی ذلک فیہ صلاح خواصنا وعوامنا ان شاء اللہ۔ والسلام۔

(طبری ج۲ ص۲)

پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر و حیلہ سے کام لیا اور یزید بن معاویہؓ کو خط لکھا کہ تم نے کس بیوقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں خدا نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ والسلام۔

عبد اللہ بن زبیرؓ کی اس چال کو امیر المومنین اپنی طبعی نرم دلی اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابو سفیانؓ کا تقرر کر دیا جو نوجوان و ناآزمودہ کار تھے اور معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ کو اب اچھا موقع مل گیا۔ سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امیر المومنین کے وفادار سعد مولیٰ عتبہ بن ابو سفیانؓ نے ان کے لوگوں کی مقاومت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور حرم میں لا کر ان کی گردنیں مار دیں (وضرب اعناقہم فی الحرم۔ بلاذری ج۴ ص۲)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا:-

قال ابن عباس لو لقیت قاتل ابی

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اگر میں

مبالحرم ما قتلته۔ اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر
(ص۳۰ ج انساب الاشراف) پا جاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ جب حرم میں انھوں نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے۔ امیر المومنین یزیدؒ کو ان افسوسناک حالات کی اطلاع ہوئی، تشدد کرنے کے بجائے بعض صحابہؓ کا وفد ابن الزبیر کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا، جس میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ وحضرت عبداللہ بن عصامؓ الاشعری وحضرت الحصین بن نمیر السکونیؓ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان من عبد اللہ یزید امیر المومنین الی اھل المدینۃ (اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی، جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر وعزت کی اور اتنی کی کہ تمھارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وحملتکم علی راسی ثم علی عینی ثم علی نحری (انساب الاشراف ج ص۳۲) یعنی تم کو میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر مگر میرے حلم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتوگے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے ؎

أَظُنُّ الْحِلْمَ دَلَّ عَلَىَّ قَوْمِی	وَقَدْ يُسْتَضْعَفُ الرَّجُلُ الْحَلِيمُ
میں سمجھتا ہوں کہ حلم ونرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کردیا ہے۔	اور حلیم ونرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔
وَمَارَسْتُ الرِّجَالَ وَمَارَسُونِی	فَمُعْوَجٌّ عَلَىَّ وَمُسْتَقِيمُ
میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی۔	تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر۔

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ وفساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمانؓ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو اللہ نے جو کام ہمارا بنادیا ہے اُسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المومنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے، اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ دیاں کے

لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو کہ ہم ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور استمالت قلب کریں۔

مکتب یزید الی عثمان ابن محمد بن ابی سفیان عامله ان یوجه الیه وفدا لیستمع مقالتهم ویستمیل قلوبهم (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۱)

یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو تحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں سنیں اور ان کی استمالت قلب کریں۔

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے، ان میں عبد اللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبد اللہ بن زبیر رضی کے بھائی حقیقی المنذر بن زبیر[۱] کو بھی شامل کر لیا تھا (انساب الاشراف ص ۳۱)۔

مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ارکان وفد کی خوب آؤبھگت کی۔ گرانقدر عطیات پیش کئے جو ان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گذرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علی رض (ابن الحنفیہ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں، بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور ان سے بحثیں کیں، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسین رض حضرت عبد اللہ بن عمر رض اور حضرت عبد اللہ بن عباس رض کے

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن الزبیر رض تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزید کے ساتھ تھے حضرت معاویہ رض کی تدفین میں بھی شریک تھے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت کو انھوں نے ہی غسل دیا تھا بصرہ میں ان کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی اور مکانات بھی ان کے وہاں تھے یہ بعد میں اپنے بھائی سے آملے اور حصاروں کے معرکہ میں قتل ہوئے۔

موقف اور طرزِ عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المومنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوے خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا' حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہلِ خاندان کو جمع کر کے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیگا (بخاری کتاب الفتن ج جزو ۲۹) مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی' بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے ایک سرغنہ تھے باغیوں کے ساتھ رہے' انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب بن خصوصاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) وعلی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل حضرؓ و آل علیؓ و آل ابی بکرؓ میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ و فساد میں ہوتا رہا ہے عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آگیا' دمشق سے واپسی پر کافی رقم ان کے پاس تھی۔ سامانِ حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی ہے بنی امیہ کو پہلے تو محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا' طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عاملِ مدینہ اور بنی اُمیہ کے مرد و زن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گذرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا۔ اخرجوا ھم باثقالھم و اموالھم فمضوا الی الشام (انساب الاشراف ص۳۳)

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریفین میں خونریزی کی نوبت آئے اپنے ذی اقتدار کنبہ کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی اُمیہ کی غایت عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔

ان حالات وواقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ دردِ نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی، طشت میں پاشویہ کر رہے تھے، سن کر فرمایا کہ :-

لقد بدّلوا الحلم الذی فی سجیتی	فبدّلت قومی غلظۃً مبلیان
میری طبیعت میں حلم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا۔	میں نے بھی اب اپنی قوم کے لئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کرلیا۔

اس سختی کی نوعیت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لئے تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی وتابعی حضرات تھے۔ افسر بالا امیر مسلم بن عقبہ المریؓ تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی، انھوں نے اس خدمت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ وفساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصین[۱] بن نمیر السکونی (الاصابہ ج۱ ص۳۳۹) امیر عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابہ ج۲ ص۳۴۶) وامیر عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری (تاریخ الاسلام ذہبی ج۲ ص۳۶۱) اور دوسرے صحابی وتابعی بھی بھیجے گئے تھے امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اُردن تھے انکے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جاچکے تھے ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرّہ کا جو بنی امیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا یہ بیان ہے کہ جب فوجی دستہ روانگی کے لئے تیار ہوگیا امیر المومنین اسے رخصت کرنے خود آئے تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے، لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بتغیّر الفاظ پہلے نقل ہوچکے ہیں،

---

[۱] بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے، یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حصین حمص کے والی بھی رہے تھے اور اس زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے ہی لکھا ہے صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوتے تھے، ان کے بیٹے یزید اور ان فرزند معاویہؓ بھی اپنے زمانوں میں والی رہے تھے۔

یہاں بلاذری و طبری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ابلغ ابابکر اذا اللیل سری ‌ ‌ ‌ ‌ وھبطہ القوم علی وادی القریٰ

میرا پیغام اسوقت ابوبکر (کنیت ابن زبیرؓ) کو پہنچا دینا ‌ ‌ ‌ جب دیکھنا کہ رات ہو گئی اور وادی القریٰ میں فوج اتر پڑی

اجمع سکران من القوم تری ‌ ‌ ‌ ‌ ام جمیع یقظان نفی عنہ الکریٰ

کیا بدمست و سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے ‌ ‌ ‌ یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنہوں نے نیند کو پاس آنے نہ دیا

یا عجبًا من ملحد یا عجبا ‌ ‌ ‌ ‌ مخادع فی الدین یقفو بالعریٰ

مجھے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے سے تعجب ہوتا ہے۔ ‌ ‌ ‌ جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال او رقۃ او سلاح او طعام فھو للجند) لشکریوں کے لئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹاتے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پہ حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالی روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا، جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ "دیکھو علی بن حسینؓ سے مراعات سے پیش آنا ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آگیا ہے" امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:-

"اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو تمھارا خون

بہانا انھیں گوارا نہیں۔ تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانوگے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کرچکے"

تین دن گذرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے اہل مدینہ اب تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو" اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے۔

فقال لهم لا تفعلوا ابل ادخلوا الطاعة ونجعل حدّنا و شوكتنا على هذا الملحد الذي قد جمع اليه المراق والفساق من كل ادب (طبری ج ۷ ص ۸)

(امیر مسلم نے اہل مدینہ سے کہا) دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے!

فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں۔ پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس تھے صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مسلم نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ فاتقوا الله فی انفسکم۔ انھیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا۔ انھیں بھی گالیاں دیں (فشتموه وشتموا یزید) مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی، سب شہر باغی نہیں تھا۔ بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنھوں نے وقتی ہنگامہ بپا کرکے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کرلی تھی اور مورچہ بندی کی تھی۔ ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل اسی طرف آباد تھا۔ یہ گھرانا باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی خروج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے

جیش کا مقابلہ کر سکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر چوتھی طرف حفاظتی دستے متعین کر سکتے۔ فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو، جیسی اسوقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ ان کو غرّہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارضِ پاک کے رہنے والے ہیں ان کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کی تھی۔ فرمایا تھا۔

اعلم انك تقدم علی قوم ذوی جہالة واستطالة قد انسہم حلم امیر المومنین معاویة وظنّوا ان الایدی لاتنالہم (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۲)

یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو نادان و ناسمجھ، شیخی خورے اور اکڑ ہیں۔ جنھیں امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔ اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا، باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے۔ وجعل اھل الشام یطوفون بہا (جب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے، تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا) والناس یرمونہم بالحجارة والنبل من فوق الاکام والبیوت (الامامة والسیاسة ج ۱ ص ۲۲۲) اتنے میں بنو عبدالاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلم کو مشورہ دیا کہ ان کے محلے سے فوج گذار کر شہر پر قبضہ کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الامامة والسیاسة کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی انھوں نے رستہ دیدیا۔ ففتح لہ طریقاً (ص ۲۲۲ ایضاً) تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہو گئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبداللہ بن مطیع بھی تھے۔ وفر ابن مطیع فلحق ابن الزبیر (ابن مطیع فرار ہو گئے اور ابن زبیرؓ سے جا ملے، چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے خود فرماتے ہیں۔

انا الذی فررتُ یوم الحرّة والشیخ لایفرّ الامرّہ لاجزینّ کرّة بفرّة

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے، بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جو

بعد کے مسلمانوں کو برا فروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا۔ جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان اموی اسلامی افواج نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ روم و ایران و دیلم و بربر میں ان اموی اسلامی فوجوں کا نظم و ضبط مفتوح اقوام کے لئے حیران کن رہا ہے تو خاص کر مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہو سکتی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ و حصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی، لیکن ان روایتوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں طبری کی جلد ۷، صفحہ ۵ لغایتہ ۱۴ پر انہی دو راویوں کا قال ابو مخنف و قال ھشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو در کنار اشارہ بھی نہیں۔ بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابو مخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں لیکن اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے ان کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کئے ہیں جو ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کئے ہیں کہ جب بلیغان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیر المومنین نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہو گیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا، امیر روح بن زنباع الجذامی کو مدینہ کے انتظام کے لئے متعین کیا۔ نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے، ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المومنین

کی قسم کو پورا کردیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا۔ چاہیں گے تو انھیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا۔ (انساب الاشراف ص۴۵) مگر ان لوگوں نے الٹا جواب دیا۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام میں سے تین شخص مارے گئے۔ اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص۵۲ ایضاً) ابن زبیرؓ کے لوگوں میں سے کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا، بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں یہ ہے کہ:۔

ان رجلا من اصحاب ابن الزبير يقال له مسلم اخذ نارا في هيفة على رأس رمح في يوم ريح فطارت شررة فتعلقت باستار كعبة فاحرقتها (ص۵۵)

ابن زبیرؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھا رہا تھا اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی چنگاری غلافِ کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

تقریباً یہی روایت طبری میں بھی بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔ (ج۷ ص۱۰) دو ہفتے چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا۔ اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گزرا حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ لے کر آئے۔

فاستقبله علی بن الحسين بن علی بن ابی طالب ومعه قت وشعير ..... فسلم علی الحصين فقال له علی بن الحسين هذا علف عندنا فاعلف منه دابتك فاقبل على علىّ عند ذالك بوجهه فامر له بما كان عنده من علف۔

(طبری ج۷ ص۱۷)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر کے) استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انھوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسینؓ نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے اموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ

بنفس نفیس لاکر اس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا و مظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لاکر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً میمی عرب تھیں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کی سرحدی علاقہ میں تھی، رومی و بزنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسوی مذہب کے پیرو تھے شیوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اصبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے تبلیغ کے لئے بھیجا تھا یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعتِ کثیرہ مذہب اسلام قبول کیا اور حضرت عبد الرحمٰن نے اس کی دختر تماضر کلبیہ سے نکاح کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی جو سفارت نبوی کی خدمات بھی سر انجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دہری قرابت تھی یعنی آپ کی چچیری بہن سیدہ برابنت عبد العزی ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بن خلیفہ الکلبی سے نیز ان کی بھانجی خود بنت الہذیل سے نکاح بھی کیا تھا۔ لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی فوت ہو گئی تھیں (کتاب المحبر صہ ۹۳) ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زائدہ اور حضرت

وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔ حضرت قطنؓ بن زارا اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے لئے فرمان لکھوایا جس میں اقامۃ الصلوٰۃ لوقتھا وایتاء الزکاۃ لحقھا یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکاۃ ادا کرنے کی ہدایات تھیں۔ جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت ومناکحت برابر قائم تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافضہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافضہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

لہ صحبۃ وھو ختن عثمان بن عفان (الاصابہ ج ۳ ص ۲۱۳) یعنی وہ (الفرافضہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے خسر تھے ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافضہ بھی مسلمان تھے اور انھوں نے ہی اپنی ان بہن کا جو خود بھی مسلمہ تھیں حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

وضب بن الفرافضہ اسلم و ھو انکحھا وھی مسلمۃ۔
(ص ۴۵۶ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

اور ضب بن الفرافضہ اسلام لائے اور انھوں نے ہی (اپنی بہن نائلہ کا) نکاح حضرت عثمان سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاجزادوں حسنؓ و حسینؓ کے ایک خسر امراؤ القیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اعظم کے دست حق پرست پر اسلام لائے ان کی تینوں بیٹیاں محیاۃ، سلمٰی، اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں ان کی اور ان کے بطن سے جو مشہور صاجزادی سیدہ سکینہ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسینؓ کے تین شعر اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا مذکور نہیں۔ نہ والدہ علی اکبر کے لئے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر زین العابدینؒ کے لئے جو سلافہ نام نسباً سندھی حسباً ام ولد تھیں وہ شعر یہ ہیں۔

لعمرک اننی لاحب دارا | قسم تیری جوانی کی، میں اس گھر سے بلاشبہ محبت

تَضِيفُهَا سُكَيْنَةُ وَالرَّبَابُ
أُحِبُّهُمَا وَأَبْذُلُ بَعْدُ مَالِي
وَلَيْسَ لِلَائِمٍ فِيهَا عِتَابُ ۔
وَلَسْتُ لَهُمْ وَإِنْ عَتَبُوا مُطِيعًا
حَيَاتِي أَوْ يُغَيِّبَنِي التُّرَابُ
(ص ۱۹۹ ج ۱۱ طبری)

کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہوں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال ان پر خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنے والے کے لئے ملامت کا موقع نہیں ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر نہیں سننے کا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے

ان سکینہ کے ایک شوہر مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں الغرض ان چند رشتوں کے بیان کرنے سے راقم الحروف کا مقصد اس امر واقعہ کے اظہار کرنے سے ہے کہ اکابر صحابہ و صنادید قریش بنو کلب کی خواتین سے جو صفات نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانے سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ یہاں خود انہوں نے اور ان کے اہل خاندان نے شاندار اسلامی و ملی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ تھی، ان کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف سے دو بیٹے ہوئے ایک عبد الرحمٰن جو صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اور دوسرا عبد اللہ جو ضعیف العقل تھا۔ اس لئے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کر رہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو۔ اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو ایسی ایک دوشیزہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف الکلبی کی دختر تھی۔ اس کلبی سردار بحدل کے جد اعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے، عدی و علیم و زہیر۔ عدی کی نسل سے حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ تھیں، علیم کی نسل سے حضرت علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار اور اس کی دختر میسون تھی جو حسن و جمال کے ساتھ عقل و دانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

وكانت (ميسون) حازمة عظيمة الشأن جمالاً ورياسة وعقلاً وديناً ۔

اور وہ (میسون) زیرک و محتاط، حسن و جمال نیز ریاست و سرداری عقل

(ص ۱۴۵ البدایہ والنہایۃ ج ۸) (فراست اور دینداری میں عظیم الشان تھی۔

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنو کلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لئے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے سیاسی اغراض کے لئے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بحدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اکیدر بن عبد الملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں بھی تھا۔ یہ وہی اکیدر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پیش کیا تھا جب آپ غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ نے اکیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا۔

(عرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم الاسلام علی اکیدر فاسلم واصبح لہ حلیفاً۔ | اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کو اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور وہ اپنے قبیلہ کی حلیفی کا عہد نامہ کیا۔

(ص ۲۲۴ حیات محمدؐ مولفہ محمد حسین ہیکل)

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے (ص ۶۹ معجم البلدان بلاذری) دوسرا بھائی بشر بن عبد الملک عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے بہرہ یاب تھا حضرت معاویہؓ کی پھوپھی الضہبا بنت حرب بن اُمیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہو گیا تھا۔ اور اہل مکہ نے اسی سے نوشت وخواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی یہ رشتہ زوجین کے لئے مبارک ہوا۔ اس نجیبہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب وہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام انھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابو سفیانؓ کے نام نامی پر جنھوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا یزید رکھا۔

سنہ ولادت علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فتزوجہا معاویۃ وولدت لہٗ یزید بن معاویۃ فجاء نجیباً | پس (حضرت) معاویہؓ نے دوشیزہ میسون سے شادی کی اور اس کے (بطن سے) یزید بن

ذکیا حاذقا۔ | معاویہ پیدا ہوا جو (فطرتاً) عجیب ذکی
(صـ۳۳ جـ۸ البدایۃ والنہایۃ) | اور تیز فہم تھا۔

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں، بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت سنہ ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سنہ ولادت ۲۵ھ ہے علامہ ابن کثیرؒ سنہ ۲۲ھ کے حالات کے سلسلے میں کہتے ہیں:۔

وفیھا ولد یزید بن معاویۃ و عبد الملک بن مروان۔ | اور اس سنہ (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبد الملک بن مروان پیدا ہوئے۔

(صـ۲۵ جـ۸ البدایۃ والنہایۃ)

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سنہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبد الملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی و محاسن موروثی و اکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا (صـ۲۲۷ جـ۸ البدایۃ والنہایۃ)۔

خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت و علو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے ؎

بالائے سرش زہوشمندی | می تافت ستارۂ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کے ایک یا دو اولادیں اور بھی ہوئیں، یہ دونوں بیٹیاں تھیں ایک کا نام امۃ المشارق تھا جو خورد سال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھیں جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے عقد میں آئیں اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ تھیں جو زید بن عمرو عثمانؓ کی زوجیت میں آئی تھیں (صـ۹۲ کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۲ھ) امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر میں اپنی انہی بہن رملہ کے اپنے محترم والد کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس سے قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا اور وہ شعر یہ ہے۔

ھما انتعینا و باب الدار منصفق | بصوت رملۃ ریع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دینداری

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہدِ خلافت میں دربارِ عام سے اُٹھ کر زنانخانے میں آئے، اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا۔ سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا:۔

ودخل معاویۃ علیھا (ای میسون) یومًا معہ خادم خصی فاستترت منہ وقالت ما ھذا الرجل معک؟ فقال: انہ خصی فاظھری علیہ فقالت ما کانت المثلۃ لتحل لہ ما حرم اللہ علیہ وحجبتہ عنھا۔

(ص۲۳ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انھوں نے اس سے پردہ کیا اور حضرت معاویہ سے پوچھا، یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انھوں نے جواباً کہا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر سیدہ میسون نے کہا کہ زنخا ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہوسکتا۔ پھر انھوں نے اس سے پردہ کیا۔

ایسی دین دار اور پابند احکامِ شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور سخیف روایتیں وضع کی ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی یہ زوجہ سیدہ میسون اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں (Jacobite christian) (ص۱۹۵ تاریخ عرب مولفہ ہٹی بحوالہ آغانی) بنو کلب کی صرف ان دو خواتین کے بارے میں جو خاندان بنی اُمیہ میں حضرت معاویہؓ و حضرت عثمانؓ کے حبالۂ عقد میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ و سیر سے نہیں بلکہ ادبیات اور قصوں اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً آغانی ہے اور اغانی کے مولف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن ان ہی خواتین کی ہم عہد و ہم عصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ایک دو نکذیب بیانی

سیدہ میسون کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ دختر صحرا" شہر کی محلاتی زندگی و معاشرت پر بدوی و صحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر بھی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان اشعار کو سن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیجدیا۔ جہاں بادیۂ شام میں یزیدؒ نے ایک جیالی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی (ص۱۹۶ تاریخ ادبیات عرب مولفہ نکلسن)۔ اس کذب بیانی کی تائید میں یہ نو شعر والدہ یزید سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے۔ اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ میں لفظ "میسون" کے تحت محقق لامن (Lammens) کا یہ قول درج ہے۔ ھذی الابیات لیست لمیسون ولیس الصحیح ان ھی قائلتھا یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اس نے کہے ہوں۔ تاہم ان سے بدوی خواتین جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہوں گی۔ عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابو الفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیف ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصۂ دوم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں ان کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کے ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب و معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

دخترِ صحرا کی پکار	الصرخۃ بنت البادیۃ
خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا	لبیت تخفق الارواح فیہ
قصر والوں سے ہے بڑھکر پر فضا میرے لئے	احب الیّ من قصر المنیف

ولبس عباءة وتقر عینی
احب الیّ من لبس الشفوف
واکل کسیرة فی کسر بیتی
احب الیّ من اکل الرغیف
واصوات الریاح بکل فجّ
احب الیّ من نقر الدفوف
وکلبٌ ینبح الطرّاق عنّی
احب الیّ من قط الوف
وبکر یتبع الاظعان سقباً
احب الیّ من بغل زفوف
وخرق من بنی عمی فقیر
احب الیّ من علج عنیف
خشونة عیشتی فی البدو اشهیٰ
الی نفسی من العیش الطریف
فما ابغیٰ سوی وطنی بدیلا
فحسبی ذاک من وطن الشریف

رکھتی تھی بے چین مجھ کو اگرچہ وہ اونی قبا
نرم جامے سے بھی تھی راحت فزا میرے لئے
خشک ٹکڑے کھانا خیمے کے اندر بیٹھ کر
بڑھ کے نانِ تازہ سے ہے خوش مزا میرے لئے
وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ جس قدر
دف و نقارہ سے بڑھ کر خوش نوا میرے لئے
بھونکنا کتے کا تو آئندہ مہماں دیکھ کر
گربۂ مانوس سے بھی خوش نوا میرے لئے
بار اٹھائے پشت پر یہ بن بیاہی اونٹنی
تیز رو خچر سے بھی ہے خوش ادا میرے لئے
سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم
اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لئے
زندگی صحرا کی گو کتنی ہی ہو تکلیف دہ
خوش گوار اس ناز و نعمت سے سوا میرے لئے
اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ ممکن نہیں
ہے وطن کی سرزمیں راحت فزا میرے لئے

سیدہ میسون جیسی دین دار و عقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسوب کرنے کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین نے اس سلسلے میں وضع کیں۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی لکھی ہے۔

"حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سن لیا تو گانے والی کو اس کے چچیرے بھائی اور اس کے محبوب صحرا و بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے بیٹے یزید کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب تک کہ یہ علیف (اللہ منہ گدھا) اپنے باپ دادا کے پاس دوسرے جہاں میں نہ پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شعر گوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت و حقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔ اس کے ساتھ برٹن نے یہ بھی

لکھا ہے کہ "اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سن کر ضرور دہل جائینگے کہ اس ذی فہم خاتون نے اپنے شوہر کو (FATTED ASS) (سنڈمسنڈ گدھا) تک کہہ ڈالا ہے"

(حج سفرنامہ مکہ و مدینہ سر رچرڈ الف برٹن)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی و افترا پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ صدیوں تک نئے نئے روپ میں ہوتا رہا۔ بایں ہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں ان سے حدیث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین بن الحسین ؓ) بھی ہیں (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف اسلامیہ اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب و رجال وغیرہ) اور یزید ؒ کا بدو شعور سے اپنے محترم والد کے آغوش محبت و دامن تربیت میں پرورش پانا روز روشن کی طرح ثابت ہے جس کے بعض حالات و واقعات دوسرے اوراق پر آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

بچپن یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اموی و ہاشمی گھرانوں کے خاندانی دستور کے مطابق بسر ہوا حجاز سے باہر جہاں کہیں بھی سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی دستور کے پابند رہے کہ خورد سال اطفال کو بدوی دایوں کی پرورش میں دیدیتے صحرا کی آب و ہوائیں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشو و نما کے لئے بنہایت مفید ہوتی۔ بچپن سے محنت و مشقت اور سادہ و بے تکلف زندگی کی عادت پڑتی بھاگ دوڑ اونٹ گھوڑے کی سواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرتے خالص عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں وہ کر سیکھتے۔ یزید ؒ کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم شہر بالمائی رینا آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بن گیا تھا۔ امیر المومنین عبدالملک ؒ و امیر المومنین ولید ثانی نے اس صحت بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو "البادیہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

امیر یزیدؒ کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اس کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرنا معمولی وقوع پذیر ہونے والی بات تھی۔ مگر وضاعین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں اور روایتیں وضع کیں۔ کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں۔ کبھی یہ کذب بیانی کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر میکے چلی گئی جہاں یزیدؒ نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر شراب نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ۔ من الاھفوات یہ سب تہمت تراشیاں اگرچہ قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی کے مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار نیمت شعار "مورخ" کس درجہ مبتذل الفاظ میں امیر المومنین کی سرایمہ دہ عصمت و عفاف پر جو خود بھی بڑے زبردست عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیرؒ بڑی دانشمند دین دار و پابند شریعت خاتون تھیں سب و شتم کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افترا پردازی ہے جو بعض ان مولفات میں بھی کی گئی ہے جن کو "تاریخ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مولخ لکھتا ہے۔

مادر یزید . . . میسون نام داشت و دختر بجدل (ابن) انیف کلبیہ بود و از سفاح غلام بجدل حامل گشت و چوں از بادیہ بہ سرائے معاویہؓ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہؓ شوی نخستین نبود و از میسون مہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لاجرم وقتے یزید متولد شد معویہ او را پسر خویش دانست و از آں پس میسون بر نجید و معاویہؓ را ہجا گفت و بجوارین رفت۔ (صفحہ ۹۹ جلد ششم) (کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

یزید . . . کی ماں کا نام میسون تھا اور وہ بجدل (ابن) انیف کلبی کی بیٹی تھی۔ اور بجدل کے غلام سے اس کو زنا کا حمل ٹھیر گیا اور جب وہ بادیہ سے معاویہؓ کے محل میں آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا۔ کیونکہ معاویہؓ اس کا اولین شوہر نہ تھا اور اس نے میسون سے پردہ بکارت کا مطالبہ نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو معاویہؓ نے اسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے بعد میسون ناراض ہو گئی اور اس نے معاویہ کی ہجو کہی اور حوارین کو چلی گئی۔

اس مفتری کذاب کو کیا کہا جائے؟

تعلیم وتربیت یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین وفطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ مورخین نے برسبیل تذکرہ لکھدیئے ہیں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات ودینیات میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے۔ اور خطبات جمعہ وعیدین میں جو خطبے دیتے قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت کرتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان وحاضر جواب تھے۔ بچپن کا واقعہ ہے ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی:۔

فقال لہ موحبہ:۔ اخطاءت یاغلام۔	اتالیق نے کہا: اے لڑکے تو نے خطا کی۔
فقال یزید:۔ الجواد یعثر	یزید نے کہا: اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے
فقال الموحب:۔ اے واللہ یضرب فیستقیم۔	اتالیق نے کہا:۔ ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہوجاتا ہے۔
فقال یزید:۔ اے واللہ فیضرب انف سائسہ۔	یزید نے کہا۔ ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔

ص۳ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم۔

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن کی غلطیوں پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا۔ فوراً تنبیہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزید کو سنائے جو اسی قسم کے واقعہ پر آپؐ نے ابو مسعودؓ سے فرمائے تھے:۔

اعلم ان اللہ اقدر علیک منک علیہ۔	یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھکو اس پر ہے۔

حدیث سنا کر بیٹے سے فرمایا:۔

"تیرا ایسا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پھرتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں ان کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور احسن ہے۔"

(ص ۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)

یزید کے زمانۂ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی قرآن وحدیث کے علاوہ ادبیات (شعر وشاعری)، علم الانساب علماء کی صحبت وخطبات سے حاصل کئے جاتے۔ حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزید کے استاد تھے۔ کان عالماً ولکن غلبۃ النسب (تہذیب والتہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا ان پر غلبہ تھا دغفل النسابہ سے مشہور رہیں۔ ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے حضرت دغفل کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

یقال لہ صحبۃ وقال نوح بن حبیب القومسی فیمن نزل البصرۃ من الصحابۃ دغفل النسابۃ۔

(ص ۲۲ ج ۱ اصابہ)

کہتے ہیں کہ ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ نوح بن حبیب القومسی نے ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے کہا ہے کہ ان میں دغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔

ایسے فاضل ونساب صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ حضرت دغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھ کر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہیئے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجئے (الاصابہ)

چنانچہ عرصے تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے علوم دینیہ وادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کما حقہ مہارت حاصل تھی۔ جو رومی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ ودلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب

اس جویائے علم اموی قریشی نوجوان کو علماء، صلحاء وصحابہ کرام کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی دمشق کو جب سنہ ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا اعزاز حاصل ہوا یزید کی عمر انیس بیس برس کی تھی

حجاز اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آتے، اکثر ان کے پاس مقیم ہوتے، فرزند امیر المومنین کو ان صحابہ رسول اللہ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے، جو صحابہ کرام دمشق میں سکونت گزیں تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن عبد المطلب بن الحارث بن عبد المطلب الہاشمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور صحابی بن صحابی تھے خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی وفات سے پہلے انھوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اسی کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر نہایت اعتماد ہو۔

عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم صحابی انتقل الی دمشق وله بها دار فلما مات اوصی الی یزید بن معاویۃ وھو امیر المؤمنین فقبل وصیتہ (ص ۲۱۳ ج البدایہ والنہایۃ الاثیر وجمهرة الانساب ابن حزم ص ۶۳)

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن ہاشم صحابی تھے، مدینہ سے دمشق کو منتقل ہو گئے تھے وہاں ان کا مکان بھی تھا جب مرنے لگے امیر یزید بن معاویہؒ کو انھوں نے اپنا وصی و وارث بنایا وہ اس وقت امیر المومنین تھے اور انھوں نے اس وصیت کو قبول کر لیا۔

خطابت صحابہ کرام و علماء و صلحاء کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جوان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لئے درسگاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؒ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو ایک صندوقچہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہو گئے امیر زیاد

نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنے حسن کارگذاری کا موثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر و منتظم ہونے کے علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس لن ترانی کو سن کر اُن سے نہ رہا گیا۔ امیر زیادؒ کی تقریر کے بعد کھڑے ہوئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد سٹپٹا کے رہ گئے۔ وہ فقرے سنانے سے پہلے ناظرین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتداءً دفتری خدمات پر مامور ہوئے تھے، ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص ۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابو سفیانؓ بعنوان "زیاد بن ابی سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ" بیان کی ہے کہ زیادؒ کی ماں سمیّہ نام ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران)، کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کی جوازی میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گذر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیّہ کا زمانۂ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابو سفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیقات شرعی تسلیم کیا۔ اور انھیں اپنے والد حضرت ابو سفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے فرماتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا:۔

ان فعل ذالك يا زياد فنحن
نقلناك من ولاء ثقيف الى قريش
ومن القلم الى المنابر ومن زياد
بن عبيد الى حرب بن امية
فقال معاوية له اجلس
فداك ابي وامي ۔
(ص ۲۲۸ ج البداية والنهاية)

اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو اتنی کیوں ہی،
کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنھوں نے تم کو (قبیلہ)
ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی و رشتہ) سے
ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی گھس گھس
اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر
کی حیثیت میں پہنچا دیا، اور زیاد فرزند غلام
سے حرب بن امیہ کے اخلاف میں شامل کیا
(تو پھر تم کیا دوں کی لیتے ہو، حضرت معاویہؓ
نے ہنس کر بیٹے سے کہا۔ بس اب بیٹھ جاؤ
تم پر میرے ماں باپ قربان ۔

دیکھئے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں۔ "من القلم الی المنابر" گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیادؒ کی گویا پوری لائف بیان کردی۔ یہی تو کمال فصاحت و بلاغت ہے۔ "الی الحرب بن امیہ" کہا، ابو سفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا۔ جو ابو سفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ اور فی البدایہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اٹھے روح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی۔

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر ان کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے ان کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیرؒ فصیح و مختصر عبارت میں تھے۔

عزاه بعبارة فصيحة وجيزة
شكره عليها ابن عباس ۔
(ص ۳۸ ج البداية والنهاية)

(یزید نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر
مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر
ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے، لفظ تو معمولی ہیں۔ مگر جو لفظ جہاں

آیا ہے گویا نگینہ کی طرح ایسے تناسب سے جڑا ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا:۔

رحم الله ابا محمد اوسع له الرحمة وافسح اعظم الله اجرك واحسن عزاءك وعوضك من مصابك ما هو خير لك ثوابا وخير عقبىٰ۔"

اسلام میں بہترین خطباء کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیبؒ نے سب سے پہلے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المؤمنین یزیدؒ کے نام لئے پھر دو اموی بزرگوں کے بعد عبداللہ بن الزبیرؓ کا اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔

(ص ۲۱ ج البدایۃ والنہایۃ)

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کی وفات کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جامع دمشق میں جب امیر المومنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو عامل دمشق بھی تھے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر پاس ہی آ بیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں:۔

ثم خرج (یزید)، وعليه اثر الحزن فصعد المنبر واقبل الضحاك فجلس الى جانب المنبر وخاف عليه الحصر فقال له يزيد! يا ضحاك، اجئت تعلم بني عبد شمس الكلام؟

(ج ۲ ص ۱۳۷)

پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر مسجد دمشق میں آئے ان کے چہرے پر رنج کا اثر تھا جب منبر پر چڑھے (حضرت) ضحاکؓ آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) مافی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں یزیدؒ نے ان کے اس شبہ کا احساس کر کے، ان سے کہا۔ اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں آ بیٹھے ہیں؟

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کئے ہیں :-

الحمد للہ الذی ما شاء صنع من شاء اعطی ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع ان معاویۃ بن ابی سفیان کان حبلاً من حبال اللہ مدہ ما شاء ان یمدہ ثم قطعہ حین شاء ان یقطعہ فکان دون من قبلہ وخیراً ممن یاتی بعدہ ولا ازکیہ وقد صار الی ربہ فان یعف عنہ فبرحمتہ وان یعذبہ فبذنبہ وقد ولیت بعدہ الامر ولست اعتذر من جھل ولا آسی عن طلب علم وعلی رسلکم اذا کرہ اللہ شیئاً غیرہ واذا اراد شیئاً یسرہ -

(ص ۱۴۸ ج البدایہ والنہایۃ)

سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے - جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے، جسے چاہے سربلند کرے معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے جب تک چاہا اسے دراز کرے دراز کیا پھر جب سے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کر دیا - وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے - میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے - جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت اور اگر سزا دے تو گناہ کا بدلہ ان کے بعد میں اس امر (خلافت) کا ولی بنایا گیا ہوں - میں جہل کا عذر نہیں کرتا - اور طلب علم سے مایوس نہیں آپ لوگ سنبھل کر رہیں (اور یقین کریں کہ) اللہ جس چیز کو مگر وہ سمجھتا ہے اسے بدل دیتا ہے - اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے اسے آسان کر دیتا ہے -

علامہ ابن کثیرؒ نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا : واذا اراد اللہ شیئاً کان "یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا جب ارادہ کرے وہی ہوتی ہے - یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو ایسے متاثر تھے کہ یزیدؒ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنہ وھم لا یفضلون علیہ احداً (ص ۱۴۳ ج البدایہ والنہایۃ)

امیرالمومنین کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے دیا۔
فخطب الناس اوّل خطبة خطبها وھو امیر المومنین ۔پس انھوں نے
(یزید نے، لوگوں کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیرالمومنین ہونے کے بعد
پہلا خطبہ تھا۔ظاہر ہے کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں پر ہی مشتمل
ہو لیکن دیکھئے یہ چند جملے بھی موقع ومحل کے اعتبار سے کیسے فصیح وبلیغ وجامع ہیں
پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ وحکمت بالغہ کا سیدھے سادے الفاظ میں
ذکر ہے۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیرالمومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت
سے کس موثر پیرایہ میں کیا ہے۔ نہ کسی کی ستائش نہ کسی مزعومہ "حق" کا اشارہ
امیر یزیدؒ اپنے خطبات میں اکثر وبیشتر قرآن مجید کی آیات اور رکوع وسورتیں
تلاوت کرتے اور فرماتے ان احسن الحدیث وابلغ الموعظة کتاب
اللہ "۔ (ص ۳۷ ج العقد الفرید)

بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے"۔ تقریر کے ان جملوں میں بھی
بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔ انتخاب وبیعت خلافت کے سلسلے میں
کیسے غلط اور بے اصل اقوال ان سے اور ان کے محترم والد ماجد حضرت معاویہؓ سے
منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہؓ
کی اس وصیت کو جو اپنے آخر وقت انھوں نے اپنے لائق فرزند کو ان کے فرائض کی
ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی۔علامہ ابن کثیر نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی
متن کو بخوف طوالت ترک کر کے ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے
ہیں :۔ قال معاویہ لیزید وھو یوصیہ عند الموت (حضرت معاویہؓ
نے یزید سے کہا اور وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے۔

"اے یزید! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا یہ امر خلافت، تمھیں تفویض
ہوا ہے اور تم اب اس کام کے باختیار ہو جس کا میں تھا۔ تم نے اگر
اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور
اگر اس کے خلاف کیا دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔
ان کی طرف سے اگر تکلیف دہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمہاری

تنقیص ہوتی ہو توان باتوں سے اغماض برتنا اس طرزِ عمل سے تمھیں چین ملے گا اور تمھارے حق میں رعایا کی اصلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمھیں اور تمھاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہلِ شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا ان کی توہین نہ کرنا۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بیچارگی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب نہ ہونے دینا۔ ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمھارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھیننا اور نہ ان میں کمی کرنا ورنہ وہ تمھارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور تمھارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مُسن اشخاص ہوں مشورے کے لئے بلانا ان کی جو رائے قائم ہو۔ اس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنی رائے پر اڑ نہ جانا۔ اور بے جا اصرار نہ کرنا کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی جس بات سے تم کو وقوف ہو اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اس کی تصدیق کرنا، ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے ازار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا اس سے تمھارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہو جائے گی۔ انھیں تم پر انگلیاں اٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلدباز ہوتے ہیں۔

نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمھارے حق اچھی طرح مان لیں گے۔ تمھاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں تمھارا وقار اور عظمت بڑھ جائے گی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عزو شرف کو پہچاننا۔ کیونکہ وہی تمھاری اصل اور تمھاری برادری کے لوگ ہیں۔ اہلِ شام کی توقیر کا تحفظ کرنا کیونکہ وہ تمھارے طاعت گذار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو اپنے

فرامین و تحریرات بھیجتے رہنا جن میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا عہد کیا گیا ہو۔ کیوں کہ اس سے ان کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمہارے پاس آئیں ان سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں۔

بدگویوں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بڑے مشیر ہوتے ہیں"

ص ۲۲۹-۲۳۰ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لئے بیشک ادا ہو سکتی تھیں جس نے کم وبیش دس سال تک ولیعہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم ونسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔ لیکن وضّاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا و نصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے محض محبت پدری سے نااہل بیٹے کو جانشین بنایا۔ اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمہاری مخالفت کرائیں گے۔ ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

شاعری اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا۔ امیر یزیدؒ کو مبداء فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی وہبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے۔ کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کر دیئے ہیں جن میں صریحاً کفریات اور خرافات بکی گئی ہیں۔ علّامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے ؎

لعبت ھاشم بالملک فلا ملک جاءہ ولا وحی منزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا۔ احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزید کا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت اور اگر اس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنے والوں پر لعنت فلعنۃ اللہ علی من وضع علیہ لیشنع بہ علیہ (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ ان پر جڑا تاکہ اس سے ان کی رسوائی ہو۔ ج ۸ ص ۲۲۴)

صاحب کشف الظنون دیوان یزید بن معاویہؓ کے تحت لکھتے ہیں:-

اوّل من جمعہ ابو عبد اللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی وھو صغیر الحجم فی ثلاث کراریس وقد جمعہ من بعدہ جماعۃ وزادوا فیہ اشیاء لیست لہٗ وشعر یزیدؓ مع قلتہ فی نہایۃ الحسن ومیزت الابیات التی لہٗ من الابیات لیست لہ وظہرت حکل صاحب البیت۔ (ص ۲۲۳ ج کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۰ھ)	(دیوان یزید کو) سب سے اول ابو عبد اللہ محمد بن عمران المرزبانی بغدادی نے جمع کیا وہ بہت چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا۔ اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید نے نہیں کہیں۔ لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن وخوبی کے ہیں۔ اور میں نے ان ابیات میں جو ان کی کہی ہوئی ہیں اور ان میں جو ان کی کہی ہوئی نہیں ہیں۔ امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اور جس جس کا جو شعر ہے، اس کا نام معلوم کر لیا ہے۔

متعدد مؤلفین کتب تاریخ وسیر وادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں۔ جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہ کے لئے جو قطعہ اشعار ناظرین کتاب ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً ان ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں۔

امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:-

وساعٍ يجمعُ الاموالَ جمعاً

کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہے

ليورث ثمّ اعاديه شقاءً

تاکہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنادیں

وکم ساعٍ ليثرى لم ينلهُ

اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کرلیں ناکام رہے۔

وآخرُ ما سعى نال الثراءَ

دوسرا (جس نے کچھ کوشش نہیں کی مال کثیر پا گیا۔

وَمَن يستعتبِ الحدثانَ يوماً

اور جس نے کسی دن بھی، حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی۔

يكن ذالك العتابُ لهُ عناءً

اس کے لئے اس کا یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔

كشرُّ الناسِ عبدٌ وابنُ عبدٍ

بدترین انسان غلام ہے اور غلام زادہ

وألأمُ من مشى مولى الموالي

اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنے والا آزاد کردہ غلاموں کا سابق آقا ہے۔

اعصِ العواذلَ وارمِ الليلَ عن عرضٍ

ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گزار دے

بذي سبيبٍ يقاسي ليلهُ خبباً

جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے۔ اور رات کی تکلیفیں دُلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے۔

أقبُّ لم يثقبِ البيطارُ سرّتهُ

چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی نال کو بیطار نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)

ولم يدجهُ ولم يرقم لهُ عصبا

اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہے اور نہ اس کے پٹھے پر کوئی نشان لگا ہے (یعنی پرانا نہیں بالکل نیا ہے)

حتى يثمرَ مالاً او يقالَ فتى

اس امید پر کہ بہت مال بٹورے یا (کم سے کم) جوانمرد کہلائے

لاقى التي تشعبُ الفتيانَ فانشعبا

ایک (احمق نے) اس (دبیو اشراب) سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کردیتی ہے تو (آخرکار) ہلاک ہوکر رہا۔

لَا خَيْرَ عِنْدَ فَتًى اَوْدَتْ مُرُوْءَتُہٗ — يُعْطِي المَقَادَةَ مَنْ لَا يُحْسِنُ الجُنُبَا

جس جوان کی مروت پژ مردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی — جو فرمان وہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے

کلامِ موعظت نظام

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف بلاذری سے برسبیل تذکرہ نقل کیے گئے ہیں ورنہ دیوان یزید کے قلمی[1] اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و موعظت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ منظوم کلام کے علاوہ بعض مولفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند و نصائح کے نقل کئے ہیں ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر[2] ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ

---

[1] مثلاً خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند و نصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

[2] قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن۔ بیت المقدس دمشق و حجاز و عراق (بغداد) کے نامور علماء و شیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ چند سال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوئے۔ تقریباً بیس سال ممالک اسلامیہ کے اساطین علم و فن سے کسب فیض کر کے وطن کو لوٹے قاضی ابوبکر بن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مولف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث و اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں میں تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراکش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں

نے جو حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالی کے خلیفہ اور شاگرد تھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کے حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے ان کا قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں :۔

اذا مرض احدکم مرضاً فاشفی ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسواء عمل عندہ فلیدعہ (ص ۲۳۳ کتاب الوہم من التوہم)	تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کون سا برا عمل اس نے کیا تھا اسے ترک کر دے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت التضام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا، اس مقام پر نقل کیا ہے۔ جہاں صحابہ کے بعد

---

۴ ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے (ص ۲۱۷ مطبوعہ مصر) قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے موقف اور مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے۔

ولکنہ رضی اللہ عنہ لم یقبل نصیحۃ اعلم اہل زمانہ ابن عباسؓ عدل عن رائے شیخ الصحابۃ ابن عمر (ص ۲۳۲)	لیکن انھوں نے (حسینؓ نے) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا)

۵ امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے حجم میں بہت کم ہے امام موصوف کی مسند بہت کبیر الحجم ہے اور کتاب الزہد اس مسند کی ضخامت کے ایک ثلث کے تھی۔ صاحب التعجیل المنفعۃ کتاب الزہد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

• فانہ کتاب کبیر یکون فی قدر ثلث المسند مع کبر المسند وفیہ من الاحادیث والاثار مالیس فی مسند مشیٔ کثیر۔ (خطبہ الکتاب ص ۳)

اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات و مواعظ سے وہ اقوال نقل کئے ہیں جن کی زہد و ورع میں پیروی کی جاتی ہے اس لحاظ سے قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک امیر المومنین یزید کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور ان کو طبقہ زہاد صحابہ و تابعین میں داخل کیا" یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم (ص ۲۳۳ ایضاً)

امیر یزید کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ وسیر و رجال میں مل ہی جاتے ہیں۔ بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزید فرماتے ہیں:۔

حفظ الندیم والجلیس واکرامھما من کرم الخلیفۃ وقضاء حق النعمۃ	ندیم و جلیس کا تحفظ اور اس کی عزت و توقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ص ۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداء جیسے عالم و زاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے ان کو فقہا العلما میں کہ کر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ ان ابا الدرداء من الفقہاء العلماء الذین یشفون من الداء (کتاب الجرح والتعدیل الرازی)

حلم و کرم ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مورخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کئے ان سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزید کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سر لابیہ اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً

---

۲ مطبوعہ نسخہ میں سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو سرسری نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین معاویہ و امیر المومنین یزید کے بارے میں جو اوراق تھے یا دیگر بنی امیہ کے متعلق وہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں۔

بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے وہاں یزید یحدث نفسہ بالتزامہما حضرت معاویہؓ کے حلم وکرم کے واقعات تو سب ہی نے لکھے ہیں خواہ وہ مخالف و معاند ہوں یا موافق و آزاد نگار۔ ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ ان کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ ان کے شایان شان بھی نہ تھی وہ اتنے برہم ہوئے کہ اپنے بیٹے کو قسم دلاکر کہا کہ جاؤ ان درہموں کو لیجاکر معاویہؓ کے منہ پر مار دو۔ تابعدار بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم کو اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہیئے۔ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم کو بزدل اور ذلیل سمجھیں گے حضرت معاویہؓ نے فرمایا " اے فرزند عزیز! حلم و بردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سبکی مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ۔

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا۔ حلم وکرم کے ساتھ مخالفین اور معترضوں سے درگذر اور معافی سے پیش آتے رہے۔ مورخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔ انھوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر و مدارت نہیں کی۔ اس پر انھوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا۔

اقتلہ فان حلم امیرالمؤمنین معاویۃ جرّ الناس علیکم فقال جفونا و حرمناہ فاستحقنا ذالک منہ فبعث الیہ بثلاثین الف درھم فمدحہ۔	آپ ان کو قتل کر دیجئے کیونکہ امیرالمومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔
(صلا ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)	امیرالمومنین یزیدؒ نے فرمایا ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اسلئے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں تیس ہزار درہم بھیج دیئے تو انھوں نے ان کی مدح کی۔

ایک اور واقعہ بھی مورخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی امیہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا۔

حُشِینا الغیظ حَتّٰی لو شربنا	دِماءَ بنی اُمَیَّۃَ ما رَوِینا
ہم پر اتنا غیظ و غضب سوار ہے کہ	اگر بنی امیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے۔ امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کے لئے عامل بصرہ کو حکم دیا چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کرکے مالک نام ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط سے رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہوا۔

وقدم علی یزید فعزاہ عن معاویۃ وھناہ بالخلافۃ واتی ابنہ معاویۃ فاستجار بہ فآمنہ وصفح عنہ وکتب الی ابن زیاد یامرہ ان لا یتعرض لہ واوصاہ بہ۔	(ابن ہمام امیر المومنین، یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت، معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؒ (ابن یزید بن معاویہؒ) کی خدمت میں جا کر ان سے امان طلب کی ان کی سفارش پر ان کو معاف کر دیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔
(ص ۲ قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)	

ابن ہمام نے ۲۱ شعر کا ایک اور قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کرکے ان واقعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب "امام و خلیفہ" سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے :-

وقد شھد النَّاسُ عند الاما ۔ م اَنّی عَدُوٌّ لاعداءِ شکا

اسی وقت ثقفی قبیلہ کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارکباد دینے آئے اور عرض کیا۔

اصبحت یا امیر المومنین فارقت الخلیفۃ واعطیت الخلافۃ فاجرک اللہ عظیم الرزیۃ ورزقک الشکر	اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہو گئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے

علی حسن العطیة (ص۳ ایضاً) — اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق

ابن ہمام بھی اس وقت موجود تھے انھوں نے اس مضمون کو فی البدیہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دیا:۔

اِصبر یزید فقد فارقت ذا ثقۃٍ — وَاشکر عطاءَ الّذی بالملکِ اصفاکا

اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمھاری جدائی ہو گئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے — اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے کر خدا نے تمھیں برگزیدہ کیا۔

اصبحتَ لا رُزءَ فی الاقوام نعلمہ — کما رُزئتَ ولا عقبیٰ کعقباکا

جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی۔ — اور امید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔

اُعطیت طاعۃَ اھل الارض کلّھم — فانت ترعاھم واللّٰہ یرعاکا

آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہو گئی۔ — تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔

وفی معاویۃ الباقی لنا خلفٌ — اذا نعیتَ ولا نسمع بمنعاکا

اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزیدؒ) اچھے خلف ثابت ہوں گے، — لیکن خدا کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر نہ سننی پڑے۔

ان ہی اوصاف حلم وکرم و معافی و درگزر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مدّاح و ثنا خواں ہو گیا۔ الغرض والد محترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ و تابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول اور تربیت کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی سیرت میں پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم ہمعصر مورخ بھی ان کے حلم وکرم رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا ایک رومی مورخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام میں کس درجہ محبوب تھے۔

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نو عمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔

یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبر گیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کی جناب میں اس اموی نوجوان کو جو عقیدت بدرو شہدا سے تھی اس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہو چکا اس امر واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری و خدمت اپنی ذات پر لازم کرلی اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرے ایک مرتبہ انھوں نے اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی و بنی سہم و بنی جمح کے یتاٰمی کی پرورش کے لئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے :۔

فقال (معاویۃؓ) مالك ولايتام بنى عدى؟
فقال ويزيد لانهم حالفونى وانتقلوا الى داری۔
فقال (معاویۃؓ) قد فعلتُ ذالك وقبّل وجهه
(ص۲۲۷ ج البداية والنهاية)

(حضرت معاویہ نے کہا، بنی عدی کے یتیموں سے تمھیں کیا تعلق۔؟
یزید نے کہا۔ انھوں نے مجھ سے حلیفی کا تعلق کرلیا ہے اور میرے گھر میں منتقل ہو گئے ہیں
حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہیں یہ سب باتیں منظور ہیں۔ پھر یزیدؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

واضح رہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا۔ جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون الاولون) بدری صحابہ و مہاجرین کے گھرانے شامل تھے جنہوں اجنادین، یمامہ اور شام کے زبردست معرکہائے جہاد میں شریک ہو کر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل تھی اسی طرح بنی جمح میں بھی متعدد بدری صحابہ، مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمان و قدامہ عبداللہ و سائب لبنائے حضرت مظعون بن حبیبؓ جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہؓ کا گھرانا بھی تھا حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام کے مؤذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے اخلاف و احفاد میں متوارث رہی۔ یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے۔ ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامیٰ کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؓ کی حساس طبیعت میں رفق و رحمدلی کے جن جذبات سے نو عمری میں پیدا ہوا تھا تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانۂ شباب میں ان مجاہدین و شہداء و صحابہ کرام کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی

قدر و عظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسّی و پیروی کے لئے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

حرارتِ دینیہ و خدماتِ ملیہ

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ و غیر صالح نظام کے بجائے صالح و عادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیانِ عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ ع

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے۔

فاغزا معاویۃ ارض الروم ست عشرۃ غزوۃ، تذھب سریۃ فی الصیف ویشتوا بارض الروم۔
(ص۱۳۳ ج البدایۃ والنہایۃ)

حضرت معاویہ نے رومی عیسائیوں کے علاقہ پر ۱۶ مرتبہ جہاد کئے گرمیوں اور سردیوں میں جداگانہ عسکری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانۂ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔

تولیتی العام الصائفۃ المسلمین
(ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)

اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لئے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں۔ سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی۔ اور گرمیوں کی "صوائف"۔ ابتدائی اوراق میں جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے اس جہاد کی مہم "صوائف" کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے وفات پا جانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا ہے

قیصر نے یہ دیکھ کر اور امیر یزیدؓ کے پاس پیغامبر بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

فارسل الی یزید: ما هذا الذی اری؟

قیصر روم نے یزیدؓ کے پاس (پیغام) بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

قال: صاحب نبینا وقد سألنا ان ندفنه فی بلادك ونحن منفذون وصیته او تلحق ارواحنا بالله۔

(ص ۱۳۲ ج ۳ عقد الفرید مطبوعہ مصر)

یزید نے جواب دیا یہ ہمارے نبی کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انھوں نے تمھارے ملک کے اندر لے جاکر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ (اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے، خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؓ کی یہ بات سنکر قیصر کے منہ جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ گے یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے (فاذا ولیت اخرجناه الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؓ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی۔ بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف بڑھے پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا، اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر امیر یزیدؓ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔ اغانی جیسے غالی مولف نے بھی لکھا ہے:۔

ثم کف العسکر وحمل حتی هزم الروم فاجحرهم فی المدینة وضرب باب القسطنطنیة بعمود حدید کان فی یده

پھر یزیدؓ نے فوج کو ادھر پھیر کر رومیوں پر، حملہ کردئے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے

فهشموحتی انخرق۔ (ص ۳۳ ج ۱۶ اغانی)

گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ اجگہ جگہ سے پھٹ گیا۔

باب قسطنطنیہ پر امیر یزید کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیر کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ جہاں انھوں نے حضرت معاویہ رض کے زمانے خلافت میں امیر یزید کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

وکان فی جملۃ من اغزی ابنہ یزید ومعہ خلق من الصحابۃ فجازبھم الخلیج وقاتلوا اھل القسطنطنیہ علی بابھا۔

(ص ۱۳۳ ج البدایۃ والنہایۃ)

اور ان غازیوں میں جنھوں نے ان کے (معاویہ رض) کے زمانے میں جہاد کئے تھے ان کے فرزند یزید بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی۔ جو خلیج پار کر کے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزید نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:۔

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ او مثل بہ لاترکت بارض العرب نصرانیا الاقتلتہ ولا کنیسۃ الاھدمتھا۔

(ص ۱۳۳ ج العقد الفرید)

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابو ایوب انصاری رض) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا۔ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دوں گا۔

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزید کے بیباکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامن گیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی۔ بلکہ اس کی حفاظت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابو ایوب انصاری رض کی قبر پر قبہ بھی بنوادیا تھا۔

انہ بنی علی قبرہ قبۃ یسرج فیھا الی الیوم

اس نے (قیصر نے) ان کی ابو ایوب انصاری رض کی قبر پر قبہ بھی بنوادیا جہاں آج

(۱) ص ۱۳۳ ج العقد الفرید   کے دن چراغ روشن ہوتا ہے،

آغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزیدؒ کی اس غیرت و حمیت ملیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کر سکے بے خوف و خطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے کا جذبہ اس بیباکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنھیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے۔ اغانی کے حوالہ سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہٹی نے بھی امیر یزیدؒ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی فرمایا ہے کہ اغانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے جو خلفاء کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مورخ المسعودیؒ نے اپنی تالیف "کتاب التنبیہ والاشراف" میں قسطنطنیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزیدؒ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ کیا تھا لکھا ہے کہ:۔

وقد حاصر القسطنطنیة فی الاسلام من ھذہ العدوة ثلاثة امراء اباؤھم ملوک وخلفاء اولھم یزید بن معاویة بن ابی سفیان والثانی مسلمة بن عبد الملک بن مروان والثالث ھارون الرشید بن المہدی

(۱) ص ۱۴۰ التنبیہ والاشراف المسعودی طبع عبرلیڈن ۱۸۹۴ء

اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امیران افواج اسلامی، نے جن کے آبا ملوک و خلفا تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ تھے دوسرے مسلمہؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؒ اور تیسرے ہارون الرشید بن المہدیؒ تھے

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکتوب میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کار ہائے نمایاں انجام دیئے تھے (مکتوبات ج ۱) اس کی تائید بزنطینی شہنشاہیت کے غیر مسلم مؤلف کے نیز دوسرے مؤلفین کے بیان سے ہوتی ہے۔ کتاب Bezantine Empiire میں ہے کہ:۔

رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا خلیفہ معاویہؓ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ، سسلی

اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۳ئہ میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے روانہ ہوئے ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی جنرل عبد الرحمٰن کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درّہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی، چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کر کے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دن تک ٹالے رکھا (ص۲۱۱)

اسی طرح ایک مسلم مورخ کا بیان ہے کہ :۔

ان السنة التی حاصر فیها یزید بن معاویة القسطنطنیة سنہ ۵۱ للهجرة ووفق ۶۷۲ مسیحیة وکان جاءها یزید برا۔ وکان بُسر بن ارطاة ماسکا البحر وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمرہ لا دھاجم العرب القسطنطنیة بین شھری ابریل وستمبر۔

جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ئہ تھا یزیدؓ بری راستے سے پہنچے تھے اور بُسر بن ارطاة سمندری راستہ طے کر کے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

حاضر العالم اسلامی ص۲۱۴

۴ یہ بڑے پایہ کے مورّخ اور امام فن تھے، لیکن شیعہ تھے اور غالی۔

سلہ غیر مسلم مولف کو مغالطہ ہوا جنرل موصوف بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے۔ اور امیر یزیدؓ بری فوج کے۔

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لئے مورخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جرنلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابو ایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ

وتوفی (ابو ایوبؓ) بالقسطنطنیۃ من ارض الروم سنۃ خمسین و قیل احدی وخمسین فی خلافۃ معاویۃ تحت یزید۔

(الاستیعاب ص حاشیہ الاصابہ ج)

(اور ابو ایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت جہاد میں شریک تھے)

اس ذکر میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزیدؒ کو لشکر کا سردار بنایا گیا فلما ولی معاویہ یزید علی الجیش الی قسطنطنیہ، تو کسی کے کہنے پر کہ ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا ہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ہمیں اسکی کیا پرواہ کہ ایک جوان کو ہم پر مقرر کیا گیا ہے (وما علینا ان امر علینا شاب) اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں حجاز کے مختلف قبائل قریش و انصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں بھیجی گئیں۔ اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ولم یتخلف عنہ احد حتی کان فیمن خرج ابو ایوب الانصاریؓ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۲) کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کے لئے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپؐ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابو ایوب اللہ تمھارے جسم کی بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرۃ النبویہ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابو ایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی پھر اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے۔ جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابی رسولؐ کی قبر کی حفاظت کریں گے۔ جہاد قسطنطنیہ کے" اول جیش من امتی" کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت کی انہی کے جوش ایمان، حُب رسول و حُب صحابہ و غیرت ملی کی بدولت پوری ہوئی اور آپ کی پیشین گوئی کا کہ یدفن عند سور القسطنطنیہ رجل صالح (العقد الفرید ج ۱ صـ۱۳۳) یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد جواں صالح کے تہورانہ اقدام سے ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتی من یشاء۔

مشہور یوروپین مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف "تاریخ عروج و زوال روما الکبریٰ" میں امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکۂ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کی موجودگی اور ان کی شجاعت و لیاقت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی اس مورخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:۔

> "حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرأت و دلیری کا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا۔ اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔"
>
> (صـ۲۸۶ تاریخ عروج وزوال روما الکبریٰ گبن)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر پہلا اور آخری جہاد یہی معرکۂ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت و سپہ سالاری امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور اس معرکہ کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں

انھوں نے کار ہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آتے حرمین شریف کا سفر اختیار کرتے اور حج و زیارت روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی و قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالۂ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؒ ہی پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے اول دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانۂ کعبہ پر چڑھایا۔

اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ۔	خانہ کعبہ پر سب سے اول (جس خلیفہ نے) دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہؓ تھے)۔

(صفحہ ۲۵۱ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ)

(صفحہ ۷۱ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری)

(صفحہ ۱۰۵ الجامع اللطیف)

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سید نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نہ حج کیا اور نہ غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ اور ان کے بعد عبد اللہ الزبیرؓ اور دوسرے خلفا رہنے۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانۂ خلافت میں ہر سال بیش قیمت کپڑے کے غلاف علمار و صلحار کی جماعت کے ہاتھ دمشق سے مکۂ معظمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ و مجاوران روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف و عطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ جوار رسول کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں جیسا حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول سن چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں ان کے دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ و عطیہ کی بیش بہا رقم لے کر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے باہر آئے مال و اسباب سے لدے دو کوہانی اونٹ (بخاتی) باب یزیدؒ پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لے کر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست پیش کی کہ تین بخاتی (دو کوہانی اونٹ)

درحت ہوں تاکہ حج وعمرہ اور سفر شام کے لئے باری باری استعمال کرسکوں۔ امیر یزیدؒ نے حاجب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں حاجب کے جواب، امیر المومنین کے حکم اور ابن جعفرؓ کے ریمارک کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے۔

فقال: یا امیر المؤمنین! هٰذه اربعمائة بختية جاءتنا من خراسان تحمل انواع الالطاف وكان عليها انواع من الاموال كلها۔	حاجب نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چار سو دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف اقسام کے ہدایا لیکر آئے ہیں اور ان پر وہ سب مال لدا ہوا موجود ہے۔
فقال: اصرفها الی ابن جعفر بما عليها۔	(امیر یزید نے) فرمایا۔ یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو ان پر ہے ابن جعفرؓ کو دے دیا جائے۔
فقال عبد الله بن جعفر يقول: تلومونني على حسن الرأي في هٰذا يعني يزيد۔ (ص ۲۳۰ ج البدایہ والنہایہ)	عبد اللہ بن جعفرؓ (لوگوں سے) کہا کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے میں کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کرسکتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی جود وسخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان "اجواد الاسلام" یعنی زمانۂ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریادل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود وسخا کے حالات لکھے ہیں یعنی (۱) حضرت عبید اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب (۲) امیر المومنین عبد اللہ السفاح بن علی بن عباسؓ (۳) محمد بن جعفر بن عبید اللہ بن عباسؓ (۴) طلحہ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب۔ ان میں پانچواں نام عبد اللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کا ہے۔ ان کے جود وسخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت ودریادلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیار بنی ہی کے لوگ تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ

اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال و اسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں ان کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؓ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیرؒ نے سلامہ نام ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قرات سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گذر چکا۔ اس کنیز کی امیر یزیدؓ سے بہت کچھ ثنا و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

ودلّه علیٰ سلامة وجمالها وحسنها وفصاحتها وقال لا تصلح الا لك یا امیر المومنین وان تكون من سمارك ۔	اور انھیں (امیر یزیدؓ کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا کہ اے امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے رکھ لیں
(ص ۲۳۴ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہو گئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار رہیں۔ امیر یزیدؓ نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی۔؟ حبًا شدیدًا جری کالروح فی جسدی فهل یفرق بین الروح والجسد

امیر یزیدؓ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خذها یا احوص فهی لك وصله صلة سنیة ۔	اے احوص اب یہ سلامہ تمھاری ہے تم اسے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔
(ص ۲۳۶ البدایۃ والنہایۃ)	

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضہ تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مورخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی و عدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمن تھے جو خراسان کے والی تھے۔

امیر یزیدؒ نے ان کو اس خدمت سے سبکدوش کر کے ان کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو ام ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے۔ ان کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ ان کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اس وقت کوفے اور بصرہ کے والی تھے۔ بعض اعیان کا ان کے ساتھ جانا ناگوار تھا۔ انھوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کرا دیئے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی امیر یزیدؒ نے ان پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرا دیں۔

فکتب الیہ (عبید اللہ) یزید بن معاویۃ ان یبنیھا بالجص و الاجر و الساج من مالہ فبنیھا۔ (ص۲۸۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۲ء)

پس (امیر) یزید بن معاویہؒ نے ان کو (عبیداللہ کو تحریری) حکم بھیجا کہ ان (منہدم مکانات کو) اینٹ چونہ اور ساگون کی لکڑی سے تعمیر کرائیں یوں انھوں نے ان کو پھر تعمیر کرا دیا۔

جن لوگوں پر عمال حکومت کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتی امیرالمومنینؒ کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مورخ المدائنی کی یہ روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمن بن برثن جن کے باپ کا نام فیروز حصین تھا مگر اپنی ماں ام برثن کی نسبت سے مشہور تھے۔ یتیم ولا وارث بچے کی حیثیت سے ان کی پرورش ہوئی۔ خصائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔

۔ امیر عبید اللہ بن
زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے۔ انھوں نے ناراض ہوکر برطرف کر دیا
اور دو لاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا۔ فریادی بن کر امیر المومنین کے پاس آئے۔ اپنا
سب حال اور دکھ درد کہہ سنایا امیر موصوف نے اسی وقت عبید اللہ کو تحریری
حکم بھیجا کہ ان کے دو لاکھ روپے فوراً واپس کر دیئے جائیں۔ اور کوئی تعرض نہ کیا
جائے عبد الرحمٰن کا خورد سال بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً سر پر چوٹ لگنے کی
وجہ سے مارا گیا تھا۔ انھوں نے سزا دینے کے بجائے اسے آزاد کر دیا۔

امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع شخص کا دکھ درد دور کر دینے سے ایسی مسرت
ہوئی کہ اس دن تیس غلام آزاد کر دیے۔

واعتق ذالك اليوم ثلاثين مملوكا وقال من احبّ ان يقيم فليقيم ومن احبّ يذهب فليذهب۔

(ص۲ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

اور اس دن تیس غلام (امیر یزید نے) آزاد کر دیئے۔ اور ان سے فرمایا (یعنی غلاموں سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور جو جانا چاہے جائے۔

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت ابن زبیرؓ
کا طرز عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انھوں نے جب عامل مکہ کی شکایت میں اہل مکہ
کی جانب سے امیر المومنین کو تحریر بھیجی اس پر لحاظ کیا اور اپنے اس عامل کو
تبدیل کر دیا۔ وہ تحریر یہ تھی۔

وكتب ابن الزبير الى يزيد عن اهل مكة انك بعثت الينا رجلا اخرق لا يتجه لامر رشد ولا يرعوى لعظة الحليم فلو بعثت الينا رجلاً سهل الخليقة لين الكنف لرجونا ان يسهل من هذه الامور ما استوعر وان يجمع منها ما تفرق

اور ابن زبیرؓ نے یزید کو اہل مکہ کی جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ اور نہ کسی حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے۔ اگر کسی خوش اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان

فانظر فی ذٰلک فان فیہ صلاح خواصنا دعوا منا والسلام ؂
(ص۳ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری وطبری ج)

ہو جائیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے میں تمھیں غور کرنا چاہیئے کیونکہ اسی میں خواص وعوام سب کی بہتری ہے والسلام۔

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سب جانتے ہیں کیا ابن الوقت اور مفسد تھا عبیداللہ بن زیاد نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہ بن ابی عبید جو صالحات العابدات سے تھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں ان کے کہنے سے حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزیدؒ کو سفارشی خط لکھا امیر موصوف نے عبیداللہ کو اس کے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فارسل ابن عمرؓ الی یزید بن معاویۃ یتشفع فیہ فارسل یزید الی ابن زیاد فاطلقہ وسیرہ الی الحجاز۔

ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہؒ کو اس کی مختار کی سفارش میں تحریر بھیجی امیر یزیدؒ نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔

(ص ۳۹ ج البدایۃ والنہایۃ وص۳ انساب الاشراف بلاذری)

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی کا ہے[۲] ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابوسفیانؓ کی

---

[۱] عبداللہ بن الزبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انھیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے کہ امت کی امامت انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی لئے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انھیں درخواست بھیجی۔

[۲] مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سنی یہ لوگ تو بے نقاب بہت بعد میں ہوئے لیکن داد دینی چاہیئے امیر عبیداللہ بن زیاد کو کہ انھوں نے مختار ثقفی کو اسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں م

دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی رہائی کی سفارشیں بھی امیر یزیدؒ نے قبول کرکے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فوجہ یزید رسولا وکتب معہ الی ابن زیاد بتخلیۃ سبیلہ و کتب الرسول منشور افانطلق الرسول الی عبید اللہ فاخرجہ وکان مع المختار فی حبس واحد حین حبس ابن زیاد المختار۔

(امیر یزید نے ایک پیغامبر کے ذریعہ تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا کردیں اور پیغامبر کے لئے بھی فرمان لکھا وہ عبید اللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے سے کو مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں قید تھے نکالا کیونکہ ابن زیاد نے جب مختار کو قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔

(ص۲۶ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

عبد اللہ بن الحارث کا لقب ببّہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبید اللہ کے خلاف نمایاں حصہ لیا تھا۔ ببّہ کی حرکت سیاسی تھی۔ لیکن مختار کی دینی۔ یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگرداں ہو چکا تھا۔

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور و نزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعراء المدی نے فضالہ ابن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدحیہ اشعار پڑھے۔ دو شعر یہ تھے۔

اذا ما قریشٌ فاخَرتْ بقدیمھا — فَخَرْتَ بِجِدٍّ یایزیدُ تلید
قریش جب اپنے آبا و اجداد پر فخر کرنے لگیں — تو اے یزید تم جو آبا عنجدُ بزرگی رکھتے ہو اپنی بزرگی پر فخر کرو۔

بِجِدٍ امیر المومنین ولم یزل — ابوک امین اللہ جَدٌّ رَشید
امیر المومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر — کہ تمہارے والد اللہ کے امین تھے (بوجہ

ختم کر دیا جاتا تو امت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

کاتب وحی ہونے کے) اور تمہارے دادا
قائد دانشمند۔

امیر یزید رحمۃ نے اس قریشی کو جن کا نام عاصم بن عمر تھا تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لئے معاف کر دو۔ پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ (صفحہ ج ۳ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری)

سیرت یزیدؒ پر آزاد و بے باگ رائیں۔

سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مورخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ رائیں ہوسکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مورخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بیجا نہ ہوں گے۔
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں۔

یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا۔ اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی بہت ہی مختصر سی مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی و طریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاونی "جند قنسرین" قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی۔ اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سر نو تنظیم کی نجرانی عیسائیوں کے جزیہ کی

سلہ نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کئے تھے ان کے مفسدانہ و باغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا وطن کر کے عراق کے علاقہ میں لبسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف

شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے تحکمانہ طور سے خارج البلد کئے گئے ہلکا کر دیا برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بعلہ خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عاید کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی ، دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے نہر[1] یزید" کہلاتی ہے۔ اور مضافات سلیجہ کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو "مہندس" (نہروں کا ریز کا ماہر و انجینئر) کا لقب دیا گیا تھا"

سیرت یزید کے پیش پا افتادہ تصویر کشی کے قطعاً خلاف مؤلف

Continuatica by Zantino Arabica

اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے:۔

"یزید حد درجہ متواضع وحلیم سنجیدہ و متین ۔ خود بینی وتکبر سے مبرا ، اپنی زیر دست رعایا کا محبوب ، تزک و احتشام شاہی سے متنفر معمولی شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا۔ اور مہذب تھا۔[2]

ولہاؤزن مورخ کا قول ہے کہ "کسی بھی خلیفہ کی مدح وثنا اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں"۔

(ص ۱۱۶۳ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار دے خوئے امیر یزیدؒ کی سیرت کے بارے میں رومی مورخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ و نرم خو و مہذب بتایا گیا ہے لکھتے ہیں:۔

کر دیا تھا۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند پڑ گئی تھی ۔ اس لئے ان کی درخواست پر از روئے انصاف جزیہ کی تعداد کو ہلکا کر دیا گیا۔

[1] نہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو [2] علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے تھے

اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہوتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزیدؒ) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزیدؒ کے مخالفین نے بغض و تعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں میں اور بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مورخ کے) اس بیان سے ہو جاتی ہے۔ شراب نوش ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہؒ (برادر حسینؓ) کی ہے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزامات (یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزیدؒ شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند و صلح جو اور فیاض و فراخ دل شہزادہ ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے ان سے ان بیانات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم و کرم فصاحت و شجاعت کی عمدہ صفات تھیں۔ اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی اور متانت و تہذیب کے بارے میں رومی مورخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ بالا ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جو قدیم مورخ المدائنی کی سند سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت و بلاغت کے موتی لٹائے گئے۔ جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا۔

عنکما فقد احسنتما وما قلتما فحشا — بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کہی۔

(ص ۹ ج ۴ انساب الاشراف)

(ص ۹ ج ۴ انساب الاشراف)

گویا مہذب اور دین دار مسلمان کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی سے بھی نفرت تھی اور فحش وشنیعہ افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کسی ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین نے سزا کوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال المدائنی :- لاط خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث بغلام لہ فی امتہ فشھد علیہ امرأتان من موالیہ امرأتاھما وغلام لم یحتلم فحدہٗ یزید فکان ماقتالہٗ

اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اوران کی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔

(صفحہ ۶ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سادہ زندگی امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ جیا دکہ جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کرکے اپنے قلوب کو مجلّی ومصفیٰ ومزکّٰی کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت وثروت کی بہتات اور فراوانی کے جو اس زمانہ میں غنائم وفتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی یہ حضرات اکثر وبیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداؓ جو وہاں کے عہدہ قضا پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت ومجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزیدؒ کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش وتنعم دنیاوی کی کبھی پرواہ ہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف واکناف سے محاصل وغنائم کا کثیر المقدار زر ومال آتا۔ تو جی دبلی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالتخصیص بنو ہاشم کو دیا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانا اور بوسیدہ کپڑے

پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیحہ درج کی ہے

رایتُ معاویۃ علی المنبر دمشق یخطب الناس وعلیہ ثوب مرقوع (ص۱۷۲ کتاب الزھد طبع مکہ)	میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹا لباس تھا۔

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

رایتُ معاویۃ فی سوق دمشق وھو مردف وراء ہ وصیفا وعلیہ قمیص مرقوع الجیب۔ (ص۱۳۵ ج البدایۃ والنہایۃ)	میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا ان کے پیچھے خادم بیٹھا تھا اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے بیٹھے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔

ایسے پاک نفس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین وفطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں۔ جسے زاہدین اور صفواۃ الصالحین کی مجالست اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اس نے بھی ساری زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گذاردی کہ ہمعصر مورخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزیدؒ شان وشوکت سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم من القواصم کے مرتب محب الدین الخطیب نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ امیر المومنین سلطان عبد الحمید خاں ثانیؒ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دار العلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں " سیرت وخلافت معاویہؓ " موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہمدرس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا۔ اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہؓ پاک سیرت خلیفہ تھے۔ خلیب موصوف لکھتے ہیں :-

وتعف صدیقی الشہید السعید عبد الکریم قاسم الخلیل	پھر میرے دوست شہید عبد الکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے)

وكان شيعيا۔ فقال: انتم تسمون سلطاننا خليفة وانا اخوكم الشيعي اعلن انا يزيد بن معاوية كان بسيرته الطيبة احق بالخلافة واصدق علا بالشرع المحمدى من خليفتنا فكيف جا بيه معاوية۔

(صفحہ ۲۰ حاشیہ کتاب العواصم من القواصم مطبوعہ ۱۳۸۷ھ باہتمام لجنة الشباب المسلم)

کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا: آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ تو پھر کہاں ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور منزلت۔

نہر یزید متقدمین نے دنیا کی جنتوں "جنان الارض" کے یہ چار مقامات بتائے ہیں غوطہ دمشق۔ صغد سمرقند۔ شعب بوان اور جزیرہ الابلہ مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت حموی جنھوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے۔ دمشق ہی کو فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوۂ ہند میں ہندستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعہ آخر میں لئے ہیں:۔

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بھلا
شعب بوان وسمرقند ودمشق واصفہان

عرب شعرا نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں۔ ان میں یہ تین شعر سنئے:۔

ان تكن جنة خلد بالارض | فدمشق ولا تكون سواها
اگر خلد بریں زمین پر ہے تو | وہ دمشق ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں
او تكن فى السماء فهى عليها | قد ابدت هواءها هواها
اور اگر بہشت آسمان پر ہے تو وہ دمشق ہی پر ہے | کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات اسی امر کی موید ہیں

بلدۃٌ طیبۃٌ ورب غفور — فاغتنمھا مشیۃ وخطھا

دمشق، پاکیزہ شہر ہے (جنت کی نعمتیں اس میں ہیں۔ اور وہ رب غفور ہے۔ — تو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست،

اس عروس البلاد دمشق کی حسن وخوبی، سرسبزی وشادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت وفرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بنا پر ہے جس میں "نہر یزید" کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا۔ اور آب روانی کے اصولوں اور آب گذاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی "نہر یزید" کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری وابن حوقل وغیرہ نے "نہر یزید" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے۔ بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے "نھر عظیم اجراہ یزید بن معاویہ یعرف فی کثیر" ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر قناۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں "نہر یزید" بہتی ہے جو اب بہترین اور شاداب علاقہ ہے۔ پہلے خشک پڑا تھا امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کرکے اس کو گلزار بنا دیا۔ اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی ان مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صلیحیہ وغوطہ کی آبپاشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر ہتی دمشق کے ذریعہ وطریقہ آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بنی امیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو ان کے ہمعصر مشرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ "نہر یزید" کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور یہ "نہر یزید" وہ ہے جو حضرت معاویہؓ کے اس فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا اغلباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آبپاشی کو مکمل کر دیا جائے۔ مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دار ومدار بردہ کے پانی سے ہے

نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور بھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔

(ہسٹری آف دی عربس صہ ۲۳۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے "دمشق میں آب رسانی" کی ذیلی سرخی سے لکھا ہے کہ :-

"دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جا سکا۔ اور یہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی براده کو "کریسورہ ہاس" کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی (آب شیریں) اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے ایسے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک و شبہ خاندان بنو امیہ کے سلاطین کا رہین منت ہے

(ہسٹری آف سیراسینز صہ ۱۹۳)

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آبرسانی کے سسٹم کو بنی امیہ کے "حکمرانوں" اور سلاطین کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے مگر اپنے اسی مسلک کے اعتبار سے "نہر یزید" کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہمعقیدہ "نہر یزید" کے پانی کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ نے منہاج السنہ (ج ۲) کے آخری صفحات میں اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنائی ہیں اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح "نہر یزید" سے پانی نہیں پیتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باولیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے۔ حالانکہ آں حضرت ؐ کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں کا بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی امیہ کے تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آنحضرت ؐ نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبے میں بار بار نماز پڑھی تھی، اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ "نہر یزید" کا نام مولف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بنا پر

ذکر آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زدِ خاص و عام ہے۔ شعرا کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی، نہر ثور اور نہر یزید کے نام ابو عبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے دیکھئے کس صنعت گری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:-

یزید یزید ذو ثورا یثور	یزید شوق و یخبو کما
منها انا من صبه مستجیر	ومن بردی برد قلبی للشرق

بعض آزاد نگار مورخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو۔ مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن ہندسی سے آب گذاری کے موانعات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو۔ اور اس اٹھارہ بیس میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں میں تبدیل کر دیتا ہو (ص ۲۲۲ لامن) اس پر یہ اتہام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لایعقل اور دون فطرت ہی عائد کر سکتا ہے

جوالیقی نے المھندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں جو نہر کا ریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کے لئے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ المهندس الذی یقدر مجاری القنی (لغت جوالیقی)، اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی۔ اس میں بہت سے غار ہیں جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتائے جاتے ہیں چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہے تھے۔ پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔ اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں۔ آیۂ کریمہ وآوینٰهما الیٰ ربوة ذات قرار ومعین کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا۔ جہاں آبِ شیریں کا چشمہ ہے۔ سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اسی مقام ربوہ پر جس کے پاس سے نہر یزید نکالی گئی حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی اسی مقام کا ذکر قرآن شریف میں ہے وآوینٰهما الیٰ ربوة ذات قرار ومعین۔ یہاں عالی شان مسجد واقع ہے اور دوسری چھوٹی مسجد کہف ہے (معجم البلدان ص ۵۲ ج ۴)، اسی مقام کے قریب سے نہر یزید

کس خوبی سے نکالی گئی ہے۔ جو آج تک اس کے نزدیک بہتی ہے۔ اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے۔ اور غوطہ دمشق کے حسن وخوبی کو دوبالا کرکے شاعروں سے کہلواتی ہے ؎

اما دمشق فجنۃ ۔ ینسی بہا الوطن الغریب
دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے) ۔ اس لئے مسافر اس جگہ آکر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے۔

للہ ایام السبوت ۔ بہا ومنظرہا العجیب
ایام سبت میں (نجدا غوطہ جاکر) ۔ اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔

انظر بعینک ھل تری ۔ الا محبا او حبیب
ذرا آنکھ کھول کر دیکھو ۔ سوائے محب اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔

واعذمت ازاھر روضہ ۔ تختال فی خرد ج طیب
اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے (انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں) ۔ ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔

خلیفہ اور منصب خلافت

خلافت وامارت وامامت یہ سب اصطلاحی عناوین ہیں۔ ملت کے امور داخلی وخارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہو اسے خلیفہ وامیر وامام کہا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ وامیر المومنین وامام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس بحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا۔ اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی، فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط واقتدار ان کا قائم نہ ہو سکا تھا۔ بایں ہمہ وہ

امام المسلمین تھے۔ اسی طرح یزیدؒ بھی تھے امیر المومنین عبد الملکؒ و دیگر خلفا بنی امیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں :-

وكذلك الخلفاء الثلاثة ومعوية تولوا على جميع بلاد المسلمين وعلى رضی الله عنه لم يتول على جميع بلاد المسلمين فيكون الواحد من هولاء اماما بمعنى انه كان سلطان ومعه السيف يولى ويعزل ويعطى ويحرم ويحكم وينفذ ويقيم الحدود ويجاهد الكفار ويقسم الاموال امر مشهور متواتر لا يمكن جحده وهذا معنى كونه اماما وخليفة وسلطانا كما ان امام الصلاة هو الذى يصلى بالناس فاذا رأينا رجلا يصلى بالناس كان القول بانه امام امراً مشهوداً محسوساً لا تمكن المكابرة فيه واما كونه براً او فاجراً او مطيعاً او عاصياً فذلك امر آخر فاهل السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد من هولاء يزيد او عبد الملك او المنصور او غيرهم كان بهذا الاعتبار ومن نازع فى هذا فهو شبيه بمن

اور اسی طرح تینوں خلفاء (یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور معٰویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزیدؒ اور اموی خلفا جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اسی معنی و اعتبار سے امام تھے کہ ان کو اقتدار حاصل تھا۔ اور قوتِ عسکریہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل و نصب کرتا تھا۔ اور کفار سے جہاد کرتا تھا۔ اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔ اس معنی و اعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بیّن ہے جس میں کسی حجت و تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر، ہے پرہیزگار ہے یا گنہگار، امر دیگر ہے۔ پس اہل سنت جو یزیدؒ کو یا عبد الملکؒ کو یا المنصورؒ یا ان کے علاوہ دوسرے (خلفا) کی امامت کے

نازع فی ولایۃ ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و ملک کسریٰ وقیصر و النجاشی وغیرھم من الملوک۔
(صـ۲۲ج منہاج السنۃ)

معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپیگنڈہ سیاسی مناقشات کی بنا پر بنی امیہ اور خاص طور سے امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا۔ اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا ریمارک تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور سے گذریں۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی۔ حالانکہ ان کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلکاً شیعہ ہونا۔ اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا۔ حبیب بن ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے۔ جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (صـ۲۰۹ج میزان الاعتدال) حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں:۔

کان علیؓ فی بیتہ اذ اُتی فقیل لہٗ قد جلس ابوبکر للبیعۃ فخرج فی قمیص ما علیہ ازار و لا رداء عجلاً کراھیۃ

حضرت علی اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے

ان یُبطی عنہا حتیٰ جا یعہ ثم جلس الیہ وبعث الی ثوبہ فاتاہ فتجللہ ولزم مجلسہ۔

(صنہ ۲۱ ج طبری طبع اول مصر)

بدن پر نہ چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑے منگوائے کپڑے آگئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا۔

"اشھدت وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم" کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر انھوں نے سوال کیا۔ فمتیٰ بویع ابوبکر" ابوبکرؓ سے بیعت کب کی گئی" اس کے جواب میں فرمایا:۔ جس دن آنحضرت کی وفات ہوئی اسی دن۔ صحابہ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گذاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں۔ اس پر عمرو نے پھر پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا۔ نہیں۔ البتہ مرتد نے یا انصار میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا۔ اگر اللہ عزوجل اس کو اس سے نہ بچالیتے۔ عمرو نے پھر پوچھا فھل قعد احدٌ من المھاجرین کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلوتہی کی تھی۔ حضرت سعیدؓ نے کہا کہ "نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے۔"

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے تو رسول اللہ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا۔ اسی کو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے منتخب کر لیا۔ ابوبکرؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔ جب انھوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انھوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام دیتے رہے جو خلیفہ

رسول اللہ ان کو سپرد کرتے تھے۔ آنحضور کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (طبری ج ۳ ص ۲۲۳)

پھر جب نواح مدینہ میں غدار قبیلوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے لگے، حضرت علیؓ نے آگر آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ[1]

"اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دردمند نہ کریں۔"

(البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۱۵)

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے تخلف عن البیعۃ کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنجوقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا تو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ برابر اپنے زمانہ میں اسی طرح عمل کرتے رہے۔ جیسا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انھیں اندر بلایا۔ اور باتیں کیں (الموافقہ بین اہل بیت والصحابہ زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی و ملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے، کہ رسول اللہ کے جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے

---

[1] طبری میں نام کا اظہار نہیں ہے "قال له للمسلمون" کہہ کر بتغیر الفاظ یہی مضمون ہے۔ (ج ۳ ص ۲۲۳)

ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے۔ کیسی کچھ قدر ہے۔ انھوں نے تو اپنے کانوں سنا تھا۔ جب آنحضورؐ نے حضرت حسانؓ مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنھیں سُن کر آپؐ بہت خوش ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو اپنا بزرگ جانتے۔ ان کے فرمانے کو مانتے۔ ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوش دلی قبول کرتے تھے۔ یہ خفگی اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسانؓ کے وہ شعر سنئے جنھیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

فضحك رسول اللہ حتی بدت نواجذہ۔
یہ سن کر رسول اللہؐ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا

ثم قال: صدقت یا حسان هو کما قلت۔
وے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں۔

وہ اشعار یہ تھے:-

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقة
مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسہ کے آدمی کی یاد کرو۔

فاذکر اخاك ابا بکر بما فعلا
تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انھوں نے انجام دیں۔

خیر البریة اتقاها واعدلها
نبیؐ کے بعد خلائق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل

بعد النبیؐ واوفاها بما حملا
اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں

الثانی التالی المحمود مشهده
نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہے۔

واول الناس منهم صدق الرسلا
اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے

طاف العدو به اذ صعد الجبلا
جب دشمن پہاڑ پر چڑھکر گرد گھوم رہے تھے

وکان حب رسول اللہ قد علموا
وہ رسول اللہؐ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے۔

من البریة لم یعدل به احدا
کہ ساری مخلوق میں آپؐ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں۔

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ حاکیاً عن قاضی القضاۃ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں "ان ابابکر هو الذی صلی علی فاطمة وکبر اربعاً (ص۵۳۲ ج شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران) یہی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔ رحمك الله ابابکر کنت اول الناس اسلاماً (ص۵۷۱ ج ایضاً) یعنی اے ابوبکرؓ، رحمت ہو اللہ کی آپ پر آپ ہی ہیں سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

اسی طرح حضرت فاروقِ اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں۔

ان علیاً لم یخاطب عمر منذ ولی الخلافة بالکنیة والتماکات یخاطبه بامرة المسلمین هکذا اینطق کتب الحدیث وکتب السیر والتواریخ۔ (ص۶۳۲ ج شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)

(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب سے وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث و کتب سیر و تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری ہی نے لکھا ہے کہ خلافتِ فاروقی میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج ص۲۶) ۱۳ھ میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ ان کے سردار ابو عبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے عراق کی طرف کوچ کیا چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے دی کہ امیر المومنین کا محاذ جنگ پر بذاتِ خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا (ج ص۲۶) مورخین نے

حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

قال علیؓ کثیراً ماکنتُ اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت انا وابوبکر وعمر و فعلتُ انا وابوبکر وعمر وخرجتُ انا وابوبکر وعمر و دخلتُ انا وابوبکر وعمر۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اور ابوبکر و عمر تھے۔ میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر و عمر نکلے، میں اور ابوبکر و عمر چلے، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔

(ج صفحہ ۱۲۹ ازالۃ الخفا طبع اول)

بعثت رسول اللہ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ہی ان کے سن و سال کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قد علمنا بالروایۃ الصحیحۃ والشہادۃ القائمۃ انہ (علیؓ) اسلم وھو حدیث غریر وطفل صغیر فلم نکذب الناقلین ولم نستطع ان نلحق اسلامہ باسلام البالغین (صفحہ ج ۳ نہج البلاغہ)

ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر رکھ سکیں۔

اِن سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا، ادھر سے عقیدت و احترام تھا ادھر سے محبت و شفقت، اسی اتحاد و محبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ اُمّ کلثوم بنت فاطمۃ الزہراؓ کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ

لہ سیدہ ام کلثوم کے بطن سے دو اولادیں ایک صاحبزادے زید بن عمر الفاروق ۲

سے شہید ہوئے۔ جنازہ اٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرمائے تھے۔

قال (علیؓ) ما من الناس احدٌ احب الیّ ان القیٰ اللہ بما فی صحیفۃ من ھذا المسجّیٰ

(ص۳۱ ج ازالۃ الخفا طبع اوّل)

(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت ان صاحب جنازہ کے نامۂ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامۂ اعمال ان ہی کے نامہ اعمال جیسا ہو۔

نامۂ اعمال کا اشارہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا عظیم ترین خدماتِ دینیہ وملیہ کی جانب ہے جو انھوں نے قبل خلافت اور عہد خلافت میں انجام دیں۔ حضرات شیخین کا زمانہ اخوت ومساوات اور یکجہتی کا مثالیہ زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:۔

تمام مسلمین عہد زمان ایشان باہم موتلف وبا یکدیگر متراحم وبرکفار شدید وبرجہاد متوافق، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ۔ سپاہ ورعایا خلیفہ را از جانِ خود دوست دارتر وخلیفہ بر رعایا وسپاہ از پدر مشفق ومہربان تر۔

(ص۱۲۲ ج ازالۃ الخفا طبع اوّل)

تمام مسلمین ان کے (شیخینؓ) کے زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے مہربان تھے، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے۔ مخالفت کا نام بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ مشفق اور مہربان تھے۔

اس زمانہ کی برکات خلیفہ سوئم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں۔ اور نشو ونمائے ملت اسی منہاج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا۔

آنحضرتؐ برائے نشو ونمائے ملت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ

---

۲ اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر الفاروقؓ۔

اسلامیہ صورتے معین فرمودند کہ تا آخر عہد حضرت عثمان رضہ متحقق شد (ازالۃ الخفاء ص۱۳۰)	نے نشو و نما کے لئے ایک صورت معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمان رضہ تک یقیناً رہی ۔

نشو و نمائے ملت اسلامیہ کے لئے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا قدرے اندازہ آنحضور صلعم کے خطبۂ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو امت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے ۔ ارشاد ہوا تھا۔

ایھا الناس ! ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الاھل بلغت اللھم اشھد ۔	لوگو ! تمہارے خون، تمہارے مال تمہاری عزتیں قیامت کے دن تک ایکدوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔ دیکھو میں نے (خدا کا) پیغام پہنچا دیا اے اللہ گواہ رہیو ۔

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی ۔

الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض ۔	خبردار ! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے ۔

حضرت فاروق اعظم رضہ کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتے مجوسی[۱] غلام نے خنجر سے زخم کاری لگایا تھا ۔ جب تحقیق ہو گیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور یہ زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہ نے ڈرایا تھا ۔

حضرت عمر رضہ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے کیونکہ اس بلند معیار پر

---

[۱] حضرت فاروق اعظم رضہ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا ۔

بشکست عمر رضہ پشت ہزبران عجم را	بر باد فنا داد رگ و ریشۂ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت زعلی نیست	با آل عمر رضہ کینۂ قدیم است عجم را

جو ان کے پیشِ نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انھوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اُترتا تھا لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہؓ کی مجلس شوریٰ بنادی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کرلیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کردی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک اُن کے مخالف تو اس ایک کی گردن ماردی جائے۔ اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کر دیا جائے اور اگر رائیں مساوی ہوں تو جدھر عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اڑا دی جائے گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پروا نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ و علیؓ وطلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ بھی تھا اور امیدوار بھی یہ صورت پیدا کردی کہ ایک صاحب نے اپنے کو امیدوار ہونے سے علیحدہ کرلیا اور بقیہ حضرات نے اظہار رائے کے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کو مختار کردیا کہ وہ اپنے صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور رائیں معلوم کرکے عثمانؓ و علیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا ملال ہوا اور انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرفداری کا الزام لگایا۔ جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔

"اے علی! اپنے خلاف مجھے قدم اٹھانے پر مجبور نہ کرو۔ میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے" یہ سنکر حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چلدیئے سیبلغ الکتٰب اجلہ تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہونچ جائے گی۔ لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر ٹوٹ پڑے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جاتے دیکھا تو پکار کر کہا۔ ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللّٰہ فسیوتیہ اجرا عظیما۔ (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا) اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کرلی مگر برابر یہ کہتے رہے "فریب ہے اور کتنا بڑا فریب" (طبری) معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اس الیکشن کے بعد سے امت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی و خاندانی و نسلی امتیازات کی

باتیں ہونے لگیں اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ سالہ عہدِ خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال و غنائم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے۔ عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ و بصرہ میں پیدا ہو چکی تھی مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ چینیاں شروع ہوئیں اور دولت و اقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ عبداللہ بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ پرُفریب پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کے تلخ نتائج سے آج تک امت کو چھٹکارہ نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس و لحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کے لئے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً اسی برس کے امام المسلمین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔ آپ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض و رحمدل اور رسول اللہ کے چہیتے تھے تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کر دیئے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اٹھانے یا اٹھوانے کے لئے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے جو انھوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے۔ ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پرداتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصبہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۵ ص ۶۹) میں درج کیا ہے ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے۔

مضمون خط سیّدہ نائلہ بیوہ حضرت عثمانؓ

وانی قد اقص علیکم خبرہ لانی کنتُ مشاھدۃ امرہ کلہ حتی قضی اللہ علیہ - ان اھل المدینۃ حصروہ فی دارہ یحرسونہ لیلھم ونہارھم قیاماً علی ابوابہ بسلاحھم یمنعونہ کل شیٔ قدروا علیہ حتی منعوہ الماء یحضرونہ الاذی ویقولون لہ الافک واھل مصر اسندوا امرھم الی محمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر وکان علی مع المحضضین من اھل المدینۃ ولم یقاتل مع امیر المومنین ولم ینصرہ ولم یامر بالعدل الذی امر اللہ تبارک وتعالیٰ بہ فظلت تقاتل خزاعۃ وسعد بن بکر وھذیل وطوائف من مزینۃ وجھینۃ ولا ابھی سائرھم ولکنی سمیت لکم الذین کانوا اشد الناس الیہ فی اول امرہ واخرہ ثم انہ رمی بالنبل والحجارۃ فقتل ممن کان فی الدار ثلاثۃ نفر فاتوہ یصرخون الیہ یاذن لھم فی القتال فنھاھم عنہ وامرھم ان یردوا علیھم نبلھم

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے اہل مدینہ نے ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کر رکھا تھا دن رات دروازوں پر پہرا تھا ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ پانی سے بھی منع کردیا تھا - ان پر الزامات لگاتے رہے گالیاں دیتے رہے - مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر و عمار بن یاسر تھے - اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے انھوں نے نہ امیر المؤمنین کی کوئی مدد کی نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انھوں نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہے - خزاعہ، سعد بن بکر، ہذیل، مزینہ و جہینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے سب نہ سہی اکثر ضرور تھے - میں نے ان میں سے جو شدید تھے، ان کے نام لکھدیئے ہیں ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کردی - تین آدمی گھر میں قتل ہوگئے - مجبور ہو کر گھر کے اندر آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی - انھوں نے اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کر تیر دشمنوں کو واپس کردو مگر اس سے وہ کچھ خبر نہ پڑے بلکہ اور دلیر ہوگئے -

فردوھا الیھم فلم یزدھم ذالک
علی القتال الا جراءۃ وفی الامر
الاغر ان ثم احرقوا باب الدار
فجاءھم ثلاثۃ نفر من صحابہ
فقالوا ان فی المسجد ناساً یریدون
ان یاخذوا امر الناس بالعدل
فاخرج الی المسجد حتی یاتوک
فانطلق فجلس فیہ ساعۃ واسلحۃ
القوم مظلۃ علیہ من کل ناحیۃ
ما اری احدا یعدل فدخل الدار
وقد کان نفر من قریش علی عامتھم
السلاح فلبس درعہ وقال لا
لاصحابہ لولا انتم ما لبست درعا
فوثب علیہ القوم فکلمھم ابن الزبیر
واخذ علیھم میثاقا فی صحیفۃ و
بعث بھا الی عثمان ان علیکم
عھد اللہ ومیثاقہ الا تغزوہ
بشئ فکلموہ تخرجا فوضع
السلاح فلم یکن الا وضعہ
حتی دخل علیہ القوم یقدمھم
ابن ابی بکر حتی اخذ والحیتہ
ودعوہ باللقب فقال انا عبد اللہ
وخلیفتہ فضربوہ علی راسہ
ثلاث ضربات وطعنوہ فی صدرہ
ثلاث طعنات وضربوہ علی مقدم

پھر انھوں نے دروازہ میں آگ لگا دی
آخر تین آدمیوں کی کوشش سے
مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت
کے لئے رو دررو بات کرنے کے
لئے بلوایا وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی
دیر بیٹھے رہے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اور پھر
وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت
قریش سب مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی
ذرعہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمہاری
وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی
ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ
کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا
اور ان سے تحریری معاہدہ کیا جس میں
پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی
حملہ نہ ہوگا۔ وہ باز آ گئے ابن زبیرؓ نے بھی
ہتھیار اتار دیئے مگر فوراً موقع پا کر ان
لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے
آگے آگے محمد بن ابوبکر تھے اندر آ کر حملہ
کر دیا اور آتے ہی داڑھی پکڑ لی اور
گالی دی (حضرت) عثمان نے کہا کہ میں
تو اللہ کا بندہ اور اُس کا خلیفہ ہوں
اسی اثنا میں ان لوگوں نے تین وار تیرے
کے آپ کے سینے پر کئے اور تین
وار سر پر کئے اور ایک تلوار چہرے کے
اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک

الجبين فوق الانف ضربة
اسرعت في العظم فسقت عليه
وقد اثخنوه وبه حياة وهم
يريدون قطع راسه ليذهبوا به
فاتتني بنت شيبة بن ربيعة
فالقت نفسها معي عليه فتوطانا
وطاءً شديدا واعرينا من ثيابنا
وحرمة امير المؤمنين اعظم
فقتلوه رحمة الله عليه في
بيته وعلى فراشه وقد رسلت
اليكم بثوبه وعليه دمه وانه
والله لئن كان اثم من قتله
لما سلم من خذله فانظروا
اين انتم من الله عز وجل
فانا نشكي ما مسنا اليه ونستنصر
وليه وصالح عباده -

بیٹھ گئی - میں عثمان پر چھا گئی تاکہ
ان کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ کر
لے جانا چاہتے تھے اتنے میں شیبہ
بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی
ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین
پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ
ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے
آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی
اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں
ان کو مار ڈالا - میں ان کا خون لگا کرتا تم کو
بھیجتی ہوں اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ
بھی مجرم ہیں جنھوں نے رُسوا ہوتے
دیکھا اور مدد نہیں کی - اب سوچ لو
خدا کو منہ دکھانا ہے - فریاد ہے مصیبت
کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا - عثمانؓ کے ولی اور
اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کی
(نائلہ بیوہ عثمانؓ)

مضمون خط کے بیان کرتے ہیں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بیرحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا اور اس وقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں ، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی ہوتیں قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا - حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کو جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے ، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکیں گے - سازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے ان کی بیٹیاں رو رہی

تھیں انھیں دیکھکر آنسو پونچھنے لگیں پوچھا کیوں رو رہی ہو۔

فقلن مُبکیٰ علی عثمان فبکیٰ وقال ابکین (انساب الاشراف)

انھوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔ (یہ سن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا ہاں روؤ۔

فتنہ اولیٰ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں ایک موقع پر لکھا ہے :۔

پس فتنۂ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و مابعد اوست تا آنکہ خلافت معاویہ بن ابی سفیان مستقر شد و فتنۂ ثانیہ بعد فوت معاویہ بن ابی سفیان تا استقرار خلافتِ عبد الملک ۔ (ج۲ صفہ ۱۳۰)

پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور اس کے بعد کے واقعات ہیں اس وقت تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن ابو سفیانؓ قائم نہ ہوئی اور دوسرا فتنہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے اس وقت تک رہا جب کہ خلافت عبد الملک (بن مروان)، قائم نہ ہوئی ۔

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہو گئے اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

چوں نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد و اکثر بلدان از طاعت خلیفہ بر آمدند ۔ (ازالۃ الخفا ج۲ صفہ ۱۳۷)

جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی تقدیر الٰہی سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے ۔

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنے مقصود نہیں ۔ عرض کرنا یہ ہے، کہ جھگڑے بھی شدید ہوئے ، خوں ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہ تھا ۔ سبائیوں کی در اندازیوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر بھی ایک ہو گئے یہ صحابہ اور تابعین ہی تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے ۔

جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

عام الجماعت اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے بعد صلح بیعت کر لی اتحاد المسلمین کی پھر وہی کچھ کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال حضرت معاویہؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسن تدبّر سے تمام فتنہ پردرانہ سرگرمیوں کو دور کر کے ہر خطہ مملکت میں امن امان کو بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی وہاں کا نظم ونسق حکومت درست کرنے کے لئے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ کو متعین کیا جو حضرت علیؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا ان کو نوشیرواں[۱] ثانی کہتی تھی اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؒ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے مفسدین کے لئے درشت مزاج امن پسندوں کے لئے نرم خو بقول شاعر ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جرّاح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہو گئی۔ چنانچہ امت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رُکے پڑے تھے۔ اب حضرت معاویہؓ نے تیزی سے شروع کئے، ہر طرف خوشی و مرفہ الحالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی، حلم و کرم، عدل و انصاف جود و سخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

"كانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار اميرالولاة وكان رعيته يحبونه (یعنی حضرت معاویہؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی

---

[۱] صفحہ ۲۸۵ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۵۰ء مقالہ ایڈورڈ تھامس۔

کی طرح تھا اور ان کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی، صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم ویصلون علیکم وتصلون علیھم (ک ۳۳ ج ۶۵ و ۶۶) تم میں بہترین حکمراں وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں، تم اُن کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں۔ سرداری وحکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ما رایتُ رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ (میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی (حضرت) معاویہؓ کو ہے) اسی طرح دیگر معاصرین کے اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے تھے ما رایتُ احدً اسود من معاویۃ (میں نے (حضرت) معاویہؓ سے زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا) سننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا حضرت عمرؓ ان سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہؓ سرداری میں بڑھ کر تھے (ص۱۳۵ ج الھدایۃ والنھایۃ) علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی ومتورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ یہ قول نقل کیا ہے کہ ما رایتُ احدً بعد عثمان اقضیٰ بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ (میں نے (حضرت) عثمانؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا ہے یعنی معاویہؓ) حضرت عمیر بن سعد الانصاریؓ جو زاہد صحابی تھے اور حمص کے عامل تھے حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت معاویہؓ کا تقرر کیا۔ کسی نے ان کے سامنے حضرت معاویہؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیرؓ نے فرمایا لاتذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھد بہ (معاویہؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "خدایا اسے ہدایت کا ذریعہ بنا" واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہؓ نے رشد وہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا مسلمان نسلیں رہتی دنیا تک حضرت امیر معاویہؓ کی شکر گذار رہیں گی۔ کہ عین اس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ جولاہی

صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادرکشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ پڑ جائیں ان پر حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اتار دے حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کیا قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک قدم بھی تو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کر لیں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

فلما رای ملک الروم اشتغال معاویۃ بحرب علیؓ تدانی الی بعض البلاد فی جنود عظیمۃ وطمع فیہ فکتب معاویۃ الیہ! یالعین! اصطلحن انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من جمیع بلادک ولاضیقن علیک الارض بما رحبت فعند ذالک خاف ملک الروم وانکف و بعث یطلب الھدنۃ۔	جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔ معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا:۔ اے لعین! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کر دیں گے۔ قیصر اس سے خائف ہوا، لوٹ گیا اور طلب صلح کے لئے وفد بھیجا۔

(ص ۱۱۹ ج البدایہ والنہایہ)

بعض یورپین مورخین گبنؔ وغیرہ فرماتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلو خلاصی کے لئے قیصر سے دب کر صلح کر لی تھی لیکن مسلمان مورخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے۔ گبنؔ کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں، جن میں جیسا ذکر ہو چکا ہے ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

والجہاد فی بلاد العدو قائم وکلمۃ اللہ عالیۃ والغنائم ترد الیہ من اطراف	دشمن کے ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا مال غنیمت تمام

الارض والمسلمون معه فی راحۃ وعدل وصفح وعفو۔
(ص۱۱۹ ج البدایہ والنہایۃ)

اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام و انصاف، ترحم اور درگذر کے ساتھ رہتے تھے۔

مورخ گبنؔ کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آجانے سے بچا لیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہوجانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی ناظرین کو یہ بتاتا ہے:۔

۔ اس تحقیق وتفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے، جن سے روم کا کروفر وعظمت و جلال محفوظ رہا۔ جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہوجانا رُکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں)، کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق وزوال کی تخم ریزی ہوسکی۔ (تاریخ عروج وزوال - رومتہ الکبریٰ)

اس عیسائی مورخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بیجا بھی نہیں، مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادتِ عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگر انتشار و اضمحلال کی کیفیت رونما ہوگئی ہوتی جنگ جمل وصفین و نہروان میں تقریباً ستر اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہوگئے ہوتے۔ یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور آج مسیحیت کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسا کی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجتیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو "خاموش اذانوں" اور سجدوں کے پوشیدہ نشانوں" کا حسرت کے ساتھ ذکر نہ کرنا پڑتا اور نہ گبنؔ کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا اور طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کرکے کاروانِ ملت کو جادہ پیمائی کے لئے پھر مستعد کردیا۔
محدث دہلویؒ نے خلیفہ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

چناں کہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض و ازالہ مواد مرض او می نماید وحمیہ می فرماید

جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اور مادہ مرض کے دفیعہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا

ہم چناں این خلیفہ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند و ازالۂ مادہ مرض می سازد و ارشاد حمیۃ می نماید۔
(ص ۱۲۲ ج ازالۃ الخفا۔ طبع اوّل)

ہے اس طرح خلیفہ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت و تندرستی کے حصول کا اور مادہ مرض کے دفعیہ کا ازالہ کر دیتا ہے اور پرہیز بتا دیتا ہے۔

یہ خلیفہ راشد ہی کی خدمت تھی جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی اگرچہ حضرت علیؓ چند سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ :۔

مقاصد خلافت خاصہ علی وجہہا در زمان علیؓ متحقق نگشت بعد مرتضیٰؓ چوں معاویہؓ بن ابی سفیانؓ متمکن شد و اتفاق ناس بروئے بحصول پیوست و فرقت جماعت مسلمین از میان برخاست و اے سوابق اسلامیہ نداشت[1] الی آخرہ۔
(ص ۱۲۳ ج)

(حضرت علیؓ کے زمانہ میں) خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے اور حضرت مرتضیٰؓ کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ (خلافت پر) متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق و اتحاد حاصل ہو گیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اٹھ گیا وہ اگرچہ سوابق اسلامیہ (بمقابلہ حضرت علیؓ کے) نہ رکھتے تھے مگر مقاصد خلافت کے بر آئے)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں :۔

واما خلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان فثابتۃ صحیحۃ (ص ۲۱ غنیۃ الطالبین)

لیکن حضرت امعاویہؓ بن ابوسفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔

---

[1] شاہ صاحبؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرات سے گلو خلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوابق ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے تھے جو کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جنہوں نے اہم ترین مناسب کا انہیں اہل جانا۔ اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بنا پر

پس ایسی خلافت کو جس میں ملت کا اتحاد و اتفاق قائم و برقرار رہا ہو - اور ملت مسلمہ ایک صحابی وکاتب وحی کے زیر قیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو، زبردست فتوحات حاصل ہوئی ہوں تمام امت امن وامان اور راحت وآرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافتِ راشدہ کیوں نہ کہلائے کیا محض اسس لئے اس کو " ملک عضوض" کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد" ازالۂ مادہ مرض" اور "جلب صحت طبیعت عالم" کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور رہو جس کو آج کی اصطلاح میں "مارشل لا" کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقے سے فتنہ وفساد کے دفعیہ کے لئے - ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا " الخلافۃ فی اُمتیَ ثلثون سنہ ثم ملک " اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی ہیں وہ سعید بن "جمہان" سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے - یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی پھر بادشاہی ہوگی - یہ حدیث بہ تغیر الفاظ ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں منکر الحدیث ہیں - یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا - ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے - پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی - انھوں نے یہ حدیث ان سے کب، کیونکر اور کہاں سنی - حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو نظام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیش گوئی کرتی ہو روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بیّن ثبوت ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اسس پیش گوئی کے اثر کو زائل

---

۳ انھوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی کی پیروی میں انھیں ہادی ومہدی باور کیا - اور اسی طرح ان کے حقوق کی رعایت کی جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے -

کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی' جو حضرت جابر بن سمرہ صحابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ دین اسلام قوت سے رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے" لا یزال الاسلام عزیزاً الیٰ اثنی عشرۃ خلیفۃً کلھم من قریش" ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزیدؒ ہوتے ہیں[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "بادشاہت" کا نام دیا جائے یا "ملکِ عضوض" کا اس کامیاب عہد کا مفاد ملیہ کے لئے مبارک ہونا واقعات تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص و عام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آتا اور شعرائے کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا[2]۔ عرب کے مشہور شاعر الراعی عبید بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اس زمانہ میں امیر یزیدؒ کو بھیجے تھے جب بہتر سے علم و دانش رکھنے والے اور نزاکتِ وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ سابقہ حالات کے پیشِ نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کے لئے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کے لئے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا

---

[1] ایک فرقے نے شاید اسی بناء پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارھویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغرسنی میں غائب ہوگئے' لیکن زندہ ہیں قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ [2] کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافت نبوت کے حاملوں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے" بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے۔ فرمایا" بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو۔ ان کے حق ادا کرو۔ ان کی رعیت کی بابت اللہ ان سے پوچھے گا"۔ یہ بارہ کی تحدید آخر عہد اموی تک کے لئے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

نام پیش کرتے تھے۔ جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ اور اس عہد کی فوجی قوت جس کی قیادت متعدد معارک عظیمہ میں وہ کر چکے تھے۔ کلیتًا ان کے ساتھ ہی مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضہ سمجھنے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متامل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا۔ آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعر ان اشعار میں امیر یزید کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولیعہدی قبول کریں، وہ کہتا ہے ؎

یزیدُ یا ابن ابی سفیان ھل لکُمُ — الی ثنا ودُدٍ غیرِ مُنْبَتِرٍ ۳۰

اے یزید! اے ابو سفیان کے بیٹے! کیا تمھیں لوگوں کی، غیر منقطع مدح و ثنا اور محبت (ہر دلعزیزی) کی طرف کچھ رغبت ہے۔

انا نقولُ ویقضی اللہ مقتدرًا — وما یشأ ربّنا من صالحٍ یدُمِ ۳۱

ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری کرے گا۔ اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہے تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے۔

فاعہد لقاتلکم خذھا یزید وقل — خذھا معاوی غیر العاجز الھرم ۳۲

اپنے سے جنگ کرنے والوں پر نگرانی رکھو۔ اور اے یزید اس خلافت کو حاصل کرو۔ اور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض ہو کر ذری اور ناتوانی مت دکھاؤ۔

ولا تحطّ بھا فی غیر دارکُمُ — انی اخاف علیکم حیرۃ الندمِ ۳۳

اور اس (خلافت) کو اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے گھر میں نہ اتارو۔ میں تمھارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سے ڈرتا ہوں۔

ان الخلافۃ ان تعہد بنا لکُمُ — تثبت معادنھا فیکم ولا تُرِمِ ۳۴

اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا) کسی تیسرے کے لئے معروف و منسوب ہوئی (جب بھی) اس کے مراکز تمھیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور پیش ہیں گے (کیونکہ اس کی اہلیت تمھیں میں ہے اور کسی میں نہیں)۔

سلہ اے امر صالح سلہ غالبًا یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ ۲

ولا تزالُ وفودٌ فی دیارِکُمُ
اور تمھارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گے۔

فی ظلِّ ابلجَ سباقٍ الی الکرمِ
ایک بشاش چہرے والے بزرگی وکرم کی طرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیر سایہ (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ)

یہ اشعار اس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوفناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سال عہد خلافت میں بالکلیہ دور ہو کر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملّت اسلامیہ پھر متمتع ہو گئی حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی غرضکہ جب ولیعہدی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور کل امت ہی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا خوش دلی سے حاصل ہو گئی تو شاعر نے یہ دو شعر اور لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کئے۔

راحت کما راح ادتغدو کعند وتیہ
ایک مضبوط تیز رفتار ناقہ ہے اور اس پر ایک سوار۔

عنسٌ وخوذٌ علیھا راکبٌ یفِنُ
وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو چلا تو چل پڑی۔ پیغام لایا ہے۔

تنتابُ آلِ ابی سفیان واثقۃً
کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے۔

بسیبِ ابلجَ میجانٍ لما یعِدُ
اب خلافت پر آل ابی سفیان ہی یکے بعد دیگرے فائز ہوں گے۔

اسلامی عقیدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیینؐ اور افضل البشر وانسانِ کامل تھے ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مورخ بھی جنھوں نے حال ہی میں آپ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ

کے شروع ہی سے مخالف تھے اور اس ولیعہدی کی مخالفت انھوں نے کی تھی اور کرائی تھی۔
۳ معدن انشے مرکز دمنتخب اللغات، ۳ لا یرم لا یزال

غور و خوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کے وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ تعجب ہو گا۔" اسی کے ساتھ اس مورخ نے عہد نبویؐ کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمّال میں غالب اکثریت بنی امیہ کی تھی اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں آپ نے حضرت ابو سفیانؓ ان کے فرزندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا خلافت صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابو سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرورکائناتؐ نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشین گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلیفوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملّت میں سوائے خلیفہ وقت کے نہ کوئی دوسرا امیر المومنین ہو سکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفا ہی کے لئے مخصوص تھا۔ بعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر ان کے جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہیں لی۔ ان کے انتقال کے بعد جب بیعت لی کسی ہاشمی نے ان سے بیعت نہیں کی دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی بن الحسینؓ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسیٰ (الرضاؒ) اور ان کے فرزند محمد بن علیؒ خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے۔ اور ان کی بیعت میں شامل کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملّت کے سیاسی نظام میں وہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملّت کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب سے مخاطب ہو سکتا تھا اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ ملّت کی سربراہی اپنے وقت میں جیسی آل ابو سفیانؓ کی کامیاب رہی اس کا ثبوت

کتب تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ اور ان کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی قصور ہوتا تو خود امیر المومنین یزیدؒ ان کو سزا دیئے کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ مشرقی ممالک کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں پہلوی زبان کے رسم الخط میں امیر زیادؒ ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے مونوگرام اور طغروں سے جو اس عہد کے سکہ جات پر کندہ ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و استحکام کا قدرے اندازہ کیا جا سکتا ہے اس زمانے میں ملت کی سیاسی قیادت اور مملکت کی انتظامی مشین کی درستی آل ابو سفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھی۔ مگر وضعی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں طرح طرح کے بہتان تراشے گئے، اور مسلسل پروپگنڈے سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص وعام ہیں سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں مورخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر کو آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مورخ بلاذری نے جن راویوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے۔ گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے شکاری کتوں باز و بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں ذرا ان کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں :-

حدثنی العمری عن الهثیم بن عدی عن ابن عیاش وعوانة وعن هشام بن الکلبی عن ابیه وابی مخنف وغیرهما۔
(ص۱ ج ۴ انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

العمری نے مجھ سے بیان کیا ان سے الہثیم بن عدی نے ان سے ابن عیاش وعوانہ نے ان سے ہشام بن کلبی نے ان سے ان کے باپ نے اور اسی طرح ابو مخنف وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے،

ابو مخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مندرجہ بالا

راویوں میں پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن السائب الکلبی ابوالنصر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں۔ (صت ۶۲ ج ۳ میزان الاعتدال علامہ ذہبی) دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے جس کو ابن عساکر نے رافضی ناقابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (صت ۲۵۶ ج ۳ ایضاً) تیسرے راوی ابن عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (صت ۲۶۵ ج ۳ ایضاً) پانچویں العمری راوی متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (صت ۳۵۱ ج ۳ ایضاً) ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں۔ جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دو سو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے شاہد عینی تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المومنین یزیدؒ کی نیکو کاری صوم وصلوٰۃ کی پابندی پرہیزگاری اور علم وفضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کئے گئے ان کی پرزور تردیدیں کیں۔ یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات کا پروپیگنڈا اس شد ومد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب و دروغ و بدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائرکٹر نشر و اشاعت گوبلس نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلہ میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو بے دھڑک بولو شد ومد سے بولو اور مسلسل و متواتر بولو اور پروپگنڈا کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے۔ یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپگنڈے کی ہوئی۔ طرح طرح کے قصّے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی

کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے۔ مثالاً پیش کی جاتی ہے مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے
سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ۔

وحاج فی خلافة ابیه جلس بالمدینة
علی شراب فاستاذن علیه عبد الله
ابن العباس والحسین بن علی فامر
بشرابه فرفع وقیل له ان ابن
عباس ان وجد ریح شرابك
عرفه فحجبه واذن للحسین
فلما دخل وجد رائحة الشراب
مع الطیب فقال لله درّ طیبك
وماکنت احسب یتقدّمنا
صنعة الطیب فما هذا یا ابن
معاویة فقال یا ابا عبد الله هذا
الطیب یصنع لنا بالشام ثم دعا بقدح
فشربه ثم دعا بقدح آخر فقال
اسق ابا عبد الله یا غلام فقال
الحسین علیك شرابك ایها المرء
لا عین علیك منی فشرب۔
(ص ۶۱ ج ۱۳ کتاب الاغانی)

یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ خلافت
میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہے
تھے کہ اتنے میں (حضرت) عبد اللہ بن عباسؓ
و (حضرت) حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت
چاہی (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر
ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا (حضرت) ابن
عباسؓ کو اگر تمھاری شراب کی بو آگئی، تو
پہچان جائیں گے۔ اس لئے شراب کو چھپا دیا
پھر (حضرت) حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی
وہ جب داخل ہوئے تو انھیں خوشبو دار
شراب کی خوشبو آئی (حسینؓ نے یزیدؒ سے) کہا تمھاری
یہ خوشبو کیسی اچھی ہے مجھے تو یہ گمان بھی نہ
تھا خوشبو کی صنعت میں کوئی ہم سے سبقت
لے جائے گا[1] - اے ابن معاویہ یہ کیا خوشبو ہے؟
(یزید نے کہا)، کہ اے ابو عبد اللہ[2] یہ خوشبو ہمارے لئے
شام میں بنائی جاتی ہے پھر انھوں نے ایک پیالہ
منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالا منگا کر چھوکرے
سے کہا کہ یہ ابو عبد اللہ کو پلاؤ۔ اس پر
(حضرت حسینؓ نے)، کہا کہ اے شخص یہ شراب

---

[1] حضرت حسینؓ کے دادا ابو طالب بن عبد المطلب خوشبوؤں اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ اشیا، اپنے ہاں تیار کراتے تھے۔ یہ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

[2] حضرت حسینؓ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

اپنی تم اپنے ہی لئے رہنے دو میری نظریں تم پر
نہیں (گویا میں نے منہ پھیرے لیتا ہوں تم پی جاؤ)
پھر انھوں نے پی لی۔

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؓ مے نوشی کر رہے تھے۔ اس کے لئے "شراب" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق مسکر اور غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے پھر تو خوشبو دار شراب تھی بمعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں کل مائع یشرب یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے۔ قرآن شریف میں ہے۔ یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس یعنی وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے یعنی شہد۔ اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کے لئے آیا مثلاً۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بشراب فشرب منہ۔ (کتاب الاشربہ۔ بخاری صفحہ ۸۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شراب لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی شربت نوش فرمایا۔

اسی طرح دیگر کتب احادیث موطاؔ صفحہ ۱۶۱ (ترمذی صفحہ ۹۱) میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکر و غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے آپ نے فرمایا میں نے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا۔ شراب شام (مثلث) میں نشہ (سُکر) نہیں اس لئے حلال ہے (موطا امام مالک) آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسرؓ میں اس کی مزید تصریح ہے۔

انہ (عمرؓ) کتب الی عمار بن یاسر انی اتیت بشراب من الشام طبخ حتی ذھب ثلثاہ و بقی ثلثہ یبقی حلالہ و یذھب حرامہ و ریح جنونہ فمر من قبلک فلیتوسعوا من اشربتھم (صفحہ ۳۳۲ بذل المجہود شرح ابی داؤد)

حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسر کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے پاس ملک شام سے شراب آئی ہے وہ پکائی گئی یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا ایک ثلث باقی رہ گیا۔ حلال باقی رہ جائے گا حرام جل جائے گا۔ نشہ کرنے والی اڑ جائے گی پس

تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ
وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کرسکتے
ہیں۔ یعنی استعمال کرسکتے ہیں۔

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؓ بھی خوشبوئیں شامل کرکے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

احلال المثلث من شرائط اھل سنۃ والجماعۃ وان لا یحرم النبیذ لما ان بتحریمہ تفسیق کبار الصحابۃ والکف عن تفسیقھم والامساک عن طعن فیھم من شرائط اھل سنۃ والجماعۃ (ص ۳۳۲ ج بذل المجہود شرح ابی داؤد)

مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔ اور نبیذ کو حرام نہ سمجھنا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق نہ کرنا اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سنت والجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں ہوسکتی اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جاسکتا تو امیر المومنین یزیدؓ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے کیا محض سیاسی مخالفت کے پروپگنڈے کی بنا پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے، عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی حرمت الخمر بعینہا والمسکر من کل شراب (کتاب الاشربہ نسائی) یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی لا عبرۃ بالتسمیۃ مشروبات میں کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اسی خوشبو دار شربت مثلث (شراب شام) کے لئے ہے اور وہ ایسا خوشبو دار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی

اہل عراق کو نبیذ مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ اور تابعین استعمال کرتے تھے اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابو حنیفہؒ نے شرائط اہل سنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے شربت کو شراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے لطف اندوز ہوتے ہیں شراب شام کی جب یہی نوعیت ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام ایں چہ بوالعجبی است ؎

بجد و منع بادہ اے زاہد کافرنعمتی است
دشمن مے بودن وہم رنگ مستاں زیستن

عجیب عجیب لغو قصے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کے لئے تراشے گئے جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے شر القرون میں بھی ام الخبائث کے علانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے ممتاز تابعی پر جس نے بدو شعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل کی ہو۔ اور جو فریضۂ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت میں دمشق سے ارض مقدسہ حجاز پہنچا ہو یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے دو ممتاز ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالہ عقد میں ہوں۔ بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو تشریف لائے۔ حضرت حسینؓ نے شراب کی خوشبو کی تعریف کی تو دو قدحے منگوائے ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی' انتہائی لغو بیانی ہے۔ پہلی بات تو اس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ یہ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے خورد تھے۔ سن و سال میں بھی اور رشتے و قرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت حسینؓ ان کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقا اور پرہیزگاری میں شان امتیاز رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہو سکتی تھی۔ چہ جائیکہ بادۂ مے سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں

خاموش رہتے وہ تو اپنے اس عزیز کی وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہو جاتا اس لغو حکایت کے وضع کرنے والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے یعنی حضرت حسینؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے۔ علیک شرابک ایہا المرء لاعین علیک منی (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار ہم تجھے نہیں دیکھ رہے بالفاظ دیگر ہم نظر بچائے لیتے ہیں تو نوش کرجا) کس درجہ مہمل قصہ تراشا ہے اگرچہ کچھ بھی اصلیت اس حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی خوشبودار شربت سے جو ترا شیام کہلاتی تھی تواضع کی گئی ہو گی اس کی خوشبو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے تعریف بھی کی تھی لیکن "قدح آخر" کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور چیز کے پینے سے پرہیز کرنا تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہو گی۔ یہ عارضہ حضرت حسینؓ کو اپنے والد محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کر گیا تھا اور اس لئے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زبان اور آلات تکلم متاثر تھے۔ ابن جریر طبری نے فرزدق شاعر کا یہ قول اسی کے بیٹے لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ "جب میں نے حضرت حسینؓ سے حدود حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسک حج اور دعائیں معلوم کیں، اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا فرزدق کے الفاظ ہیں:۔ "فاذا ھو ثقیل اللسان من برسام اصابہ بالعراق"

(صہ ۲۱۸ ج طبری)، یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام) میں آپ کو عارض ہو گیا تھا، ثقیل اللسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہو جاتے ہیں آپ محفوظ رہے [۱]

---

[۱] مرض برسام کے بارے میں عہد مامون کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں:۔۔ (بقیہ صہ ۴۱۷)

"زبان موٹی پڑ جانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے:-

فلقیت حسیناً فرایتہ اسود الراس واللحیۃ فقلت لہ السلام علیک یا ابا عبد اللہ فقال وعلیک السلام وکانت فیہ غنۃ۔ (ص۱۶۹ ج البدایہ والنہایۃ)	اور میں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی ان کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ دیکھے پھر میں نے ان سے کہا السلام علیک یا ابو عبد اللہ۔ انھوں نے فرمایا وعلیک السلام اور وہ ناک میں بولتے تھے۔

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کہ آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے تکلّم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے پوتے (جناب زید بن علی بن حسینؓ) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

فحدثت بہ زید بن علی فاعجبہ وکانت فیہ غنۃ قال سفیان بن عیینۃ وھی فی الحسینین۔ (ص۱۶۹ ایضاً)	(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسین سے وہ بات بیان کی جو انھیں بڑی اچھی لگی۔ وہ بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینیہ کہتے تھے کہ حسینیوں میں یہ چیز پائی جاتی تھی۔

اگر واقعہ یہی ہے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض

بقیہ ص۴۱۶

البرسام وھی ورم یتحدث فی الحجاب ویتبع ذلک اختلاط الذھن لما یتادی عنہ الضرر الی الدماغ بالمشارکۃ (ص۳۵۷ کامل الصناعۃ طبع مصر)	حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں اس ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالمشارکت صدمہ پہنچتا ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہو جاتا ہے۔ یعنی مریض خبط الحواس ہو جاتا ہے۔

"بر" صدر (سینہ) کو کہتے ہیں (ص۵۴ المعرب للجوالیقی) برسام اور سرسام دو جدا گانہ مرض ہیں۔ برسام کو "الموم" بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب) شفاء الغلیل للخفاجی (ص۳۱۴ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی مرض کہا ہے مگر سرسام سے سر متاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہو جاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلات تکلم پر پڑتا ہے۔

کی وجہ سے جس سے آلات تکلم متاثر تھے حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا "قدحِ آخر" نوش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالات مرض میں پرہیز کرنا ہی چاہیئے تھا مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس "قدحِ آخر" کو "قدحِ مے" سے تعبیر کر کے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کر دیا۔ امیر یزیدؒ کو اگر آپ بادہ پرست ومے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال متواتر امیر یزیدؒ امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی ان کی اقتدا میں مناسک حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا[1]۔ جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے۔ اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک "بادہ پرست" کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کے لئے اپنے کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائل ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا گفتگوؤں میں اظہار بھی کرتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار ومے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر اور شجیع شخصیت کو اظہار حقیقت سے کیا چیز مانع ہوسکتی تھی۔ آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق وفاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شرب خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں سنی سنائی باتوں سے بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے۔

بسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن معاویۃ وتنقصہ وقال بلغنی انہ یصبح سکران ویمسی کذالک (ص۳۱ ج انساب الاشراف)	ابن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔

---

[1] حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۲۵ حج کئے جن میں سے متعدد پاپیادہ کئے (کتاب نسب قریش، ص۲۵)

گویا انھوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو نہ تھا لوگوں سے سُن سنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔ امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ پر ان کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

یا امیر المومنین انّ ابن الزبیر رجل ابیٔ لجوج فدعه علی امره۔	اے امیر المومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں انھیں ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

(ص۲۰ ج انساب الاشراف)

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا اپنی قسم پوری کرانے کے لئے ان کو گرفتار کرانا چاہا چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاۃ الاشعری بھی تھے ان سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہیثم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے "عضاۃ" کو دوسری جگہ "عضام" بھی لکھا ہے۔

ابن زبیر— میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوتران حرم سے بھی لڑائی کروگے؟

ابن عضاہ نے یہ الفاظ ان کے منہ سے سنکر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا۔ اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اٹھا لاؤ۔ جب تیر کمان آگیا ابن عضاہ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا " اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ پھر کہا۔

یاحمامة أتخلعین امیر المومنین یزید وتفارقین الجماعة وتقیمین بالحرم یستحل بك۔	اے کبوتر! کیا تو امیر المومنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت (مسلمین) سے علیٰحدگی اختیار کرے گا۔ اور حرم کعبہ میں مقیم ہو گا تاکہ یہاں (پناہ گزین ہونا) تجھے حلال ہو جائے۔

(ص۲۱ ایضاً)

ابن زبیرؓ۔ ہائیں! ابن عضاۃ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا پرند بھی بات چیت کر سکتے ہیں؟

ابن عضاۃ۔ پرند تو باتیں نہیں کر سکتے مگر تم تو بول سکتے ہو۔ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضامندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے۔ اور تم اگر خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمہیں وہیں سے پکڑیں گے۔ چاہے اس میں ہمیں انہدام و احراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

ابن زبیر۔ تو کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال و جائز کرو گے۔

ابن عضاۃ۔ یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھکر خلاف ورزی احکام شریعت کا مرتکب ہوگا۔ "الحد فیہ"

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا ہے اُس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں۔ ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کرکے کہا تھا کیا تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو، یا اُس ہوش مند کی جو (بغاوت فرد کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے۔ آخری شعر تھا ؎

واعجباً من ملحدٍ واعجباً	مخادعٍ فی الدین یقفو بالفری
افسوس اُس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر افسوس۔	جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بات بیان کرتا ہے۔

"مخادع فی الدین" سے سیاسی اغراض کے لئے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر بغاوت و فتنہ پیدا کرنے کا پروپگنڈہ مراد ہے اور "یقفو بالفری" سے شرب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب صاف اشارہ ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر "ملحد" کہا۔ اور ابن عضاۃ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر نظام سیاسی درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں "الحد فیہ" کہا تھا غرضیکہ یہ باتیں تو ان کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گذرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے۔ حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی مکذوبہ لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو

حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھ کر آپ نے فرمایا ایک دوزخی جنتی کی گود میں جا رہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ کی وفات کے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بہ عہد وضع ہو کر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے بھی تجاوز کر کے سنہ ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ کے ہبوط کرۂ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ بی بی حوا کی تلاش میں تمام کرۂ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گذر ہوا تو یکایک ان پر "اندوہ بزرگ" طاری ہو گیا سینہ میں تنگی محسوس ہوئی پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی "وخون از پائے او بر دمید" (ص ۱۱۲ ج ۶) یعنی ان کے پیروں سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت آدمؑ نے باریتعالےٰ سے عرض کیا کہ ساری دنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی۔ کیا خطا یہاں مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا۔ جواب میں یہ وحی آئی۔

یا آدم ما حدث منک ذنب ولکن یقتل فی ھٰذہ الارض ولد ک الحسین ظلماً فسال دمک موافقۃ لدمہ (ص ۱۱۲ ج ایضاً)	اے آدم گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن اس زمین پر تمہاری اولاد میں سے حسین قتل ہوگا اس لئے یہ تمہارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہ گیا ہے۔

حضرت آدمؑ کے پوچھنے پر کہ قاتل حسینؓ کون ہوگا "خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا و زمینہا است" چنانچہ جبریل کے مشورہ سے انھوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا۔ اس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی و پیغمبر کو جن کے نام انھیں یاد تھے کربلا پہنچا کر ان کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگوئیں درج کی ہیں ان میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے زہیر بن القین کے تو یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اے لوگو! حسینؓ کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے دو"۔ کیا ایک بادہ پرست کے

پاس جا رہے تھے۔ اور وہ بھی بیعت کرنے کو!

بقول محقق دے خوئے حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجاً افسانے کی شکل اختیار کرلی وضعی روایتوں اور مسلسل پروپگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں مناقب کی جھوٹی حدیثوں سے واقعات تاریخ مسخ صورت میں پیش کیے گئے، حقیقت تعصبات کے پردوں میں روپوش ہوگئی اور ایسی فضا پیدا کردی گئی کہ سب دشتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ ؎

انھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہؓ مے نوش و فاسق اور ستمگر تھا[1]

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ:۔ جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضاء تھے۔ قد بلند و بالا جسم مضبوط رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔

(ص۳ ج انساب الاشراف بلاذری)

وقال کان ابیض وکان حسن اللحیۃ خفیفھا (ص۳ ایضاً)	یہ بھی کہتے ہیں کہ یزیدؒ سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت داڑھی تھی۔

وفات بروایت اصح ۱۴ ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پر فضا مقام ہے وفات ہوئی ان کے فرزند اور ولیعہد معاویہ بن یزیدؒ نے نماز جنازہ پڑھائی تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہر دلعزیز امیر المومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں ان کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال الواقدی! دفن یزید بدمشق فی مقبرۃ الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علی ایدی الرجال الیھا وفیھا	واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے انتقال اُن کا حوارین میں ہوا وہاں سے جنازے کو

---

[1] علامہ شبلی کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں تصرف لفظی کیاگیا ہے۔

دفن ابوہ معاویتہ۔ لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور ان کے والد (حضرت) معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

(صـ۶ ج انساب الاشراف بلاذری)

سیدنا حضرت معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دشمن نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے وہ شعر یہ ہے۔

یا ایُّھا القبر بحوارینا	ضَمَمْتَ خیرالناسِ اَجْمَعِیْنا
اے وہ قبر جو حوارین میں ہے	سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے۔

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

یا ایُّھا المیت بحُوّارینا	اَصبحتَ خَیرَ الناسِ اجمعینا
اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا	تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا

امیر المومنین یزیدؒ نے ۳۹ برس کی عمر پائی تقریباً یہی عمر ان کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبدالملکؒ کی ہوئی۔ مدت خلافت تین برس نو مہینے تھی۔ اور تقریباً یہی مدت خلافت ان کے ہم نام نواسے یزید بن عبدالملکؒ کی بھی ہوئی

ازواج و اولاد

امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولیٰ والدہ معاویہؒ ثانی کلبیہ خاتون تھیں ان کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو باوقات مختلف حبالۂ عقد میں لائے (۱) بنت ابی ہاشم بن عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس - نام فاختہ تھا اور لقب حبّہ (۲) ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر امویہ - (۳) ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ (۴) ام مسکین بنت عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ اولادیں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبدالملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ ان سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبدالملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام ان کے محرم تھے یعنی

(۱) ان کے دادا حضرت معاویہؓ (۲) ان کے والد امیر یزیدؒ (۳) ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ (۴) ان کے خسر مروانؓ بن الحکم (۵) ان کے شوہر عبدالملکؒ (۶) ان کے فرزند یزید بن عبدالملکؒ ان کے تین سوتیلے بیٹے (۷) الولید (۸) سلیمان (۹) ہشام' ان کے پوتے (۱۰) ولید بن یزید اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبدالملک کے دو بیٹے (۱۱) یزید اور (۱۲) ابراہیم امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی ام یزید کی شادی الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؒ سے ہوئی۔ تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں ان کے فوت ہو جانے پر چوتھی بیٹی ام عبدالرحمٰن بھی ان ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیر المومنین یزید کی ام محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی ام عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیر المومنین یزیدؒ کے تیرہ بیٹوں میں (۱) معاویہؒ ثانی سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے (۲) خالد (۳) عبداللہ الاکبر (۴) ابوسفیان (۵) عبداللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا (۶) محمد (۷) ابوبکر (۸) عمر (۹) عثمان (۱۰) عبدالرحمٰن (۱۱) عتبہ (۱۲) یزید (۱۳) عبداللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔ رحمہم اللہ۔

امیر المومنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانیؒ اپنے والد کے فرزند اکبر تھے، ان کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں۔ سنہ ۴۲ھ ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی بلاذری کہتے ہیں کہ:-

فلما مات یزید بایع الناس معاویۃ واتتہ بیعۃ الآفاق الا ماکان من ابن زبیر فولی ثلاثۃ شہر (ص۶۳، انساب الاشراف)

جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ (ثانی)، سے بیعت کی اور سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی تین مہینے خلیفہ رہے۔

معاویہ ثانیؒ بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم و کریم تھے خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سرخ و سفید تھا۔ کان شاباً صالحاً وہ جوان صالح تھے، (تاریخ الاسلام ذہبی ج۲ ص۱۸۲) حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے استاد عمر المخصوص تابعی عقیدتاً قدریہ تھے استاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی۔ بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق و حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفداروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت ضحاکؓ بھی ان ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانیؒ نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی اپنے استاد سے مشورہ کیا انھوں نے کہا اگر معدلت کے ساتھ سیاسی حالات کو درست کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہو خلافت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اعیان حکومت، سرداران قبائل اور علما، وفضلاء کا بڑا جلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے اور ان کے مخالفوں

سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانیؒ اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ ان کی اس تقریر کے بعض جملے مورخین نے نقل بھی کئے ہیں۔ یہ فقرہ ان سے منسوب ہے کہ خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابی سفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے۔ اگر بری چیز ہے تو ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ وان کان شرا فلا حاجة لنا فیه (ص۶۵) پس آپ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں فاختاروا لانفسکم اماما۔ (ایضاً) اور ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہشمند ہو۔ تبایعوا هو احرص علی هذا الامر منی (ایضاً) پھر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں اور حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلس شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے ان کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کرکے مشہور کئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا کی برائیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کے لئے انھوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا جو ان کے باپ دادا کی پالیسی کے طرفدار اور ان کے کارگزار عمال رہے تھے مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ بلوائی حجازی بدگوئی کرتے بھی تو کس کے سامنے کس کے مواجہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کے لئے بھی کسی نے چالیس دن بیان کئے ہیں کسی نے بیس دن۔ لیکن تحقیق سے یہ مدت تین سے لے کر چھ مہینے ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی ہیضے میں فوت ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی علامہ خالد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں اپنے دادا کی طرح ان کی کنیت عبدالرحمن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابو لیلی کہتے تھے۔

علّامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنس داں اور بابائے کیمیا

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علماء و فضلا کی اچھی جماعت موجود تھی لیکن خود بیت معاویہؓ "بیت الخلافہ" کے ساتھ "بیت الحکمۃ" بھی بن گیا تھا۔ ان ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث و تفسیر و لسانیات کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبعیہ، فنون طب اور کیمیا سے ان کو خاص شغف تھا۔

صاحب ضاحۃ الطرب فی تقدمات العرب نیز ابن خلکان (ص۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

" کان اول من اشتھر فی الطب بین الاسلام خالد بن یزید بن معاویہ الاموی۔

کان اعلم القریش بفنون العلم ولہ کلام فی صنعۃ الکیمیاء والطب ورسائلہ فیھما دالۃ علی معرفتہ وبراعتہ[۱]	زمانہ اسلام میں سب سے پہلے علم طب میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید بن معاویہ اموی تھا جو قوم قریش میں فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب کے رموز اس نے بیان کئے ہیں اور اس پر اس کے جو رسائل ہیں ان سے ان کی معرفت علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے۔

البیرونی نے علامہ خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم بتایا ہے[۲]۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ پروفیسر ہتی لکھتے ہیں کہ۔

---

[۱] مطبوعہ بیروت ص۲۳۵ [۲] آثار الباقیہ البیرونی ص۳۰۲

"علم طب سے فن کیمیاء کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتسابات علمیہ میں سے ہے۔ جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنٹسٹ اور فلاسفر (حکیم) بتایا گیا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی یہی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

لاخلاف فی ان العرب هم الذین اسسوا الکیمیاء الحدیثة - بتجاربهم واستحضاراتهم - تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۸۱

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے موجودہ فن کیمیاء کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی"

جملہ مورخین و محققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کدوکاوش سے کیمیا کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حد درجہ انہماک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی شیعی خالد کے اس شغف و انہماک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

خالد بن یزید معاویہ بن ابی سفیان - کان من رجلات قریش سخاء وعارضة وفصاحة وکان شغل نفسه بطلب الکیمیاء فافنی بذلک عمره واسقط نفسه - کتاب الاغانی ج ۱۶ ص ۸۸

خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان سخاوت و قابلیت و فصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں اس نے اپنی ذات کو مصروف رکھا اور اپنی عمر اس میں صرف کر ڈالی اور اپنے کو فنا کر دیا۔ زمانہ حال کے ایک اور شیعی مورخ جسٹس امیر علی خالد کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطہ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم و فضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت و فضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"بنی امیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو علوم طبعیہ اور علم و ادب میں اپنے اکتسابات علمیہ کے لئے نامور ہے۔

خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھے۔ ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استاد فن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا چنانچہ ان کے ایک رسالہ میں ان امور اور "رموز" کا بیان بھی ہے۔ سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے بھی شاعر تھے۔

وله فيها ثلاث رسائل تضمنت احد اهن ماجرى له مع موريانس المذكور وصورة ما تعلمه منه والرموز التي اشار اليها وله في ذلك اشعار كثيرة :۔

(صناجة الطرب فی تقدمات العرب ص ۲۳۵)

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب و کیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان و مصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہوسکیں ان کو حاصل کیا۔ ان کے تراجم عربی زبان کرائے اور اس کے لئے دمشق اور مصر میں دارالتراجم قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی مسٹر براؤن نے ۱۹۱۹-۲۰ء میں "طب عربی" پر جو لیکچر کالج آف فزیشنز میں دیئے تھے۔ وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں پہلے لیکچر میں EARLY STUDY OF ALCHEMY کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ :۔

"یونانیوں کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہؓ کے دل میں، جو علم کیمیا سے خاص شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی فہرست (ابن الندیم) کے بیان کے مطابق، جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے۔ خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی و مصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے ان کو مقرر کیا یہ ترجمے تھے۔ جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کئے گئے تھے۔ ان ترجموں میں سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق

کے دارالترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔

واستفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد مشاؤالیہ وقد ترجم لہ عدت مصنفات من الرومی الی العربی (مناجنۃ الطرب فی تقدمات العرب ص۴۲۹)

خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اس نے متعدد تصانیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

پروفیسر نکلسن نے اپنی مشہور کتاب A LITERARY HISTORY OF THE ARABS. میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مولف کلیمنٹ ہوار نے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شخص جنھوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا، اس کے تجربات کئے اور اس دفعہ میں کتابیں لکھیں خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوار نے ایک دوسرے موقع (ص۳۱۳) پر لکھا ہے کہ۔ ازمنہ متوسط کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جعفر الصادقؒ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادق کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزیدؒ کی مساعی علمیہ سے کرنا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ اسلام میں انہی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی اور اس میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جاحظ البیان والتبیین میں فرماتے ہیں کہ :—

کان خالد بن یزید بن معاویۃ خطیباً شاعراً وفصیحاً جامعاً وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا (ج ۱، ص۲۱۳)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہو سکتی

ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جا سکتا ہے اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آکر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب و قرابادین میں اشیاء کے اجزاء و خواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر و ادیب بھی۔ کیمیا کی دھن میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیاء کے تجربات کے بارے میں غور و خوض کرتے رہتے تھے۔

(انساب الاشراف بلاذری قسم ثانی جزء الرابع (ص ۶۶ مطبوعہ بیروت)

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیادی کارخانہ "لیبارٹری" میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسرپیکار رہنا پڑا تھا۔ اور "گریک فائر" (آتش یونان) سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں۔ بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیادی مرکب تھا جس کی ایک پچکاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھیں۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے اس کو ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے۔ جو بنی امیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہونچا تھا۔ خالد کی لیبارٹری میں حل و عقد سے اس کا نسخہ معلوم کر لیا گیا۔ اس کا جزء اعظم روغن نفت تھا۔ لہذا عربی میں اس کو نفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو بھی مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اڑتا ہوا اژدہا کہتے تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہونچ کر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر تضرع و زاری سے کہتا کہ "اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو اس بلا سے بچا۔"

(تمدن عرب ص ۴۳۹)

علامہ خالد نے علم کیمیا پر جو تصانیف کی ہیں ان میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنھیں "رموز" سے تعبیر کیا ہے بیان کیا ہے۔ اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیا کے "رموز" لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

"ان خالد عنی باخراج کتب القدماء فی الصنعة وکان خطیباً شاعراً فصیحاً حازماً وھو اول من ترجم له کتب الطب والنجوم وکتب الکیمیا وقد رایت من کتبه کتاب الحرارت، کتاب الصحیفه الکبیر، کتاب الصحیفه الصغیر، کتاب وصیة الی ابنه فی الصنعة۔

(فہرست ابن الندیم ص ۳۵۴)

"خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدما کی کتابوں کے حصول میں بڑی دردسری اٹھائی وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوش مند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے طب و نجوم و کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارت و کتاب صحیفہ کبیر و صحیفہ صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز وصیت کئے ہیں۔"

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں۔ معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں ان کی اور کیا تالیفات ہوں گی جو ضائع گئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک دوسرے لکچر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کیمیا کے علاوہ دیگر علوم فلسفہ و طب وغیرہ پر بھی خالد نے قدمائے یونان و مصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔

پروفیسر ہنری براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف ان کے جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی (ج ۳ ص ۱۸۲) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادقؑ نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد و موسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا

اور اس کے لئے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد جس کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو ان کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اوران کے خلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ یعنی علامہ خالد کا حج کے لئے جانا وہاں قیام کرنا۔ مصعب بن زبیر کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔ حضرت زبیرؓ کی پوتی سے یہ نکاح اسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے۔ تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے۔ وہ خاندان تو آپ کا کفو وہمسر بھی نہیں ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور برے برے الزام لگائے تھے۔ جس وقت علامہ خالد نے یہ رقعہ پڑھا بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا کہ اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو تمھارے ٹکڑے کرکے حجاج کے دروازے پہ پھنکوا دیتا۔ جاؤ اس کو جواب دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے خاندان قریش میں بغیر تمھارے مشورہ کے ہم رشتہ بھی نہ کریں۔ کیا وہ یہ بات نہیں جانتا کہ زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے ام الحجاج کے بیٹے تیرا برا ہو کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبد المطلب سے۔ آل ابوسفیان اور بنو امیہ کے تو یہ آل زبیر ہمسر ہیں۔ اور ہم کفو بھی۔ آخر میں فرمایا تھا۔

واما قولك فاتلوا اباك على الخلافة ورموه بكل قبيح فهي قريش تقارع بعضها بعضا حتى اذا اقر الله الامر مقره عادت الى احلامها وفضلها۔

(صفحہ ۶)

اور تمھارا یہ کہنا کہ (آل زبیر نے) تمھارے والد سے خلافت پر جنگ کی ان پر قبیح الزام لگائے۔ سنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ وجدل کر بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی خاندانی نجابت وشرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔

(شتر کینہ نہیں رکھتے)

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبداللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے جو بنو کلب کی نواسی تھیں نکاح کیا۔ انہی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی بلاذری نے لکھے ہیں۔

أُحِبُّ بنی العوام طراً لحبها — ومن حُبّها اُحِبُّتُ اخوالها کلبا

میں ان کی محبت میں بنو العوام (زبیریوں) سے محبت کرتا ہوں۔ — اور انہی کی محبت کی بنا پر ان کی ننھیال بنو کلب سے۔

ولا تکثروا فیها الضجاج فاننی — تخلّلتها عمداً زبیریة قلبا

مجھ سے ان کے بارے میں زیادہ تکرار مت کرو۔ — میں نے قصداً انھیں منتخب کیا ہے کہ ان کا دل زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے بھی ان اکاذیب کی تردید ہوجاتی ہے جو کعبہ کی بے حرمتی اور اہل مکہ کے مظالم کی تراشی گئی ہیں۔ زبیری خاندان کے علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے یہاں کیا تھا اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں بلاذری نے ان کے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

منافیّۃٌ غرّ احلامت بودها — لعبدِ منافِ اَغَرّ مُشهّد

بنو عبد مناف کی اس ذی رتبہ خاتون نے — عبد مناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خالص محبت سے نوازا ہے۔

مطهّرةٌ بین النبی محمّدٍ — دبین الشهید ذی الجناحین جعفر

وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف محمدؐ جیسے رسول ہیں۔ — اور دوسری طرف جعفر ذو الجناحین جیسے شہید۔

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے۔

مقابلۃ بین النبی محمّدٍ — وبین علیّ ذی الفخار وجعفر

ان کے ایک طرف محمدؐ جیسے نبی ہیں — اور دوسری طرف علی و جعفر جیسے قابل فخر بزرگ۔

ہاشمی خاندان میں فرزند امیر المومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ و خاندان علیؓ میں کوئی خاندانی و نسلی عناد یا مغائرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی و فنی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔ عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انھوں نے اپنے صرفہ سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

وکان خالد علی حمص فبنی مسجدھا وکان لہ اربع مائۃ عبد یعملون فی المسجد فلما فرغوا من بنائہ اعتقھم۔ (انساب الاشراف بلاذری صـ۶۹)	اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے۔ وہاں انھوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی تعمیر میں ان کے چار سو غلام کام کرتے تھے۔ جب تعمیر کے کام سے یہ لوگ فارغ ہوگئے۔ ان سب کو آزاد کر دیا۔

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے حبر الامۃ کے غلام شاگرد ابو عبد اللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تاکہ اپنے پاس رکھ کر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

مات ابن عباس وعکرمہ عبدٗ فاشتراہ خالد بن یزید بن معاویہ من علی بن عبد اللہ بن عباس باربعۃ الاف دینار (طبقات ابن سعد)	حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہوگئی تو اس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت میں تھے خالد بن یزید بن معاویہؒ نے انھیں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے چار ہزار دینار میں خرید لیا۔

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے جب عکرمہ نے علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کر دیا۔ انھیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع و شرا کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح سنیچر و اتوار کو کہ اہل کتاب کی عیدیں ہیں۔ محدث ابو زرعہ دمشقی کا قول ان کے ادد

ان کے بھائی معاویہ ثانی کے بارے میں ہے کہ کان من خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش و عطا وجود وسخا میں بڑے دریا دل تھے۔ شعراء نے ان کی مدح میں جو کہا ہے یہ دو شعر سنیئے۔

سألت الندا والجود حران انتما فردا وقالا انا لعبید
فقلت من مولا کما فتطاولا علی وقالا خالد بن یزید

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی نے سنہ ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے سنہ ۹۰ھ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبدالملکؒ کے زمانہ میں وفات ہوئی واللہ اعلم۔

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعیدؒ، یزیدؒ، حربؒ، عتبہؒ، ابوسفیانؒ، اور عبداللہؒ آخر الذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علیؓ مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں جن کے بطن سے ان کے فرزند علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید تھے۔ جنھوں نے امیر المومنین عبداللہ المامون عباسیؒ کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اور ان کی اولاد کا تذکرہ دوسری کتب میں ملاحظہ ہو۔

توضیحات

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلیہ :- عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے دو کلیے وضع کئے گئے ہیں۔ ایک ان سنین کے لئے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہوں۔ دوسرا اس کے بعد کے سنین کے لئے۔ یہ دونوں کلیے پروفیسر دل محمد ایم۔اے کی "دلیس نیو ارتھمیٹک" (انگلش ایڈیشن) میں دیئے گئے ہیں۔ اردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے۔ پہلا کسی غلطی سے ترک ہوگیا۔ بعض لوگ جو اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے اس کتاب کی تردید پر تلے ہوئے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایک جز پہلے کلیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد "تحقیق مزید" میں یہ دونوں کلیے وضاحت سے پیش کر دیئے گئے ہیں اور بعض ان تاریخوں کے دن جو پہلے سے صحیح طور پر معلوم ہیں۔ اسی کلیہ کی مدد سے نکال کر چند مثالیں بھی درج کر دی ہیں۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے :-

مثال ۱ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ و سنہ ولادت عیسوی سنہ کے اعتبار سے ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء ہے اور یوم ولادت متفقہ طور سے دوشنبہ (پیر) ہے علامہ شبلیؒ نے سیرۃ نبوی میں لکھا ہے :-

"تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (سیرۃ نبوی جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

کلیہ حساب کی مدد سے ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقہ سے معلوم کرلیا جاتا ہے۔

اس مثال میں س = ۵۷۰
ل = ۱۴۲
د = ۱۱۰
مجموعہ ۸۲۲

د (= دن) جنوری	۳۱
فروری	۲۸
مارچ	۳۱
اپریل	۲۰
مجموعہ	۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = $\frac{822}{7}$

$$
\begin{array}{r}
117 \\
7\,)\overline{822} \\
7 \\
\hline
12 \\
7 \\
\hline
52 \\
49 \\
\hline
3
\end{array}
$$

باقی ۳

یعنی س = اس سال سے ایک سال پہلے کا سنہ
ل = لوند کے سالوں کی تعداد جو اس سنہ تک ہو۔
د = جنوری سے اس تاریخ تک کے دن۔

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی بچتا ہے۔ کلیہ کے مطابق باقی عدد کو شنبہ (سنیچر) سے شمار کرتے ہیں چنانچہ سنیچر سے ۳ دن آگے شمار کرنے سے مطلوبہ دن دوشنبہ (پیر) آتا ہے اور یہی دن آپ کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

اسی ایک مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح و کارآمد کلیہ ہے۔ حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا تھا۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ تھا۔ چنانچہ اسی کلیہ سے یہ دن معلوم کر لیا گیا ہے۔ جو پچھلے اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دسویں محرم ۶۱ھ کو چونکہ جمعہ نہ تھا جیسا افسانوی طرز کی موضوع روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ چہار شنبہ تھا۔ شیعہ مورخین کو یہ دشواری پیش آئی کہ چہار شنبہ (بدھ) کو جمعہ کیسے ثابت کریں ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ کو یہ تدبیر سوجھی کہ ساتھ

کربلا ہی کو ایک سال پہلے قرار دے لیا جائے اور اس غرض سے حضرت معاویہ رضؓ کی وفات بھی ایک سال قبل کی بتائی جائے۔ چنانچہ "تعیین سال وفات معویہ و سال شہادت سید الشہدا" کے ذیلی عنوان سے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ سنہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو نہ جمعہ تھا نہ شنبہ اور نہ دو شنبہ بلکہ اس سے ایک سال پہلے سنہ ۶۰ھ میں دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے اس لئے "وفات معویہ را در سال پنجاہ و نہم ہجری رقم کنیم و قتل سید الشہدا در سال شصتم ہجری بعد از ظہر جمعہ عاشورا دانیم" (صفحہ ۱۵۰ جلد ششم از کتاب دوئیم) بالفاظ دیگر قتل حسین رضؓ کا دن جمعہ بتلانے کے لئے معاویہ رضؓ کی وفات بھی جو متفقہ طور سے سنہ ۶۰ھ میں ہوئی تھی اس سے ایک سال پہلے سنہ ۵۹ھ میں قرار دے لی جائے اور حضرت حسین رضؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ جو سنہ ۶۱ھ کی دسویں محرم چہار شنبہ کے دن پیش آیا تھا اسے بھی ایک سال پہلے سنہ ۶۰ھ کی دسویں محرم کو قرار دیا جائے کیونکہ اسی سال کی دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "در سالے کہ سید الشہداء روز عاشورا شہید شد اول ماہ روز چہار شنبہ بر آمد واجب میکند کہ روز عاشورا جمعہ باشد و ایں راست بیاید مگر در سال سنہ ۶۰ھ" (صفحہ ۱۵۰ ایضاً)

باین ہمہ یہ شیعہ مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ سنہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو کون سا دن تھا۔ ایک جماعت تو جمعہ کا دن بتاتی ہے دوسرا گروہ شنبہ کہتا ہے اور بعض دو شنبہ۔ ایک اور قدیم شیعہ مورخ ابن واضح یعقوبی متوفی سنہ ۲۸۴ھ بھی فرماتے ہیں۔

وکانت مقتله لعشر لیال خلون من المحرم سنہ ۶۱ واختلفوا فی الیوم السبت وقالوا یوم الاثنین وقالوا یوم الجمعة۔

اور وہ (حسین رضؓ) دسویں محرم کو مقتول ہوئے اس دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شنبہ تھا بعض دو شنبہ بتاتے ہیں اور بعض جمعہ۔

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں ایک جگہ (صفحہ ۴۶۴ پر) تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جانسوز دسویں محرم سنہ ۶۱ھ کو پیش آیا تھا وہ دن یا تو جمعہ تھا یا دو شنبہ مگر دوسرے صفحہ ۴۶۵ پر اپنے ایک امام (جناب جعفرؒ) سے یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے نور کو اوّل ماہ رمضان یوم جمعہ میں پیدا کیا اور ظلمت کو چہار شنبہ عاشورا کے دن اور یہی چہار شنبہ وہ دن تھا جب حسینؓ شہید ہوئے۔ یہی روایت بتغیر الفاظ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی درج کی ہے (صـ۷۱۹ جلد ششم از کتاب دویم) مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے قواعد علم ریاضی سے تفصیلاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :-

"۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے" (مجاہد اعظم صـ۴۰۲)

تقویم سنین ہجری و عیسوی اور کلیہ حساب سے ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو چہار شنبہ آتا ہے نہ جمعہ۔ بظاہر تو یہ بات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ حضرت حسینؓ کا واقعہ جس تاریخ کو پیش آیا وہ دن چہار شنبہ تھا یا جمعہ یا شنبہ و دوشنبہ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سبائی راویوں نے جس طرح دیومالائی انداز کی روائتیں گھڑ ڈالی ہیں۔ جن کے چند نمونے پچھلے اوراق میں پیش کئے گئے ہیں اسی طرح تاریخوں کے دن بھی اٹکل پچو قرار دے لئے ہیں اس لئے یہاں یہ بحث اٹھائی گئی۔ مستند تقویم سے ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت ہو جائے تو اس کلیہ سے صحیح دن قرار دیا جا سکتا ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی مندرجہ بالا مثال سے واضح ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو "تحقیق مزید" کے صفحات ۲۹۸-۳۰۴۔

مفروضہ صحابیت و موروثی فضیلت

"عرض مؤلف" (طبع سویم) میں حضرات حسنین کے سنین ولادت کا ذکر ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری (ج ۱ صـ۵۰۳) میں حضرت حسنؓ کی کم سنی کا یہ واقعہ مذکور ہے۔ نیز مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب نسب قریش (صـ۲۳) و الاصابہ اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دن اپنے ابتدائی ایام خلافت میں نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے کہ حسنؓ کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (والحسن یلعب مع الصبیان کتاب نسب قریش صـ۲۳،

ان کے چہرے میں رسول اللہ صلعم کی شباہت آتی تھی حضرت صدیق اکبرؓ نے فرط محبت سے گود میں اٹھالیا اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وابابي شبيه النبي — اے وہ جو نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ

ليس شبيهاً بعلي — نہیں تجھ پر میرا باپ فدا۔

یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دن بعد کا ہے (وذلك بعد وفاة النبي صلعم ص۲۳ ایضاً) اب دیکھئے جب حسنؓ ہی بعد وفات نبی صلعم اتنے کم سن بچہ تھے کہ چونسٹھ پینسٹھ برس کے کمزور جثہ کے بزرگ گود میں اٹھا کر کندھے پر چڑھا لیں (فاحتمله على رقبته) تو حسینؓ جوان سے سال بھر چھوٹے تھے یقیناً اور بھی کم سن دودھ پیتے بچہ ہوں گے مگر ان کی ولادت کے بارے میں عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ حسینؓ شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہے (جلاء العیون ص۳۱۳ مطبوعہ ایران ۱۳۳۴ھ) پھر اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اپنے ایک امام کی سند سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے جسے میری امت میرے بعد شہید کر دیگی یہ سنکر انہوں نے کہا مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی بالآخر جب آپ نے فرمایا کہ وہ بیٹا اور اس کے فرزندان پیشوایان دین اور میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے خزانہ ہوں گے ؟ تو وہ راضی ہوگئیں۔ پس حاملہ شد بحضرت امام حسینؓ و بعد از شش ماہ آن حضرت متولد شد" (ص۳۱۲) اسی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "چھ ماہ کا پیدا شدہ بچہ زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت حسینؓ اور حضرت عیسیٰؑ کے" شاید اس روایت سے حضرت حسینؓ کی عمر میں چند ماہ کا اضافہ مقصود ہو ورنہ جو جنین شکم مادر میں پورا نشوونما نہ پاسکے۔ اگر بعد وضع حمل وہ زندہ بھی رہے تو ئی کی کمزوری تو بہر نوع قائم رہے گی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی عہد رسالت میں تو حسین ایسے طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روایت پرستی کی سحر کاری ہے کہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں حضرت حسینؓ کی صحابیت اور فضیلت کے ثبوت میں شیعہ ٹکسال

کی گھڑی ہوئی اور دو کٹر شیعہ راویوں ہی کی سند سے یہ روایت حضرت عمار بن یاسرؓ کے ترجمہ میں درج کر ڈالی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات سات نجباء و وزراء و رفقاء عطا ہوئے تھے مجھ کو چودہ عطا ہوئے ہیں۔ یعنی حمزہ[1] و جعفر[2] و ابوبکر[3] و عمر[4] و علی[5] و حسن[6] و حسین[7] و عبداللہ بن مسعود[8] و سلمان[9] و عمار[10] و ابوذر[11] و حذیفہ[12] و مقداد[13] و بلال[14] حضرت عثمانؓ کا نام شیعہ راویوں نے ترک کر دیا۔ راویوں میں ایک تو کثیر بن اسمٰعیل النواء جس کے متعلق محدث ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا اور دوسروں نے بھی اسے گمراہ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۵۲) اور دوسرا فطر بن خلیفہ ہے۔ المعارف میں جو فہرست شیعہ راویوں کی امام ابن قتیبہ نے درج کی ہے اس میں اٹھارواں نام اسی فطر کا ہے (ص ۲۰۶) جامع ترمذی میں بھی ایک شیعہ راوی مسیب بن نجبہ کوفی سے اسی مضمون کی روایت ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ وہ چودہ نجباء و رفقاء (رقباء) آپ کے کون کون ہیں فرمایا انا وابنای یعنی میں اور میرے یہ دونوں بیٹے (یعنی حسن و حسینؓ) پھر وہ سب نام گنائے جن میں حضرت عثمانؓ کا نام شامل نہیں تھا۔ شیعہ راویوں کا آپؐ سے یہ قول منسوب کرنا کہ اپنے چودہ نجباء، وزراء و رفقاء و رقباء میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی شامل فرمائیں اور ایسے کم سن بچوں کو جو سن تمیز کو بھی نہ پہنچے تھے جس درجہ بے معنی ہے ظاہر ہے۔

یہاں اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس قسم کی سب روایتیں اگر شیعوں اور سبائیوں کی من گھڑت ہیں تو پھر سنیوں کی کتابوں میں کیوں ہیں؟ مختصر جواب یہ ہے کہ منافقین عجم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کر لینے کے بعد مناقب و مثالب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مراکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پھیلانی شروع کیں۔ پھر شہادت عثمانؓ اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل و صفین کے واقعات پھر شہادت علیؓ۔ پھر واقعہ کربلا اور فتنہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ سیاسی انتشار پیدا کرنے کے باوجود مسلمانوں کی دینی وحدت کا قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا مناقب و مثالب کی حدیثوں کے علاوہ اختلاف قرأت کی روایتیں، تفسیری روایتیں بنا بنا کر مشہور کرنے

لگے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز اموی کو اس فتنہ روایات کا احساس ہوا انہوں نے ابوبکر بن حزمؒ کو جو والیٔ مدینہ بھی تھے۔ حکم دیا کہ صحیح روایتیں و حدیثیں جمع کریں مگر جلد ہی امیرالمومنین کی وفات ہوگئی اور ابوبکر بن حزم بھی عہدے سے معزول کر دیئے گئے اس کے بعد سے تو ہر طرف جامعین احادیث کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک ائمہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتابیں مدوّن کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ سنّی خارجی معتزلی قدریہ وغیرہ سب ملے جلے رہتے تھے، دینی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہر فرقے کے راویوں سے جو بظاہر حال ثقہ معلوم ہوتے تھے۔ جامعین احادیث روایتیں لے لیا کرتے تھے چنانچہ صحاح کی کتابوں میں شیعوں کی روایتوں کا حصہ رسدی بھی کافی موجود ہے۔ یہ سب حدیثیں جو "اھل البیت" سے متعلق ہیں نیز فضائل علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم میں مروی ہیں تمام تر نہیں تو اکثر و بیشتر شیعوں کی ہیں جو حصہ رسدی کی حیثیت سے سنیوں کی کتابوں میں آگئی ہیں۔

بعض شیعہ مصنفین نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تصانیف کیں مثلاً حاکم صاحب المستدرک کہ انکی کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے شیعت نمایاں ہے اس زمانہ میں جسے زمانہ اجمال کہتے ہیں سنیت کی نمائش کرنا ان کے لئے ضروری بھی تھا چنانچہ فضائل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی درج کر دی ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن جریر طبری ہیں جن کے مسلکاً شیعہ ہونے کا ذکر پچھلے اوراق میں مجملاً ہو چکا ہے ان کی تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کو سنّی اپنی کتابیں سمجھنے لگے اور انکی مندرجہ روایتوں و حدیثوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ یہاں تفصیل کا تو موقع نہیں۔ "عرض مؤلف" (طبع سوئم) میں ضمناً۔ بیان ہوا ہے کہ سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع اوّل سے آخر تک ازواج مطہرات نبی کریم علیہ و علیہن الصلوٰۃ والتسلیم کی شان پاک میں نازل ہوا ہے جس سے کوئی صاحب عقل و ہوش انکار نہیں کر سکتا۔ اس رکوع کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوئی ہے۔ "اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو" پھر درمیان میں يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ (اے نبی کی بیویو) کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے۔

اور یہ مخاطبت آخر رکوع تک قائم ہے۔ ایک آیت اس رکوع کی یہ ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

(اے نبی کی بیویو) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اور اگلی جاہلیت والی زینت کی نمائش (غیروں کے آگے) نہ کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے اے اہل خانہ پلیدی دور کر دے اور اچھی طرح تمہیں پاک کر دے۔

اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے ہی مخاطبت ہے ان کے سوا کسی سے نہیں۔ اور پھر اس آیت کے بعد بھی اور خود اس آیت میں بھی ان ہی بیویوں سے خطاب ہے۔ اب دیکھئے ابن جریر طبری نے اپنی کتاب "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کے جز ۲۲ صفحہ میں ایک دو نہیں الٹھٹی سترہ موضوع حدیثیں اس ثبوت میں درج کی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسینؓ کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزلت ھذہ الآیۃ فی خمسۃ فیّ وفی علی رضی اللہ عنہ وحسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ وفاطمۃ رضی اللہ عنہا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں۔

اس وضعی اور قطعاً جھوٹی حدیث کے آئینہ ہی میں علامہ ابن جریر طبری کی شیعت کا جنھیں بعض سنیوں نے اپنا امام قرار دے رکھا ہے صاف اور صحیح

عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں متعدد سبائی شیعہ شامل ہیں یعنی عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی جو ایک جنادہی سبائی محمد بن السائب الکلبی سے روایت کرنا ظاہر کرتا ہے اور خود ہی اس کی کنیت بھی "ابو سعید" گھڑ ڈالتا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۱ وتہذیب التہذیب) تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت ابو سعید الخدری رضی صحابی رسول سے روایت کر رہا ہے۔ عطیہ نے تو "ابو سعید" ہی پر اکتفا کیا تھا "الخدری" کا اضافہ نہیں کیا تھا مگر علامہ ابن جریر طبری "ابو سعید" کے ساتھ صراحتاً "الخدری" بھی لکھتے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی شیعی فطرت بھی عطیہ سے کچھ کم نہ تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں جن کے بارے میں اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ "اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ یآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُل لِّاَزْوَاجِکَ اور درمیان میں یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منسوبہ قول کو اپنی تفسیر میں درج کرنا کہ یہ آیت میری ازواج کے بارے میں نہیں بلکہ خود میرے اور علی و فاطمہ و حسن و حسین کے بارے میں ہے پھر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ زبان مبارک سے "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ میں کہلوانا کیا ابن جریر کے غالی شیعہ ہونے کی واضح دلیل نہیں اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تاریخ میں ابو مخنف جیسے کذاب سبائی رافضی کی موضوعات کی بھرمار سے جیسا ذکر ہو چکا شیعی پروپگنڈے کی تشہیر کی ہے۔ یہاں یہ ذکر تو ان مفسرین و محدثین و مورخین کی شیعت کے سلسلہ میں آ گیا جن کی موضوعات سے اکثر سنی بھی متاثر ہوئے۔ مناقب و فضائل کی حدیثوں کے گھڑنے کی ابتدا، تو بقول ابن ابی الحدید شیعوں نے کی اور جیسا کہ مفتی محمد عبدہ و سید رشید رضا کی تفسیر القرآن کے حوالے سے عرض مؤلف (طبع سویم) میں عرض کیا گیا ہے آیت مباہلہ کے سلسلہ کی جملہ روایتیں شیعوں کی ساختہ ہیں۔ مگر خاصے پڑھے لکھے۔ اہلسنت بھی ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ ایک دیوبندی "حکیم الاسلام" نے جو مجموعہ خرافات اس کتاب کی تردید میں شائع کرایا ہے جس کی شیعہ حلقوں میں خاص طور سے اشاعت بھی کی گئی ہے اس میں انہی وضعی روایات کی آڑ لے کر نجرانی عیسائی کو حضرات حسنین رضی کی صحابیت کے ثبوت میں بطور شاہد یہ کہکر پیش کیا ہے کہ اس نے "حسن و حسین رضی کے مبارک

چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کرلیا اور کفار بھی آثار مقبولیت و محبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرف صحبت کے آثار تھے"۔ چنانچہ اس عیسائی کے منہ میں گھس کر "حکیم الاسلام" نے یہ الفاظ کہلوائے ہیں کہ "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا"۔ قصہ گوئی اور بات ہے اور واقعات تاریخی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکنا دوسری چیز ہے۔ پہاڑوں کا ٹلا دینا تو درکنار حضرت حسینؓ کی شرطوں کے باوجود گورنر صوبہ عبید اللہ کا حکم بھی نہ ٹالا جا سکا تھا۔ مگر آنحضور کے صرف یہی دو نواسے تو نہ تھے اور بھی تھے۔ خصوصاً حضرت علی بن ابی العاصؓ سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل تھی کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے اور سن تمیز میں آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینبؓ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں ان ہی کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ھی افضل بناتی یعنی میری بیٹیوں میں یہ سب سے افضل و برتر ہیں۔ انہی کے یہ فرزند اور آپ کے سب سے بڑے نواسہ حضرت علی بن ابی العاصؓ تھے جو آپ کی وفات کے وقت ایعان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے یعنی پندرہ سولہ سال کے نوجوان تھے۔ اور آنحضورؐ کو ان سے ایسی محبت والفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسہ جو بنی امیہ کی دوسری شاخ سے تھے آپ کے ردیف تھے۔ یعنی آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے[لہ] (الاصابہ والاستیعاب، وکتاب نسب قریش) دوسرے دونوں نواسے حسن و حسینؓ تو اتنے چھوٹے بچے تھے کہ صغر سنی کی وجہ سے کسی سفر میں آپ کے ردیف ہونے کا شرف انہیں کبھی حاصل نہ ہوا حالانکہ حضرت فاطمہؓ اور ان کے بچے، ازواج مطہرات اور ہاشمی خاندان کے دیگر افراد حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ کے سفر میں آپ کے قافلہ کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت علی بن ابی العاصؓ کی حقیقی بہن سیدہ امامہؓ بنت زینبؓ بنت النبی صلعم آنحضور کی سب سے بڑی نواسی تھیں جن سے آپ کی محبت و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاریؒ نے خاص باب باندھا ہے یعنی باب اذا حمل

لہ سنہ ۸ھ میں انکے وفات پانے کی روایت صحیح نہیں۔

جاریۃً صغیرۃً علٰی عنقہٖ فی الصلوٰۃ (یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن پر چڑھا لینے کے بارے میں) اور ایک بدری صحابی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے امامہ کو دوش مبارک پر بٹھا لیتے سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔ (عن ابی قتادۃ الانصاری ان رسول اللہ صلعم کان یصلی وھو حامل اُمامۃ بنت زینب بنت رسول اللہ ولابی العاص ابن الربیع فاذا سجد وضعھا واذا قام حملھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۴)

آپ نے اپنے ان بڑے داماد حضرت ابی العاصؓ کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا جو وعدہ کیا وفا کیا یہ ارشاد آپ کا اس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابوجہل کی بیٹی کو پیام دیا تھا۔ آپ کے یہ بڑے داماد ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے تھے اور قریش کے بڑے تاجر، قبل فتح مکہ اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا ۱۳ھ میں فوت ہو گئے۔ مناقب وفضائل کی اکثر وبیشتر روایتوں اور حدیثوں میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینبؓ و رقیہؓ وام کلثومؓ کا نہ کچھ ذکر آتا ہے نہ جمعہ وعیدین کے خطبوں میں ان کے نام لئے جاتے ہیں کیا محض اس بنا پر کہ وہ بنی اُمیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کے نام تو لئے جاتے ہیں۔ مگر ان ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کر دیئے جاتے ہیں، آخر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ مناقب وفضائل کا معیار بیشتر نسبی تعلق وقرابت کو ان وضعی روایتوں میں بتایا گیا ہے مگر کیا یہ معیار صحیح ہے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ راس الحسینؓ کے ایک حاشیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے:۔

وھل یلزم من فضل رسول اللہ صلعم وحمزۃ وعلی وعبیدۃ ان	اور کیا رسول اللہ صلعم اور حمزہؓ و علیؓ و عبیدہؓ کے فضائل سے سالے بنی ہاشم اور ان کے

يكون كل بني هاشم وابناءهم فاضلين وهل الصلاح والفضل يورث، كما يورث المال والملك فاين ما ذكر الله سبحانه عن ابراهيم في قوله (۲ : ۱۲۴) قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ط قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ۝ وقوله (۳۷ : ۱۱۳) وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى إِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِينٌ ۝ ع وما قص من نباء ابن نوح عليه السلام وقوله سبحانه بشرح حين تحركت فيه عاطفه الابوة على ابنه (۱۱ : ۴۶)[1] فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ ۝ ولقد كان ابولهب من بني هاشم، وابوطالب مات على دينه...

بیٹوں پوتوں کا بھی صاحب فضائل ہونا لازم سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا فضیلت اور نیکوکاری بھی ایسی چیزیں ہیں جو وراثت میں وارثوں کو مال و ملک کی طرح ملا کریں؟ تو پھر وہ کہاں جائے گا جو ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ذکر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اپنے کلام پاک میں کہ " میں تمہیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں، ابراہیمؑ نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ان میں سے جو لوگ ظالم ہوں گے ان کے ساتھ میرا وعدہ پورا نہ ہوگا (۲ — ۱۲۴) اور انہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا: "اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسحٰقؑ کو برکتیں دیں اور ان کی اولاد میں کچھ نیک کردار ہوئے اور کچھ اپنی جانوں پر آپ کھلم کھلا ظلم کرنے والے ہوئے (۳۷ — ۱۱۳) اور پھر پسر نوحؑ کو خبر دی گئی جس وقت نوحؑ کے دل میں شفقت پدری کا جوش ہوا تھا اور اپنے بیٹے پر ترس کھانے لگے تھے تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

[1] سورۂ ھود کی ۴۵، ۴۶ آیتوں کا یہ آخری ٹکڑا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ نوحؑ نے اپنے رب کو کہا کہ اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے نوح إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ نہیں ہے تیرے گھر والوں میں اس کے کام خراب ہیں۔

ابيه عبد المطلب المشرك ....
ان الشرف والفضل لا يورث و
انما يكون بالعلم والايمان
والاستقامة والعمل ولقد وقع بنو
هاشم في غرور كبير بهذا المزعم الذي
زعموه لانفسهم، او زعمه لهم
الناس: ان مجرد النسب يشفع
لهم ويغني عنهم فجرّ ذلك كثيراً
منهم على الاعراض عن العلم
والعمل بل وجرّأهم على
الترف الذي يكرهه الله
ورسوله حتى كان فيمن
خرج مع الحسين من بني
هاشم اطفال مقرطون
باللؤلؤ كما ذكر لك
ابن كثير رح ص ۱۰۶[له] وجرّاهم على
الادلال على الناس والتعاظم
والتكبر بذلك. فكان من آثار
هذا في النفس بني هاشم وفي
الناس شر كثير وضلال مبين

جس بات کا تجھکو علم نہیں اس کے متعلق مجھ
سے کچھ سوال نہ کر میں تجھ کو جاہلوں میں شامل
ہونے سے باز رہنے کی نصیحت کر رہا ہوں"
(۱۱-۳۶) اور پھر ابو لہب بھی تو بنی ہاشم
ہی سے تھا اور ابو طالب بھی اپنے مشرک باپ
عبد المطلب کے دین پر مرے ...
شرافت وفضیلت اور صلاح وتقویٰ ورثہ
کی چیزیں نہیں ہیں یہ چیزیں یا ہر شخص کو
اس کے علم و ایمان وعمل و استقامت
کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم اپنے
زعم باطل کی وجہ سے بڑے غرور نفس میں
پڑ گئے جو زعم غلط انہوں نے اپنی ذات کے
لئے اپنے دماغ میں پیدا کر لیا یا لوگوں نے
ان کے متعلق اپنے دماغوں میں پیدا کر لیا
ہے کہ صرف نسبی تعلق (جو ان کو رسول اللہ
صلعم سے ہے) ان کی شفاعت کے لئے
کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب
باتوں سے مستغنی کر دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ بہتیرے بنی ہاشم کو علم وعمل کی طرف
سے بے پروائی سی ہو گی اور وہ جری اور

له علامہ ابن کثیرؒ نے سبائی راویوں کی جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کر دی ہیں ان
ہی میں یہ روایت بھی ہے۔ چنانچہ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی لکھا ہے کہ علی اکبر کے بعد
ایک طفل خیمہ سے باہر آیا۔ خوف اور ڈر سے سارا بدن کانپ رہا تھا" دو گوشوارہ
[illegible]

وهذا رسول الله صلعم يقول
لهم ولابنته أم الحسين . يا
عباس يا عم محمد ! يا صفيه
عمة محمد ! يا فاطمة بنت
محمد ! اعملوا فلن اغني عنكم
من الله شيئاً فجزى الله
رسوله خير الجزاء عن هذه
النصيحة لامته ولاسرته +
وغالب الظن : ان هذا الادلال بالنسب والاغترار بالسيادة
والشرف الذى زعموه موروثا :
هو كان السبب الاكبر في نكبة
الحسين رض وفي فتنة المسلمين
هذه الفتنة الكبرى بمقتل الحسين
وكان امر الله قدراً مقدوراً .
ورضى الله عن الحسن في صافية
حكمته ورشده في سد باب
الشر على المسلمين يدل على انه
لم يكن من المغرورين بالنسب
وانما كان من المستمسكين اشد
الاستمساك برسالة جده صلى الله
عليه وسلم .
(حاشیہ "داعی الحسین" سطرہ ص۲۲)

دلیر ہو گئے . علم و عمل کی طرف سے بے پروائی
پر یہاں تک کہ وہ عیش و عشرت پر اُتر آئے
جس کو اللہ تعالے اور اس کے رسول نے مکروہ
قرار دیا ہے اس حد تک کہ حضرت حسین رض کے
ساتھ ایسے بچے نکلے تھے جو کانوں میں موتیوں
کے آویزے ڈالے ہوئے تھے جیسا کہ ابن
کثیر نے لکھا ہے ۔ (دیکھو ج ۸ صـ۱۹۶) اس پر
دلیر کر دیا تھا ان کو اس خیال نے کہ وہ عام
لوگوں سے اپنے کو بڑا اور صاحب عظمت سمجھتے تھے
اسی نسبی تعلق کی بدولت اور ان کے تکبر
اور غرور کے باعث بنی ہاشم اور عام لوگوں
کے درمیان دلوں میں سخت قسم کا کھوٹ
پیدا ہو گیا تھا ۔ اور دونوں ۔ فریق کے
کچھ افسرا د گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے
مگر دیکھو رسول اللہ صلعم بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی
حسین رض کی ماں سے فرماتے تھے اے عباس محمد
کے چچا ! اور اے صفیہ محمد کی پھوپھی ! اور اے
فاطمہ محمد کی بیٹی ! عمل کرو عمل ! اللہ تعالے
کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا اللہ
تعالے اپنے رسول کو اس نصیحت کی بہتر سے
بہتر جزا عطا فرمائے جو انہوں نے اپنی امت
اور اپنے خاندان دونوں کو عطا فرمائی ۔
اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ

اور اپنی سیادت و شرافت کا غرور بھی تھا جس کو ان لوگوں نے موروثی قرار دے لیا تھا یہی سب سے بڑا سبب تھا۔ حضرت حسینؓ کے مصیبت میں پڑنے کا رضی اللہ عنہ۔ امد عام مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی ایمانی آزمائش مقصود ہے حضرت حسین کے قتل کئے جانے میں اور یہی تقدیر الٰہی تھی جو ہو کر رہی۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسنؓ سے راضی رہے کہ ان کی دور اندیشی اور حکیمانہ سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کے سامنے ساری خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نسبی فخر کے فریب میں مبتلا نہ تھے اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و ہدایت کی ڈوری کو بہت مضبوط طور سے پکڑے ہوئے تھے۔

خروج و بغاوت :۔ عربی زبان کے یہ دونوں لفظ سرکشی و مقابلہ پر آجانے کے معنی میں عام طور سے مستعمل ہیں خواہ یہ سرکشی حق کے مقابلہ میں ہو یا باطل کے، بلند ترین جذبہ حب وطنی و خدمت ملی کے تحت ہو یا پست ترین مطلب برآری کی غرض سے کا بج الوقت آئینی نظام کی اصلاح یا شکست آئین کے مقصد سے ہو یا اپنی حکومت قائم کرنے لئے ایسے تمام اقدامات کو خروج ہی کہا گیا ہے۔

حضرت حسینؓ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے خروج ہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود انہی کے عزیزوں مخلص دوستوں اور صحابہ کرام نے جن کے بعض اقوال اسی کتاب میں دوسری

ملکہ نقل ہیں ان کے اقدام کو خروج ہی کہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ مورخ ونساب نے جناب عمر بن علیؓ کے حالات میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے ان بھائی سے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا قد دعاہ الی الخروج فلم یخرج (عمدة الطالب ص۹۹) یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش ان کو عرصہ سے تھی موقع مناسب کے منتظر تھے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے مگر ان کے دباؤ سے حضرت معاویہؓ سے بالآخر بیعت کرلی تھی۔ عراق کے مفسدین ان کے ان خیالات سے بخوبی واقف تھے اور وقتاً فوقتاً ورغلاتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ایک مرتبہ جب اس کی اطلاع ملی انہوں نے حضرت حسینؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:۔

"تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں ہیں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لئے جدوجہد کی خواہش ترک چکے ہو اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو۔ . . .

حسین! خدا سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو اور انہیں خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔ (بلاذری)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد کوفی مفسدین کو تحریص وترغیب کا پھر موقع مل گیا۔ اس مضمون کی تحریرات بھیجنے لگے کہ اگر اس امر (خلافت) کے طلب کرنے آپ کو خواہش ہے تو ہمارے پاس پہنچ جایئے ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے لئے وقف کر رکھا ہے حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو جب تک یہ معاویہ زندہ ہیں اگر ان کا وقت آگیا تو دیکھا جائیگا تم بھی سوچنا اور ہم بھی سوچیں گے (اخبار الطوال ملخصاً) چنانچہ یہ وقت جب آگیا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے گورنر مدینہ کو جکمہ دے کر اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یہ اور

ابن الزبیرؓ کہ دونوں بعد میں طالب خلافت ہوئے مدینہ سے مکہ چلے آئے وہ تو خانہ کعبہ میں جا بیٹھے اور حضرت حسینؓ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس مقیم ہوئے جو اس وقت ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان حالات میں امیر المومنین یزیدؒ نے جن پر بحیثیت حکمران خلیفہ کے انقلابی اور تخریبی تحریک کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوری ذمہ داری عائد تھی اوّل تو اپنے طبعی حلم و کرم سے افہام تفہیم کی کوشش کی حضرت ابن عباسؓ کو مراسلہ بھیجا جو پہلے بھی نقل ہوا ہے اور ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف نے بھی درج کیا ہے اس میں امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے پاس عراق کے لوگوں کے زیادہ آنے جانے اور خروج پر آمادہ کرنے کا ذکر کرتے ہو لکھا تھا کہ آپ چونکہ ان کے خاندان کے بزرگ اور سردار ہیں انہیں سمجھایئے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرنے سے باز رکھیے۔ حضرت ابن عباسؓ نیز حضرت ابن عمرؓ دوسرے صحابہ اور خود ان کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جس جس طرح انہیں سمجھایا۔ خروج سے روکنے کی کوششیں کیں ان کا ذکر آچکا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ صحابی رسول اللہ نے ان سے فرمایا تھا اتق اللہ فی نفسك والزم بیتك ولا تخرج علی امامك (البدایہ) یعنی اپنے دل میں خدا سے ڈرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو۔ امام سے مراد ان صحابی رسول اللہ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے تھی جن کی بیعت خلافت کئی مہینے پہلے ہو چکی تھی اور یہی صحابی اس حدیث کے بھی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو اس دوسرے کو (یعنی جس کی بعد میں بیعت لی جائے) قتل کر دو۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد رجب سنہ ۶۰ھ میں امیر یزیدؒ جو چند سال قبل سے ولیعہد تھے۔ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے اس کے پانچ مہینے کے بعد حضرت حسینؓ نے مکہ معظمہ سے اس حالت میں خروج کیا تھا سوائے اپنے چند نوجوان عزیزوں کے صحابہ و تابعین میں سے فرد واحد بھی نہ ان کے ساتھ ہوا اور نہ ان کے موقف کی کسی نے موافقت کی اسی سے واضح ہے کہ صحابہ کرام نے خروج سے منع کرنے اور روکنے کی غرض سے احکام

شریعت کی متابعت میں کیا کچھ نصیحتیں ان کو نہ کی ہونگی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رسالہ "راس الحسین" کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت میں حضرت حسینؓ کی اپنے مخلصین کے نصائح سے بے اعتنائی برتنے اور اس کے افسوسناک نتائج کا حقیقت پسندانہ بیان ہے جو قابل توجہ ہے:۔

ولقد كان للحسين عن كل ذلك مندوحة اذا هو قبل نصح ابن عباس وابن عمر واخيه محمد بن الحنفية وغيرهم ممن نصحه الالباء المخلصين بعدم الخروج من مكة وقد قال جده صلى الله عليه وسلم: "اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الثاني منهما" وهو يعلم انه قد سبق من اهل العراق الغدر بابيه، وعرف منهم ذلك اخوه الحسن، فاعتزلهم، اراح المسلمين من هذه الفتن وحقن دماءهم، ولكن الحسين غلبه الشباب والادلال بالنسب والخديعة بالشيعة وعدم التمرس في سياسة الحياة العملية التجربية والاغرار الذين كانوا معه من اخوة مسلم بن عقيل الذين اعماهم بعصبية الجاهلية

اور حسینؓ کو ان تمام باتوں سے بے پرواہی و بے اعتنائی سی تھی کہ وہ ابن عباسؓ وابن عمرؓ اور اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کی نصیحتوں کو قبول کرتے جوان دانشمند مخلصین نے ان کو کی تھیں کہ مکہ سے خروج نہ کریں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ "جب دو خلیفوں کے لئے بعیت ہو تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو۔" اور وہ جانتے تھے کہ اہل عراق سے ان کے والد کے ساتھ غدر و بے وفائی ہو چکی ہے اور ان کے بھائی حسن بھی اس بات کو جانتے تھے اسی لئے انہوں نے عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچا لیا اور باہمی خونریزی نہ ہونے دی لیکن حسینؓ پر جوانی اور نسبی غرہ اور شیعوں کا فریب غالب آگیا تھا اور پھر عملی زندگی کی سیاست سے ناواقفیت اور ناتجربہ کاری بھی تھی۔ ان سب پر بالا یہ بات تھی کہ ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے ان کو مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے

والحرص على الاخذ بثار مسلم بن عقيل كل ذلك غلب الحسين على الرشد والحكمة فخرج بنفسه وبمن معه من شباب بني هاشم في الاخطار التي اهلكتهم ولم يكن شئ من كل ذلك يرضى الله ورسوله صلعم وكان امر الله قدراً مقدوراً۔ وما كان يسع يزيد ولا عبيد الله بن زياد۔ والفتن تموج بالجزيرة، قلب العالم الاسلامي ودماء صفين لاتزال تلمع بالفتنة ماكان يسعهم الاماكان ولو ان الحسين اوغيره من بني هاشم كان مكانهم ما وسعه الا ما وسعهم ولقد كان من بني العباس مثل ماكان من يزيد وعبيد الله بن زياد واشد ولم ير الناس صنيعهم بالعين التي رأوبها صنيع يزيد وعبيد الله بن زياد، لهوى غلب اوالتقاء لسخط العامة ورغبة في رضاهم اولعاطفة تحكمت بغير بصيرة ولاعدل

کے خیال نے حمیت جاہلیہ کے جذبات ابھار کر اندھا کر دیا تھا۔ یہ ساری باتیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مصلحت اندیشی و ہدایت کوشی پر غالب آگئیں آخر انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی بنی ہاشم کے کچھ نوجوانوں کو خطرناک حالات میں ڈال دیا جس نے ان سب کو ہلاکت تک پہنچا دیا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو رضائے الہٰی و خوشنودی رسول کا باعث سمجھی جا سکے لیکن تقدیر الہٰی یوں ہی تھی جو ہو کر رہی۔ اور یہ بات یزید اور عبید اللہ بن زیاد کی وسعت سے باہر تھی کیونکہ فتنہ و فساد کے طوفان جزیرے (عراق) میں، عالم اسلامی کے قلب میں موجیں مار رہے تھے، صفین کی خونریزیاں فتنوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں جو کچھ ہوا اس کے سوا ان کی وسعت میں اور کچھ نہ تھا اور اگر حسین رضی اللہ عنہ یا کوئی بھی بنی ہاشم میں سے ان لوگوں کی جگہ ہوتا اس سے بھی وہی ہوتا جو ان سے ہو سکا۔ چنانچہ بنی عباس سے وہی کچھ ہوا جیسا کہ یزید اور عبید اللہ بن زیاد سے ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مگر لوگ بنی عباس کی کارروائیوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے یزید اور عبید اللہ کے کاموں کو دیکھتے ہیں

فكان من ذلك التجافي عن النصفة والميل عن وزن الامور بالقسطاس المستقيم، ولو قام الناس بالقسط كما امر الله لخمدت نيران تلك الفتن العمياء التي طالما حذر منها الرسول صلعم والتي يصطلي المسلمون الى اليوم بنارها ولا ينشجعون ان يطفوها ولا حول ولا قوة الا بالله۔

(حاشیہ رسالہ راس الحسین طبع ۱۳۶۸ھ)

محض غلبہ ہوائے نفس کے سبب سے یا عوام کی ناراضی کے ڈر سے اور عوام کو خوش کرنے کے لئے یکطرفہ غلو اور میلان طبع کی وجہ سے جو انھوں نے بغیر بصیرت اور عدل و انصاف کے پیدا کر لیا ہے درحقیقت یہ انصاف و دیانت سے روگردانی اور واقعات و امور کو صحیح ترازو پر تولنے کے خلاف ہے اور اگر لوگ واقعی حکم الٰہی کے مطابق انصاف کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان اندھے فتنوں کی آگ ضرور بجھ جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جن فتنوں کی آگ آج تک مسلمانوں کو جھلس رہی ہے مگر لوگ اس کے بجھانے پر کمر بستہ نہیں ہوتے۔ حق کو قایم رکھنے اور باطل کو اکھیڑ پھینکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مورخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے بعض اقوال درج کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ حسبی و نسبی علوئے مرتبت کی بنا پر خلافت کا دوسروں کے مقابلہ میں وہ اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ مندرجہ بالا عبارت میں الادلال بالنسب (نسب پر فخر) سے اسی جانب اشارہ ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی ان کے واقعہ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ حسینؓ نے اپنے بزرگوں کے نام لے کر میرے ماں باپ اور میرے جد پر جو فوقیت جتائی تھی سو حال اس کا یہ ہے کہ ان کے اور میرے والد کے تنازعہ کا فیصلہ تو اللہ تعالےٰ ہی کی جانب سے ہو گیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ یہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا تھا۔

والدہ ماجدہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی تھیں ان سے میری ماں کو نسبت ہی کیا پھر جد مادری تو ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور میری جان کی قسم جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جانتا ہے کہ سب انسانوں سے بے عدیل و بے نظیر ہیں رہا ان کا یہ قول کہ انا خیر منہ واحق بھذا الامر (یعنی میں یزید سے بہتر ہوں اور اس امر خلافت کا زیادہ حقدار ہوں) تو یہ اللہ کی دین ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ تؤتی الملک من تشاء (المختصر)

ابتدائی اوراق میں احادیث نبوی اور احکام شرعی کی رو سے بیان ہو چکا ہے کہ منصب خلافت کے لئے جس فرد ملت کی اوّل بیعت ہو جائے خواہ نسبًا کمتر ہی کیوں نہ ہو اسکے مقابلہ میں خروج کا اور دعوے خلافت کا کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا خواہ نسبًا وحسبًا وہ کیسا ہی افضل کیوں نہ ہو، امیر و خلیفہ کی اطاعت اچھا ہو یا بُرا ہر حالت میں سوائے معصیت کے لازم ہے خود حضرت حسینؓ ہی کے والد ماجد نے خارجیوں کے اس قول پر کہ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں فرمایا تھا:۔

وَانّہٗ لابدّ من امیرٍ برٍّ او فاجرٍ (الی آخرہ) یعنی لوگوں کے لئے امیر (خلیفہ) ضروری ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر کہ مومن اس کے عہد خلافت میں اپنا کام کر سکے اور کافر بھی دنیاوی فائدہ حاصل کر سکے اور اللہ اپنی مقررہ مدّت کو پوری کر دے (الیٰ آخرہٖ) (نہج البلاغہ ج ص۱۰۰)

خلیفہ کے انتخاب میں نسل و خاندان اور حسب و نسب کی کوئی قید نہیں، نہ شریعت نے کسی کو یہ حق دیا ہے کہ نسبی تفوق کی بناء پر دعویدار ہو بلکہ خلافت کے لئے خود خواہشمند اور حریص ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے امام بخاری نے کتاب الاحکام کے باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اس شخص کو کوئی عہدہ نہ دوں گا جو خود اس کا طالب ہو یا اس کی حرص کرے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کو طلب و خواہش پر آپ نے عامل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ طلب خلافت کی اجازت ہوتی تو ہر طرف سے دعویدار کھڑے

ہوجاتے اور امت میں تفرقہ و انتشار پڑ جاتا۔ جیسا بعض حضرات کی سیاسی لغزشوں کی وجہ سے بالآخر یہی سب کچھ ہوا جس کے تلخ ترین نتائج اُمت کو بھگتنے پڑے۔ مثلاً حضرت حسینؓ کے خروج سے جو ملت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا۔ تقریباً نصف صدی بعد سے انکے اور انکے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے اخلاف نے قائم حکومتوں کے مقابلہ میں خروجوں کا تانتا باندھ دیا تھا اس کتاب کی دوسری جلد "تحقیق مزید" میں حسنی و حسینی نسب کے (۶۵) اشخاص کے خروجوں کے حالات و واقعات سلسلہ وار پیش کئے گئے ہیں جو اموی و عباسی خلفاء کے خلاف ہوتے رہے ان سب طالبان خلافت کے دعاوی کا دارومدار زیادہ تر نسبی تعلیوں اور تفاخر بالآباء ہی پر تھا۔ مگر حصول مقصد میں سب ہی ناکام و نامراد رہے یعنی سریر آرائے خلافت کوئی بھی نہ ہو سکا یہ شاید آنحضور کے اس ارشاد کی تعبیر ہی تھی کہ انا لا نولی من حرص علیہ یعنی جو اس منصب کی حرص رکھتا ہو اس کو مقرر نہیں کریں گے سبائی راویوں نے ہر حکمراں اور خلیفہ وقت کو جس نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور بغاوتوں کا استیصال کر کے امن و امان بحال کیا۔ غاصب و جابر و ظالم و فاسق و فاجر کہا اور طالبان خلافت اور باغیوں کی پاکیزگی و تقدیس میں جھوٹی حدیثیں اور جعلی روایتیں گھڑ ڈالیں حتیٰ کہ ۱۶۹ھ میں اولاد حسنؓ میں سے جن لوگوں نے طلب خلافت کے لئے خروج کیا تھا اور وادی فخ قرب مدینہ میں سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے گئے۔ یہ جعلی حدیث و روایت وضع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مقام فخ پر ہوا آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (گویا ان لوگوں کے مارے جانے سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے) پھر فرمایا کہ اس جگہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت کے قتل ہو گا ان کے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے (ص۴۳۶ مقاتل الطالبین) اس سے تقریباً نصف صدی پہلے حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی (زین العابدینؒ) نے امیر المومنین ہشام اموی جیسے نیک سیرت و حلیم و کریم دیانتدار خلیفہ کے خلاف کوئی

سبائیوں کے ورغلانے سے خروج کیا تھا اور مارے گئے تھے ان کو "زید الشہید" کا لقب دیا گیا۔ پھر اس سے تقریباً چوبیس برس بعد حضرت حسنؓ کے پوتے محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے ۱۴۵ھ میں امیرالمومنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ کے خلاف جو علم و عمل، تقوی و طہارت میں ممتاز بڑے فرزانہ و مدبر و منتظم حکمراں تھے مدینہ میں خروج کیا۔ یہ وہی امیرالمومنین ہیں جن کے ایما سے امام مالکؒ نے حدیث کی کتاب الموطاء تالیف کی تھی۔ ابن خلدون اس بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔

وقد کان ابوجعفر بمکان من علم والدین قبل الخلافة وبعدها وهو القائل لمالك حين اشار عليه بتاليف الموطا يا اباعبدالله انه لم يبق على وجه الارض اعلم مني ومنك واني قد شغلتني الخلافة فضع انت للناس كتابا ينتفعون به تجنب فيه رخص ابن عباس وشدائد ابن عمر و وطئه للناس توطئة قال مالك فوالله علمني التصنيف يومئذ۔ (مقدمہ تاریخ)

اور ابوجعفرؒ کا خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد بھی علم اور دین میں جو مرتبہ و مقام تھا وہ مخفی نہیں انہوں نے ہی امام مالکؒ کو کتاب الموطا کے تالیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبداللہ! دنیا کے پردے پر اب سوائے میرے اور تمہارے حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا ہے تو اس خلافت کے بکھیڑوں میں مشغول ہوں تم لوگوں کے لئے کتاب تالیف کرو جس سے وہ نفع حاصل کریں اس میں تم ابن عباسؓ کی سی نرمی اور ابن عمرؓ کی سی سختی سے اجتناب کرنا اور لوگوں کے لئے اس کو اچھی طرح روند ڈالو یعنی خوب تحقیق سے لکھو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ قسم بخدا اسی دن مجھے ابوجعفرؒ نے تصنیف کا فن سکھا دیا۔

انہی امیرالمومنین نے ابن اسحٰق سے سیرۃ نبوی تالیف کرائی تھی اور امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تدوین اشاعت علوم کے لئے ادارہ دارالترجمہ قائم کیا، حدد رجہ سادہ

زندگی بسر کرتے بیت المال میں سے ایک حبہ بھی اپنے ذات پر صرف نہ کرتے ولا متمتع بالاتفاق فیہ من اموال المسلمین (مقدمہ ابن خلدون) ایسے عالم وفاضل متقی وپرہیزگار خلیفہ کے خلاف جن کی خلافت اس عہد کی مثالی خلافت تھی محض نسبی تعلیوں کی بنا پر محمد الارقط نے اپنا حق جتایا اور خروج کیا اور عوام کو دام فریب میں پھانسنے اور جمعیت اکھٹی کرنے کے لئے اپنے کو "مہدی" کہا، محمد الارقط کے بجائے "محمد المہدی" کہلانے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے جانے کے بعد ان کی تقدیس میں بھی جھوٹی حدیثیں وضع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ میری اولاد میں سے ایک "نفس زکیہ" اس مقام احجار الزیت پر قتل ہوگا۔ (عمدۃ الطالب ص۳۰) غالی راویوں کے وضع کردہ اس لقب کی تشہیر اس شدت سے کی گئی کہ غیر شیعہ اور اچھے پڑھے لکھے لوگ نام کے بجائے "نفس زکیہ" ہی کہنے اور لکھنے لگے۔ محمد الارقط کے اس خروج کے جواز میں جو کھلی بغاوت تھی اور ایسے امیر وخلیفہ کے مقابلہ میں کی گئی تھی جن کی خلافت قائم ہوئے بھی بارہ برس ہو چکے تھے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ پر یہ بہتان باندھے گئے کہ محمد الارقط کے خروج کی موافقت میں انہوں نے فتوے دیئے تھے اور ابو جعفر المنصورؒ کو غاصب جانتے تھے حالانکہ یہ دونو ائمہ مذہب امیر المومنین کی سرپرستی میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے خود امام ابو حنیفہؒ ہی کی زبانی سنیئے۔ کہ وہ اس خلیفہ کو "امیر المومنین" ہی کہتے ہیں جس کے خلاف فتویٰ دینے کا بہتان ان پر باندھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین ابو جعفرؒ کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابو حنیفہؒ تم نے علم کن (بزرگوں) سے حاصل کیا۔ (قال ابو حنیفۃ دخلتُ علی ابی جعفر امیر المومنین فقال لی یا ابا حنیفۃ عمن اخذت العلم۔ ص۳۶۴ تاریخ الخمیس) ان کذب بیانیوں پر تفصیلی محاکمہ میری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں تو حضرت حسینؓ کے خروج کے سلسلہ میں یہ چند مثالیں اس غرض سے پیش کی گئیں کہ جب حضرات حسنینؓ کے پوتوں پڑپوتوں کی بغاوتوں کو مذہبی رنگ دیا گیا، باغیوں کے فضائل وتقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں اور جب

خلفاء اور ان کے عمال نے طالبان خلافت کا مقابلہ کیا انہیں طرح طرح مطعون کیا گیا غاصب وجابر و فاجر کہا گیا تو اس خلیفہ وحکمران کی درگت بنانے میں غالی سبائی راوی کونسی کسر اٹھا رکھتے جس نے خود حضرت حسین رض کے خروج کو ناکام بنانے اور ذمہ دار حکمراں کی حیثیت سے صوبہ عراق سے جہاں فتنوں کے طوفان موجیں مار رہے تھے شر و فساد دفع کرنے کے لئے عمال حکومت کو احکام جاری کئے تھے مگر جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح اپنے ایک رسالہ الوصیۃ الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ رض نے نہ حسین رض کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا نہ اس پر اظہار مسرت کیا تھا:

وھو لم یامر بقتل الحسین ولا اظھر الفرح بقتلہ ولا نکت بالقضیب علی ثنایاہ ولا حمل راس الحسین الی الشام لکن امر بمنع الحسین و بدفعہ عن الامر ولو کان بقتالہ (رسالہ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ رح)	اس نے نہ حسین کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ اُن کے قتل پر خوشی ظاہر کی اور نہ اُن کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین کا سر ہی ملک شام بھیجا گیا۔ لیکن حسین کو روکنے اور ان کے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اسمیں ان سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔

رہائی بھڑائی کی جو صورت پیش آئی اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب حضرت حسین رض کوفیوں کی نصرت و حمایت سے مایوس ہو کے طلب خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور واپسی کے لئے یا بصورت دیگر کسی سرحدی مقام پر یا خلیفہ یزید رح کے پاس چلے جانے کے لئے آمادہ تھے تو گورنر عبید اللہ نے آخر یہ مطالبہ کیوں کیا کہ پہلے بیعت کرلیں۔ بیعت کا یہ مطالبہ آیا جبر و ظلم کی بنا پر تھا یا آئین و قانون و ضابطہ کے تحت پھر کیوں حضرت حسین رض نے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جیسا کہا جاتا ہے انکار کیا حالانکہ ابن زیاد سے بیعت خلیفہ ہی کی بیعت تھی۔ کیونکہ وہی خلیفہ وقت کا نائب قائم مقام تھا، وہی حاکم مجاز تھا اور اسی کو خلیفہ نے فتنہ کو مٹانے، امن و امان بحال کرنے اور امت کی اس مصلحت کو قائم رکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا جس کی جانب حسین رض کے دانشمند ناصحین نے اشارہ کیا تھا کہ قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کوئی شخصیت قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ اور نہ کوئی

شخص بادعائے عالی نسبی قانون سے بالا ہو سکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے جب مخزومی قبیلہ کی خاتون کے بارے میں عرض کیا تھا کہ چوری کے جرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی قومیں اس لئے بھی تباہ ہوئیں کہ ان کے بڑے لوگ کوئی جرم کرتے چھوڑ دیئے جاتے وہی جرم چھوٹے کرتے تو سزا پاتے۔ میری بیٹی فاطمہ چوری کرے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلہ میں مثالاً فرض کیجئے ہمارے زمانہ میں کوئی پیرزادے اپنے خاندانی مریدوں کے بل بوتے پر مملکت کے کسی علاقہ میں بغاوت کا اقدام کر بیٹھیں اور ناکام رہ کر عذرات پیش کرنے اور اپنی پیرزادگی کا واسطہ دینے لگیں تو اس علاقہ کا کمشنر یا چیف کمشنر جو علاقائی نظم و نسق کا ذمہ دار ہے آیا ان کو گرفتار کر کے جیل میں بھیجے گا یا پیرزادگی کا لحاظ کر کے رہا کر دے گا!

پیش آمدہ حالات کے اعتبار سے گورنر عبید اللہ کا یہ مطالبہ کہ حسینؓ اول بیعت کر لیں جائز اور ہمدردانہ مطالبہ تھا اور سیاسی و وقتی مصالح کے لحاظ سے بھی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے ایسا واضح اور بین ثبوت ان کی دستبرداری کا ہو جاتا کہ پھر ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان ہی نہ رہتا اور دوسری طرف افسران حکومت کے دلوں میں جو خدشہ تھا کہ مدینہ یا دمشق کے سفر پر اگر ہم انہیں جانے دیں مبادا پھر کوئی اقدام از خود یا کوفی ساتھیوں کے اثر سے کر بیٹھیں۔ بیعت کر لینے سے اس خدشہ کا بھی ازالہ ہو جاتا بہر حال طلب خلافت سے دستبرداری خواہ غلطی محسوس کر لینے کے بعد کی ہو یا اس مجبوری سے کہ نصرت و حمایت کا وعدہ کرنے والے ہی منحرف ہو گئے تھے لازمی نتیجہ ان کی دستبرداری کا بیعت خلیفہ و التزام جماعت مسلمین ہی ہو سکتا تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ برابر اپنے موقف پر قائم رہے اور بیعت سے منکر وہ نہیں سمجھتے کیا کہہ رہے ہیں حضرت حسینؓ کو کس پوزیشن میں رکھ رہے ہیں۔ لزوم جماعت و اطاعت خلیفہ کے بارے میں متعدد احادیث میں سخت تاکید ہے۔ پچھلے اوراق میں ہم حضرت حسینؓ کے ترک طلب خلافت کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں کہ وہ حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا . . . حضرت حسینؓ کی یہ سعادت گری

ہے اللہ تعالےٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا۔ اسلامی زندگی کا دوسرا نام ہے باہمی اتحاد و اخوت و ائتلاف اور حسب فرمان نبوی جو شخص اطاعت امام و خلیفہ سے الگ ہو گیا یعنی بیعت نہ کی اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی خواہ ارکان مذہبی کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔ مورخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے یہ الفاظ متعدد جگہ نقل کئے ہیں کہ "میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدینے کو موجود ہوں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ) مگر یہ موقع کیوں نہ آیا اس کی تفصیلات بیان ہو چکیں مسلم بن عقیل کے بھائیوں کی عصبیت جاہلیہ نے یہ نوبت نہ آنے دی ورنہ واقعات کا دھارا یکسر پلٹ جاتا۔ گورنر عبیداللہ اور دوسرے افسروں نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی غلط کارروائی نہیں کی تھی اسی وجہ سے ان سے نہ کوئی باز پرس ہوئی اور نہ ہونی چاہیئے تھی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ عراقی اور کوفی سب حکومت کے ساتھ تھے اور بیعت خلیفہ میں منسلک، معدودے چند سرپھرے جو بغاوت کے سرغنا تھے خائب و خاسر زاویہ خمول میں جا بیٹھے تھے۔ مملکت کے تمام صوبوں اور صوبوں کے تمام مقامات پر خلیفہ یزیدؒ کی بیعت مکمل و موکد ہو گئی تھی جس پر پورے چھ ماہ کی مدت بھی گذر چکی تھی۔ سیکڑوں صحابہ کرام جن میں بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان جیسی ہستیاں جو درجہ و منزلت میں جناب حسینؓ سے بہت اونچی تھیں اس نوجوان غازی و مجاہد کی بطیب خاطر بیعت کر چکی تھیں جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ۔

وکان من شبان المسلمین ولا کان کافراً ولا زندیقاً وتولی بعد ابیه علی کراهة من بعض المسلمین ورضا من بعضهم و کان فیه شجاعة وکرم ولم یکن مظهراً للفواحش کما یحکی عنه خصومه۔	اور وہ (یزیدؒ) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے نہ کافر تھے، نہ زندیق۔ اپنے والد کے بعد حاکم (خلیفہ) ہوئے جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور بعض نے پسند کیا۔ ان کی ذات میں بہادری کرم اور مہربانی کی صفات تھیں اور وہ فواحش اور برائیاں ان میں نہیں تھیں جو ان کے دشمن ان سے منسوب کرتے ہیں۔

(الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)

ناپسند کرنے والوں میں ایک گروہ تو ان کوفیوں ہی کا تھا جنہوں نے آخر میں حضرت حسینؓ سے انحراف کیا تھا باقی یہ دو بزرگوار تھے جو خود طالب خلافت تھے ۔ یعنی حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر ہستی مخالف نہ تھی ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ کا نام اس ضمن میں لینا غلط ہے کیونکہ وہ تو بیعت خلافت سے تین سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ابتدا ہی میں بیعت کر لی تھی ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے موقف کی یوں تصریح کی ہے :-

كان امتنع ان يبايع لعلى ومعاوية ثم بايع لمعاوية لما اصطلح مع الحسن بن على واجتمع عليه الناس وبايع لابنه يزيد بعد موت معاوية لاجتماع الناس عليه ۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۶)	ابن عمرؓ نے تو علیؓ و معاویہؓ دونوں سے بیعت کرنے سے (فتنے کے دوران) انکار کر دیا تھا پھر معاویہؓ سے اس وقت بیعت کر لی جب حسن بن علیؓ سے صلح ہو کر لوگوں کا ان پر اجماع ہو گیا تھا پھر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے فرزند یزیدؒ سے بیعت کی کہ ان پر بھی لوگوں کا اجماع ہو گیا تھا ۔

استخلاف کے علاوہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع امت کا ہونا ان کے متفق علیہ و برحق خلیفہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ۔

ایک شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ :-

" حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے ۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہو کر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہو سکتے ۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے میں شروط خلافت کی رو سے کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا ہے ۔"

(مصباح الظلم ص ۱۳۷)

یہی شیعہ مؤلف مزید فرماتے ہیں کہ :-

"خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ من جانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسینؑ ہیں جو آدونوں ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ بنے مگر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی۔ یزید شروطِ خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لئے اس کی خلافت منجانب الناس تھی۔ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے اس لیے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی"

(مصباح الظلم ص۲۲۳ مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور)

لیکن مؤلف موصوف نے یہ نہ بتایا کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ نے لوگوں کے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج کیوں کیا اور کیوں کامیاب نہ ہوئے۔ صحابہ کرام نے اور ان بزرگواروں نے جو اللہ کے کلام "والذین معہ" کے مصداق تھے یعنی بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان نے نیز تابعین عظام و جمہور امت خصوصاً ان کے قریبی عزیزوں نے "خلیفہ منجانب اللہ" کا ساتھ کیوں نہ دیا کیوں خروج سے منع کیا۔ ظاہر کہ یہ سب بزرگواران کو "خلیفہ منجانب اللہ" نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا خود مؤلف موصوف نے ہی لکھا ہے کہ :-

"اہل سنت کے عقائد کی رو سے جناب امام حسینؑ نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم۔ آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی اور اسی لئے آپ کی ہلاکت شہادت نہیں مانی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے خَرَجَ الحُسَینُ فَقُتِلَ عَجَّ سَیْفِ جَدِّہٖ۔ (مصباح الظلم ص۱۴۲)

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ :-

بیعت برائے یزید گردیدہ بود پس حسینؓ بروے باغی شد۔ زیرا کہ کسان بسیار	یزید کے لئے بیعت (خلافت) ہو گئی تھی لہٰذا حسینؓ نے ان پر بغاوت کی کیونکہ

اقدام بر بیعت وے نمودند و استخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند و با وجود استخلاف این چنیں بغاوت کہ حسین کرد شرط نہ باشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود (ص۴۴۴ ایضاً)

بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور ان کے والد نے ان کو ولیعہد بھی کیا تھا باوجود استخلاف کے ایسی بغاوت جو حسین نے کی جائز نہ تھی اور اس میں شک نہیں کہ انکے والد خلیفہ برحق تھے۔

اپنی کتاب مصباح الظلم کے آخری صفحات پر یہ شیعہ مؤلف صاف طور سے لکھتے ہیں کہ۔

"خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکر و خلافت حضرت عمر کو حق مانکر کوئی متنفس نہ امام حسینؓ کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے نہ امام حسینؓ کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھتا ہے . . . . سچ ہے اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ
کہ گشتہ شد حسین اندر سقیفہ

. . . الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسینؓ بلا گفتگو علت و معلول کی نسبت رکھتی ہیں اور دونوں ایسی شئے ہیں کہ ان میں سے ایک کا اراد تمند دوسرے کا منکر ہو ناممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیقت کا اعتراف رکھے . . . خلافت اگر ہے شہادت نہیں شہادت اگر ہے خلافت نہیں . . . . بنی ہاشم (یعنی حسین و اولاد حسنین۔م) ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے ظاہر اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے ان سب خروجوں کا منشا وہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جس کے کھوئے جانے کا باعث حضرت عمر ہوئے تھے" (ص۴۲۲ ایضاً)

واقعہ کربلا کو اجماع سقیفہ کا فطری نتیجہ قرار دینے سے مقصد وہی ہے جسے شیخ الاسلام

ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ :۔

ولم یکن احد اذ ذاك یتکلم فی یزید بن معاویۃ ولا کان الکلام فیہ من الدین ثم حدثت بعد ذلك اشیاء فصار قوم یظہرون لعنۃ یزید ابن معاویۃ وربما کان غرضہم بذلك التطرق الی لعنۃ غیرہ۔

(الوصیۃ الکبریٰ ص۳)

اور اس وقت (یعنی واقعہ کربلا سے پہلے) کوئی شخص بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی لفظ نہ زبان پر لاتا تھا اور نہ انکی دینی حالت کے متعلق کچھ کلام کرتا تھا مگر اسکے بعد بعض واقعات ظہور میں آئے کہ ایک گروہ یزید بن معاویہ پر لعنت کا اظہار کرنے لگا اگر اس سے مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ یزید کی آڑ لیکر دوسروں پر لعنت کی جائے۔

شیعہ مولف نے خلافت پر علیؓ و اولاد علیؓ کے حق و استحقاق کا جو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی کے حصول کی خاطر انہوں نے بار بار اپنا اور دوسروں کا خون بہایا تھا محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ۔ تقدیر الٰہی ہی میں یہ بات مقرر تھی کہ علی مرتضیٰ اور انکی اولاد تا دامان قیامت کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح بھی کوئی صورت انکی خلافت کی جیسی کہ ہونی چاہئے نہ بندھے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اپنے لئے دعوت دے اور آمادہ جدال و قتال ہو مخذول و مقتول ہو" (ازالۃ الخلفا) یہ سب تاریخی واقعات ہیں مگر شیعہ لٹریچر میں اس محرومی کی ابتدا حضرت علیؓ سے کرکے تمامتر ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ڈالی گئی ہے اور طرح طرح کے بہتان باندھے گئے ہیں مثلاً کہا گیا ہے کہ علیؓ سے زبردستی بیعت لینے کے لئے عمرؓ و خالدؓ ان کے گلے میں (معاذ اللہ) رسی باندھکر اس طرح گھسیٹ لائے کہ فاطمہؓ سر پر عبا ڈالے اور حسن و حسین ننگے سر ننگے پاؤں روتے پیٹتے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے (از حملہ حیدری)

بدست عمر یک سر ریسماں — دوم در کف خالد پہلواں

برآمد زد نبال شیر خدا — عبا بر سر افگندہ خیر النسا

حسین و حسن در خروش آمدہ — برہنہ سر و پا حیستر زدہ

یہ اور اسی قسم صدہا بہتان تراشے گئے جب بعد رسول اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی بدگوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو تو معاویہؓ و یزیدؒ اور دوسرے خلفائے

اسلام پر جنہوں نے مدعیان خلافت کے خروجوں کا مقابلہ کیا تھا سبائی ذہنیت جو گند بھی نہ اچھالے کم ہے۔ فتنوں کی آگ تو اسی ذہنیت کی بھڑکائی ہوئی تھی بقول ایک مؤلف :-

وما هي الا فتنة اليهود والرافضة اعداء الله واعداء دينه اتخذوا من مقتل الحسين طنبورا يترنمون عليه بما يوحي اليهم الشيطان لينزغنا بالعداء والفرقة والتي بين المسلمين اتقاذا۔

(حاشیہ راس الحسین ص۲۲)

اور یہ (قتل حسین) تو صرف یہودیوں اور رافضیوں کا فتنہ تھا جو اللہ اور اس کے دین کے دشمن تھے انہوں نے ہی قتل حسین کے متعلق طنبورے پر اشعار گائے جو شیطان نے ان کے خیال میں القا کئے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں دشمنی فرقہ بندی اور شر و فساد کی آگ کو زیادہ بھڑکا ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں صاف اشارہ سبائی و دیلمی مجوسی روافض کی جانب ہے ان ہی میں معز الدولہ دیلمی تھا جو ماتم حسین کا اصل بانی مبانی تھا یہ بدعت اس نے واقعہ کربلا کے تین سو برس بعد ۳۵۲ھ میں بعد سیاسی اشتہار بازی (stunt) کے ایجاد کی تھی حضرت حسینؓ نے نسبی خاندانی دعوی سے بیجا و بے محل خروج کرنے میں بقول مورخ الخضری (ص۲۳۵) عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا انکی اس غلطی کا صحیح صحیح اندازہ حقیقی علمبرداران دعوت محمدیہ، رسول اللہ صلعم کے صحابہ۔ آپکے رفقا کے طرز عمل سے ہوتا ہے جنہوں نے اس خروج کو اس درجہ ناجائز سمجھا کہ ان سیکڑوں بزرگواروں میں سے کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی احکام شریعت کی متابعت میں خلیفہ وقت کے ساتھ رہے اور قائم خلافت کے موید و طرفدار رہے فانهم اکثر الصحابة کانوا مع یزید ولم یروا الخروج علیه (ص۲۱۶ مقدمہ ابن خلدون) موجودہ دور تحقیق و ریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کیلئے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی اور حقیقت منکشف ہو چکی ہو کر طلب حکومت کے ان خروجوں نے جس کا سلسلہ حضرت حسینؓ کے خروج سے شروع ہو کر انکی اولاد میں تین صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا جنکی تفصیلات ہماری دوسری کتاب میں ملاحظہ ہوں۔ وہ کربلا کا خروج ہو یا وادی فخ کا نتائج و اثرات بد کے اعتبار سے یکساں تھے بقول کسے۔

ع:- ملت میں پھوٹ پڑتی ہے ہر کربلا کے بعد

مثنوی مشتمل بر تاریخ طبع کتاب

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحب علم و فضل و خبرت | محمود احمد، زعیم ملت
واقف ز سیر، خبر[1] از انساب | مفتوح بر او ز علم ہر باب
در حق گوئیش پیش و پس نیست | ترساں ز ملام ہیچ کس نیست
بنوشت کنوں ہمیں کتابے | برداشت ز روئے حق نقابے
کردہ رُخ اختلاف اسلاف | از گرد و غبار افترا صاف
غث را ز سمین جدا نمودہ | ہر عقدۂ بستہ را کشودہ
در صدق بیان رضائے حق دید | وز لومۃ لائماں نہ ترسید
اللہ اللہ! عجب کتابے است | ہر صفحہ تو گوئی آفتابے است
چوں مژدۂ طبع او شنیدم | گلہا ز ریاض شکر چیدم
پس دل سنۂ طباعتش خواست | وز خوض حریم فکر آراست

برخواند سروش غیب ناگہ
حالات مناقشات اُمہ

۱۳۷۸ھ

قطعات تاریخ فارسی

از قلم :- مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب تائب مقیم دہلی

مؤلف عالی ذات | فضیلت پناہ
۱۳۷۸ھ | ۱۳۷۸ھ

صاحب جاہ و اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی

۱۳۷۸ھ

ترا بقائے ابد باد دہ نکو نامی | عجب صحیفہ نوشتی برنگ یکتائی

---

[1] "خبر" یعنی باخبر

عصائے موسوی آمد قلم بدست تو — بیک کرشمہ ربودی طلسم ہفت صدی[1]
نہاں بپردہ ایام ہیچ راز نماند — چو فاش گشتہ ہمہ افک دزدِ تاریخی
صریر کلک تو در کشفِ مشکلاتِ قوم — چنانکہ فصل خطابست ولحن داؤدی
تراست حجتِ قاطع بدست تیغ قلم — چگونہ پیش رود دعوئے کذب دنی
نگارش تو عجب طرز دلستاں دارد — کہ آفریں بکند ہیچ حالیؔ و شبلیؔ
کمال دانش تو از فیوض حبر[2] آمد — گل شگفتہ از گلستانِ عباسی
زمانہ راکہ ز غفلت بخواب شدہ بود — کشید کلک تو در دیدہ کحل بیداری

بجُست تائب خستہ چو سال این تالیف
چہ خوب آمدہ۔ دور خلافت اموی

۱۳۷۸ھ

ایضاً

از قلم جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحب علم وفضل محمود — کو ہست آگہ ز بہر سیرت
بنوشت کتاب دبرد برآورد — خوش لمعۂ نور راز ابر ظلمت
صد شکر کہ طبع گشت وبرداشت — از چشم جہاں غشائے غفلت

شد بے سر[3] ار تیاب سالش
" احوال مناقشات امت "

۱۳۷۸ھ

مشکبار قطعہ تاریخ

برجلد تالیف " خلافت معاویہ ویزید "

۱۵ — ۲۰ بکری

---

[1] ضرورت شعری سے لکھا گیا ورنہ یہ طلسم تو بارہ سو برس سے زیادہ کا ہے۔
[2] یعنی حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جد اعلائی مؤلف۔
[3] بعد تخرجہ یک عدد ۱۳۷۸ھ برمی آید۔

از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی صاحب

۵۹   ۱۹ھ

محسن حقیقی مہر تقوی جے پوری

۸۷   ۱۳ھ

تالیف کرد حضرت محمود[1] نسخۂ   کز حکمتش علاج دل نکتہ چین کنند
روشن شوند قلب و دماغ از جمال آں   نظارہ اش چو از نگہ دور بین کنند
در جزو دان دل نہند آں را باشتیاق   از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند
برنا و پیر ملت اسلام را لازم است   بالاشتراک بر اثرش آفریں کنند
کاربیست باصواب ثواب است بے حساب   کارے کہ عالماں پئے تعلیم دین کنند

تاریخ "باصواب" بگفتم بہ تعمیہ
۹۹
ایں کار از تو آمد و مرداں چنیں کنند

۷۹   ۱۲ + ۹۹ = ۱۳۷۸ھ

قطعات اُردو

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

محمود ہے جن کا نام محمود ہے کام   کیا خوب کتاب الفوں نے کی ہے ارقام
پوچھے سنہ طبع تمنا جو کوئی   کہہ دو کہ - مشاجرات اسلاف کرام

۱۳۷۸ھ

ولہ

کیسی ہے کتاب فی الحقیقت؟ کہیئے!   انصاف سے، از روئے دیانت کہیئے
جو نام ہے بے بہا وہ تاریخ بھی ہے   آپ اس کو "مشاجرات امت" کہیئے

۸۷   ۱۳ھ

(بہا" کے بھی (۸) عدد ہیں بے بہا" کہنے سے "مشاجرت امت" کے (۱۳۸۶) سے (۸) عدد خارج ہو کر باقی ۱۳۷۸ھ رہ گیا)

---

[1] علامہ محمود احمد صاحب عباسی امروہوی۔

ولہ

اس کا بھی جاننا ہے غرض ہم پہ صحیح طور سے
بعض سلف کے کچھ دنوں گذرے ہیں کیسے لیل دیوم
پڑھئے اب اس کتاب کو، خوب چھپی ہے وقت پر
ہو جئے جلد ہوشیار، ہیں اگر آپ محو نوم
بغض گر اُن سے دل میں ہو، جن کا ہے اتباع فرض
کام کبھی نہ آئیں گے لکھو کھلے یہ صلوٰۃ وصوم
ہے بھی یہ شاہکار اُس صاحب علم وفضل کا
تھام سکا نہ جس کا ہاتھ لائمُ بدگہُر کا لوم
چاہئیے اس کے طبع کا سال جو تجھ کو عیسوی
لکھ دے تمنؔا حزیں "ذکر مناقشات قوم"
سنہ ۱۹۵۶ء

ولہ

تاریخ کی تحقیق بھی ایک کام ہے اہم
انسان نہیں ناحق کسی جانب جو ڈھل گیا
گر حضرتِ محمود نے دکھلادی راہ حق
کیا راہِ حق پائیگا وہ ضد پر جو تُل گیا
اب تم تمنؔا طبع کی تاریخ یوں لکھو
"لوگوں کے بہتانات کا سب راز کھل گیا"

۱۳۷۸ھ

اِنْ کَانَ یَزِیْدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ مَغْفُوْرًا

اللہ کی رحمت پر کسی کا ہے اجارہ؟

(بقلم مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور)

لَا نَسْلُکُ بِالزَّیْغِ یَمِیْنًا وَّیَسَارًا ۔۔۔ نَہ راہِ توسط سے نہیں ہم کو کنارا

لَسْنَا بِمُحِبِّیْنَ غُلُوًّا کَنَصَارٰی ۔۔۔ ہم اُمّتِ وسطیٰ ہیں یہ مذہب ہے ہمارا

لَا نَسْمَعُ مَرْثِیَۃً زُوْرًا وَّ دِمَارًا ۔۔۔ سنتے نہیں مرثیہ نہ بربط نہ چکارہ

ہم اہلِ تسنن ہیں تقیہ نہیں کرتے ۔۔۔ لَا نَخْتَلِفُ الْقَوْلَ سِرَارًا وَّ جِھَارًا

تاریخ بَنِی الشَّمْسِ[1] لَنَا الدَّھْرُ مُضِیٌّ ۔۔۔ اولادِ اُمیّہ کا چمکتا ہے ستارا

مُردوں کو بُرا کہیے یہ شیوہ نہیں اچھا ۔۔۔ لَا نَشْتِمُ الْاَسْلَافَ صِغَارًا وَّ کِبَارًا

ہم اپنی زبانوں سے تبرا نہیں کرتے ۔۔۔ لَا نَلْفِظُ بِالسُّوْءِ سِرًّا وَّ جِھَارًا!

قَدْ قَالَ بِہٖ حُجَّۃُ الْاِسْلَام غزالی ۔۔۔ احیائے علوم ان کی ہے قرآں کا سپارہ

لَا نُشْرِکُ بِاللّٰہِ عَلِیًّا بِنِدَاءٍ ۔۔۔ ہم کو ہے بس اللہ کی رحمت کا سہارا

وَاللّٰہِ مُعَاوِیَۃُ لِلْمُؤْمِنِ خَالٌ ۔۔۔ اصہارِ رسالت سے یہ رشتہ ہے ہمارا

اَلسَّبُّ لِعُثْمَانَ لَقَدْ یَسْلُبُ الْاِیْمَانَ ۔۔۔ قَدْ جَرَّبَ فِی النَّاسِ کِرَارًا وَّ مِرَارًا

بے شک رَدِ لشکرِ اسلام ہیں دونوں ۔۔۔ عُثْمَانُ وَمُعَاوِیَۃُ فِی الْاَرْضِ اَنَارَا

لَا یَنْقُصُ اِسْمًا وَّ مُسَمًّی وَّ مَمَاتًا ۔۔۔ روشن ہے ابو خالدِ عادل کا منارا

اِنْ کَانَ یَزِیْدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ مَغْفُوْرٌ ۔۔۔ اللہ کی رحمت پہ کسی کا ہے اجارہ؟

فِیْ مَغْفِرَۃِ الْجُنْدِ حَدِیْثٌ وَّ صَحِیْحٌ ۔۔۔ جس فوج کو قائد نے سمندر میں اتارا

دکھلاؤ کہ خارج ہے بشارت سے کوئی فرد ۔۔۔ قَدْ جَاءَ حَدِیْثٌ مِّنْ اَحَادِیْثِ[2] بُخَارَا

---

[1] بنی عبد شمس بن عبد مناف یعنی بنی اُمیّہ۔

[2] صحیح البخاری جلد الاول۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (الحدیث)

کیوں کرتے ہو انکار حدیث نبویؐ کا — مِن قَسْوَرَةِ السُّنَّةِ لِلْاُمَّنِ فرارا
بد مستی و رندی کا یہ بہتان ہے واللہ — فی محفلہٖ کانت الاحباب سُکاریٰ
اصحابِ نبیؐ کا وہ امام اور وہ قائد — الفَاجِر و المزّانیٖ والفسُوقُ جہارا
بیعت جو صحابہؓ ہوئے کیا کہتے ہو ان کو؟ — مِنْ اَینَ اِلیٰ اینَ تَفِرّونَ فرارا
عَلّامَۃ محمود فی الانساب امامٌ — تاریخ کی دنیا میں بجا ان کا نقارا
ماحقّق علّامۃ محمود صحیحٌ — تاریخ میں جھٹلا دے کوئی کس کو ہے یارا
تاریخ سے انکار نہیں کارِ عقیلاں — من ینکرُ للحق بلیدٌ لحُباریٰ

عادت ہے سہیل اپنی کہ مدح علما ہو
صیفاً و شتاءً و بلیلٍ و نہارا

آگئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

(از مولانا اسمٰعیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ لائلپور)

مطلعِ تاریخ پر نکلا ہے گویا ماہِ عید
آگئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

خوب لکھی ہے کتاب لاجواب و باصواب
علم کی دنیا میں ہر سُو غُل اٹھا۔ ہَل مِن مزید

ہوگئی مسدود راہِ لعن وطعن وافترا
مذہب باطل کی اس سے کٹ گئی حبل الورید

مصرعِ پُرلطف ہم نے بھی لکھا ہے اے اہلِ حق
ہو گئے علّامۂ محمود احمد بایزید"

وہ حدیثِ مستند یعنی کہ مغفورٌ لَّہُم
فوجِ قسطنطین پر صادق ہے، جس میں ہے یزید"

اس حدیثِ مغفرت میں کوئی استثناء نہیں!
شہہ رگِ اِسلام پر دیتے ہو کیوں ضربِ شدید؟

موردِ اِلزام ٹھہراتے ہو ہم کو دوستو
کرکے تاویلات اور تحریف کی گفت و شنید

ہو گئے عاجز دلائل سے تو غصہ آگیا
کف بلب آمد و خارِ دشمنی در دل خلید

دوستو! واللہ ربّ العرش و ربّ العلمین
اِس حدیثِ پاک سے خارج نہیں ہرگز یزید"

ھل نسیتم ما امرتم لا تسبّوا امیّتا
ایّھا العلماء کفّوا عن سبابٍ فی یزید

ثمّ عن الزام قتلِ افتراءٍ باطلٍ
لا تحیدوا عن صراط الحق عن امرٍ سدید

ای ورای حجتی قول النبی المصطفےٰ
ھل لکم برھان ربّی من قدیم او جدید

حجتی سند البخاری راویًا ابن عمر
ایّھا الجرّاح کفّوا عن معانید العنید

ھل لکم افواہ صدقٍ او لکم اذان حق
ھل لکم ذوقٌ سلیمٌ بینکم رجلٌ رشید!

کتابیات

۱- آثار الباقیہ البیرونی
۲- اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء الخضری
۳- اخبار الطوال ابوحنیفہ الدینوری
۴- ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ
۵- الاستیعاب ابن عبد البر
۶- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
۷- الاصابہ فی تمیز الصحابہ
۸- الاعلام قاموس التراجم زرکلی
۹- البدایہ والنہایہ ابن کثیر
۱۰- التنبیہ والاشراف مسعودی
۱۱- الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام۔
۱۲- الصارم المسلول علی شاتم الرسول ابن تیمیہ
۱۳- صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب
۱۴- العقد الفرید ابن عبد ربہ
۱۵- العواصم من القواصم ابن العربی
۱۶- الامامۃ والسیاسۃ الدینوری
۱۷- انساب الاشراف بلاذری
۱۸- انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن (انگلش)
۱۹- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)
۲۰- بذل المجہود شرح ابی داؤد۔
۲۱- البیان والتبیین جاحظ
۲۲- تاج العروس شرح قاموس
۲۳- تاریخ الاسلام ذہبی۔
۲۴- تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوار (انگلش)
۲۵- تاریخ ابن خلدون
۲۶- تاریخ الامم والملوک طبری
۲۷- تاریخ ادبیات عرب نکلسن (انگلش)
۲۸- تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان
۲۹- تاریخ عرب امیر علی (انگلش)
۳۰- تاریخ عرب ہتی (انگلش)
۳۱- تاریخ مسلمانان اسپین دوزی (انگلش)
۳۲- تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ گبن (انگلش)

۳۳- تاریخ کعبۃ المعظمہ
۳۴- تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی -
۳۵- جامع ترمذی
۳۶- جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)
۳۷- جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۸- جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۹- جمہرۃ الخطب العرب احمد ذکی صفوت
۴۰- حاضر الاسلامی شکیب ارسلان
۴۱- حیات محمدؐ- محمد حسین ہیکل -
۴۲- دی گریٹ امید محمد حارث (انگلش)
۴۳- رحلہ ابن بطوطہ
۴۴- رحلہ ابن جبیر-
۴۵- رحلۃ الحجاز البیتونی
۴۶- سفرنامہ مکہ مدینہ رچرڈ برٹن (انگلش)
۴۷- سنن ابی داؤد
۴۸- سنن نسائیؒ
۴۹- سیرۃ الجلیلہ
۵۰- شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید
۵۱- شفا الغلیل للخفاجی
۵۲- صحیح البخاری
۵۳- صحیح مسلم
۵۴- ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی ریو۔
۵۵- طبقات ابن سعد
۵۶- عرب و مشرق بعید پروفیسر حزین (انگلش)
۵۷- علی و بنوہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین
۵۸- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۹- غزوات النبیؐ ڈاکٹر حمید اللہ
۶۰- غنیۃ الطالبین الجیلانی
۶۱- فتح الباری شرح بخاری
۶۲- فتوح البلدان بلاذری
۶۳- فہرست ابن الندیم
۶۴- کامل الصناعۃ علی المجوسی
۶۵- کتاب الاغانی ابوالفرج اصفہانی
۶۶- کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی -
۶۷- کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ
۶۸- کتاب الزہد امام احمد بن حنبلؒ
۶۹- کتاب المجر ابی جعفر محمد
۷۰- کتاب المسالک والممالک ابن حوقل
۷۱- " " الاصطخری
۷۲- کتاب المعارف ابن قتیبہ
۷۳- کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۷۴- کشف الاحوال فی نقد الرجال فاضل مدراسی
۷۵- اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ سیوطی -

۷۶ - لسان العرب

۷۷ - لسان المیزان ابن حجر عسقلانی

۷۸ - لغت الجوالیقی

۷۹ - مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی

۸۰ - محاضرات تاریخ الاسلام الخضری

۸۱ - محمڈ اٹ مدینہ منٹگمری واٹ (انگلش)

۸۲ - معجم البلدان یاقوت حموی

۸۳ - المعرب للجوالیقی

۸۴ - مکتوب مجدد الف ثانی رح

۸۵ - مکتوب شیخ الہند مدنی رح

۸۶ - مقاتل الطالبیین ابو الفرج اصفہانی

۸۷ - مقتل ابو مخنف

۸۸ - مقدمہ تاریخ ابن خلدون

۸۹ - منتخبات فی اخبار الیمن

۹۰ - منہاج السنہ ابن تیمیہ رح

۹۱ - موطا امام مالک رح

۹۲ - میزان الاعتدال ذہبی

۹۳ - ناسخ التواریخ سپہر کاشانی

۹۴ - نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی

۹۵ - وفیات الاعیان ابن خلکان

۹۶ - وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم

۹۷ - تاریخ یعقوبی ابن واضح

۹۸ - راس الحسین ابن تیمیہ رح

۹۹ - مصباح الظلم امداد امام

۱۰۰ - الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ رح

تحقیق مزید

بسلسلۂ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ

کتاب کی اس دوہری مبسوط جلد میں پونے تین سو صحابہ و پانچ ازواج مطہرات رسول اللہ صلعم کے مختصر تذکرے ہیں ان صحابہ میں عشرہ مبشرہ، بدری صحابہ، اصحاب بیعت الرضوان اور دیگر صحابہ شامل ہیں جو سب کے سب امیر یزیدؒ کی خلافت کے موافق اور خروج حسینی کے مخالف رہے اس کے علاوہ قصاص خون عثمانؓ کے سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہ و زبیرؓ نیز حضرت معاویہؓ کے اقدامات کے صحیح صحیح حالات اور خروج حسینی کے بعد انکے اخلاف میں سے (۵۰) اشخاص کی بغاوتوں کے حالات جو اموی و عباسی خلفا کے خلاف تیسری صدی ہجری تک ہوتے رہے شامل ہیں نیز دیگر اہم انکشافات مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبد المطلب کا تھا نہ ابوطالب کا حضرت حسینؓ کی زوجیت میں کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

سائز ۲۰×۲۶/۸ تعداد صفحات ۵۱۲ مجلد مع گردپوش دورنگا

قیمت :- آٹھ روپے

مکتبہ محمود ۱/۲۶ بی ایریا لیاقت آباد۔ کراچی